انوارِ عمرؓ

تالیف:

پروفیسر غلام عابد خان

احباب پبلشرز
۲- فیصل بلاک
اعظم گارڈنز۔ ملتان روڈ
لاہور

گر قبول اُفتد زہے عِزّ و شرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمان الحقیقت، قطب العالم، محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ **محمد عمر** صاحب بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی

سوانح حیات کا جامع مطالعہ

موسوم بہ

انوارِ عمرؒ

منیر

حسب الارشاد

صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ، سجادہ نشین آستانہ عالیہ بیربل شریف

تالیف : پروفیسر غلام عابد خان

ناشر احباب پبلشرز ۲۔ فیصل بلاک اعظم گارڈنز۔ ملتان روڈ لاہور

نام کتاب ——— انوار عمر

تالیف ——— پروفیسر غلام عابد خان

باہتمام ——— چوہدری محمد صدیق

مطبع ——— آرڈیز پبلشرز

اشاعت ——— اول ستمبر ۱۹۹۸ء

تعداد ——— ۶۰۰

قیمت ——— ۲۵۰ روپے

مراکز تقسیم

۱۔ مسجد عمرؓ احمد پارک موہنی روڈ' لاہور

۲۔ آستانہ عالیہ۔ بیربل شریف ضلع سرگودھا

۳۔ جامع مسجد پولیس لائن سرگودھا

۴۔ الکرم پبلی کیشنز۔ مرکز الاویس۔ دربار مارکیٹ۔ لاہور

۵۔ زاویہ ٹریڈرز۔ مرکز الاویس۔ دربار مارکیٹ۔ لاہور

مندرجات

حرف اول

تاریخ نگاری اور سوانح نگاری اگرچہ فنی لحاظ سے دو مختلف علمی و ادبی اسلوب ہیں لیکن فکری لحاظ سے ان میں کئی قدریں مشترک ہیں۔ تاریخ ہمیں زمانہ کی سیاست کے نشیب و فراز سے آگاہی دیتی ہے۔ لیکن تاریخ کی نسبت سوانح کا خاص وصف یہ ہے کہ یہ ہمیں ایسے "فرد" یا "انسان" سے روشناس کراتی ہے۔ جس کی زندگی دوسروں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہو۔ انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد اولیائے کرام کی پاکیزہ زندگیاں ہی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں جن کی سیرت و حالات سے آگاہی حاصل کر کے رشد و ہدایت اور خیر و اصلاح کا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر تذکرہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جسے پروفیسر غلام عابد خان نے بڑی محنت سے تالیف کیا ہے۔ فاضل مصنف صاحب تذکرہ پیر و مرشد حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مے کدۂ محبت کے فیض یافتہ ہیں۔ ۱۹۶۴ء کے لگ بھگ حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں کچھ عرصہ مسلسل خدمت میں رہ کر آپ کے حالات اور معمولات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں حضور قبلہ عالمؒ کی شفقت' محبت اور رہنمائی سے مستفید ہوئے۔ آپؒ کے حکم سے لاہور آئے اور یہاں رہ کر لاہور کے علمی و ادبی ماحول سے خوب فائدہ اٹھایا۔ تحریر و تحقیق کا شوق پہلے ہی تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ کی نظرالتفات نے اسے اور جلا بخشی۔ نتیجتہً کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ان کی اس کاوش کو بھی قبولیت عامہ حاصل ہو۔ آمین

احباب پبلشرز

گزارش احوال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَابَعْدُ

مرشدی و مولائی، محبوب الٰہی، صاحبزادہ خواجہ محمد عمر قدس سرہ العزیز کو اس دارفانی سے رحلت فرمائے تقریباً تین عشرے بیت چکے ہیں۔ آپؒ کی سیرت اور دینی اور ملی خدمات پر یہ تذکرہ بارش کے پہلے قطرے کی مانند ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسی نابغہ روزگار شخصیت پر آج تک کئی کتابیں شائع ہو چکی ہوتیں۔ آپؒ کے منفرد کارنامے اور مثالی سیرت کے مختلف پہلو منظرعام پر آ جاتے لیکن بوجوہ ایسا نہ ہو سکا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کام کے اہل حضرات یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہوتے گئے اور بقیہ احباب میں یہ احساس بڑھتا گیا کہ شاید یہ عظیم کام کبھی بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے گا۔ اسی احساس سے متاثر چند احباب نے جرأت رندانہ سے کام لیتے ہوئے یہ کام اپنے ہاتھوں میں لے کر اس ناچیز (مؤلف) کو حضرتؒ کی سوانح حیات مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی۔

کسی مرد کامل کی زندگی کے حالات مرتب کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی سیرت و کردار کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ پڑھنے والے متاثر ہو کر اپنی زندگیوں کو اس سانچے میں ڈھالنے کے لیے عملاً آمادہ ہو جائیں۔ لیکن اس قسم کی تحریر کے لیے مصنف کے علم و فضل کی وسعت اور عظمت کردار کا بڑا عمل دخل ہے۔ اس میں 'قال' کے ساتھ ساتھ 'حال' کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ اس کار خیر کے لیے جن ظاہری اور باطنی خصوصیات کی ضرورت تھی، میں ہرگز ان سے بہرہ ور نہیں ہوں۔ اس لیے اس مشکل اور

عظیم کام کے لیے اپنے انتخاب پر حیران بھی ہوں اور خوش بھی۔ حیران اس لیے کہ کہاں میں اور کہاں یہ سعادت اور خوش اس لیے کہ اگر وہ ذات اقدس جل شانہ' خود کسی کو سعادت بخشنا چاہے تو اس کے خزانے میں کیا کمی ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بفضلہٖ تعالیٰ جب کام شروع کیا تو تائید ایزدی سے مشکل مراحل بھی آسانی سے طے ہو گئے اور اس احساس کے ساتھ کہ جس مرد قلندر" کا ذکر خیر ہے اسی کی نظر کرم بھی تو شامل حال ہو گی۔

گردش ساغر صد جلوۂ رنگین تجھ سے آئینہ داری یک دیدۂ حیران مجھ سے

حضور قبلہ عالم قدس سرہ العزیز' میرے مرشد' میرے محسن اور مربی سب کچھ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک انہیں کے احسان و مروت کے زیر اثر جی رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ آپ" کی عظمتوں کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

ایسے حالات میں روایتی خوش اعتقادی سے مغلوب ہونا ایک فطری بات ہے۔ تاہم لکھتے وقت یہ کوشش کی گئی ہے کہ حقیقت پسندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اپنی عملی بے بضاعتی اور علمی تہی دامنی کی وجہ سے خوف زدہ بھی ہوں کہ ایسی عظیم المرتبت ہستی کے ذکر خیر کو ان کے شایان شان نبھا بھی سکا ہوں یا نہیں۔ اب یہ فیصلہ قارئین کرام کے ہاتھ میں ہے۔

اپنی بساط کے مطابق ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ کتاب ہر لحاظ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر قارئین کرام تک پہنچے۔ پھر بھی اگر کسی انداز میں کوئی خامی یا کوتاہی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی سے ممنوں فرمائیں تاکہ آئندہ اس کو دور کیا جا سکے۔

اپنے مشاہدے' تحقیق اور احباب کی رہنمائی میں حضور قبلہ عالم" کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا ایک "گل دستہ" پیش خدمت ہے جس میں نہ 'قال' کی دلچسپی ہے اور نہ 'حال' کی گہرائی' بس حالات و واقعات کو خوبصورت انداز میں ترتیب دینے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں بہت سے احباب کا فکری اور عملی تعاون شامل رہا ہے۔ اس لیے یہ کوئی انفرادی پیشکش نہیں بلکہ ٹیم ورک کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں جن حضرات نے میری رہنمائی اور مدد فرمائی ہے میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کیونکہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام ممکن نہیں تھا۔

اِس لیے ان کا فرداً فرداً تعارف ضروری ہے۔

صاحبزادہ خالد سیف اللہ مدظلہ' العالی زیب سجادہ آستانہ عالیہ بیربل شریف نے کمال مہربانی سے احباب کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کام کی اجازت فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی اجازت نے خیر و برکت کے کئی در واکر دیئے اور بفضلہٖ تعالیٰ جب یہ کام شروع کیا تو آخر تک اس کا تسلسل نہیں ٹوٹا۔ جناب چوہدری محمد صدیق صاحب کی اس کام میں ذاتی دلچسپی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جنھوں نے اپنی بیماری اور ضعیف العمری کے باوجود اس منصوبے کی تکمیل میں سالار قافلہ کی حیثیت سے رہنمائی فرمائی۔ اس کام میں ان کی ذاتی لگن نے میرے حوصلوں کو تقویت دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کارخیر کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ جناب چوہدری دوست محمد صاحب کے جرأت مندانہ اقدام سے اس منصوبے کی راہ میں موجود تمام رکاوٹیں دور ہوئیں۔ الحاج حافظ دوست محمد صاحب اور جناب چوہدری محمد افضل خان صاحب کی دعائیں ہر مرحلہ میں شامل حال رہیں۔ جناب حافظ محمد حبیب شاہ صاحب کی سالہا سال کی محنت اور کوشش سے جمع ہونے والے مواد پر اس منصوبے کی ساری عمارت کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ جناب سید مظفر حسین شاہ صاحب کے خطوط اور اعانت نے میرے حوصلے بلند رکھے اور ان کی تعمیری تنقید نے کئی غلطیوں سے بچایا۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے اپنی جملہ مصروفیات کے باوجود ایک عام کارکن اور رابطہ کار کی حیثیت سے کام کے تسلسل کو قائم رکھنے میں مدد دی۔ جناب پروفیسر عبدالصمد صارم صاحب الازھری نے اپنی ضعیف العمری کے باوجود نہ صرف دقت نظر سے مسودہ کی تصحیح فرمائی بلکہ ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔ اور سب سے بڑھ کر قابل ذکر بات یہ کہ ڈاکٹر حیدر اسد اللہ ملک (نبیرہ حضور قبلہ عالم") اور دیگر کئی احباب نے طباعت کے مصارف فراہم کر کے اس منصوبے کو تکمیل کی منزل تک پہنچایا۔ یہ تمام حضرات نہ صرف میرے بلکہ تمام اہل سلسلہ کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین۔

۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

۱۱ جولائی ۱۹۹۸ء

نیازمند آستانہ عالیہ بیربل شریف

غلام عابد خان

۴۶۔ اصوبڑہ سٹی' کالونی تربیلہ ڈیم

تقدیم

از قلم:۔ پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ

"انوار عمر" نے میرے دل و دماغ کو منور کر دیا۔ ان شاء اللہ اس کتاب سے حضرت قدس سرہ' کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی آنکھیں منور ہو جائیں گی اور نہ معلوم کتنے لوگوں کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی' ان کے عقیدت منداس سے رہنمائی حاصل کریں گے اور شریعت و طریقت و حقیقت سے شناسا ہو جائیں گے۔

میں تو کبھی خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ حضرت صاحب کی اتنی اچھی مفصل سوانح حیات لکھی جا سکے گی جو ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے۔ کبھی بھی دل میں یہ خیال نہ گزرا کہ حضرت صاحبؒ کے معتقدوں میں کوئی ایسا ادیب ہو گا جو سوانح نگاری' خاکہ نویسی اور تجزیہ نگاری سے کماحقہ' واقف ہو گا۔ پروفیسر غلام عابد خان تو چھپے رستم نکلے کہ میں نے کتاب دیکھی تو حیران رہ گیا کہ انہیں سوانح نگاری کا کتنا اچھا سلیقہ ہے۔ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے اور ان کی جدوجہد و تحقیق کو سراہنا پڑتا ہے۔ حضرت صاحب کے سارے کھلے چھپے حالات کس کاوش عقیدت اور دلچسپی سے بیان کئے ہیں کہ کتاب کا ہر باب گل و گلزار ہے اور حب شیخ کا منہ بولتا نمونہ ہے۔ بعض جگہ تو انہوں نے اپنے زور قلم سے صفحہ قرطاس کو زعفران زار بنا دیا ہے اور وہ ابھی اور کچھ اضافے کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ ضخیم سوانح حیات ہے جس سے مرحوم و مغفور کے سارے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ بعض بحثیں بڑی دلچسپ ہیں۔ خصوصاً تصوف کے بارے میں انہوں نے اچھا مواد جمع کر دیا ہے۔ کتاب بتا رہی ہے کہ پروفیسر صاحب غیر متعصب صوفی ہیں جیسے کہ ان کے شیخ اور ان کے جانشین حاجی فضل احمد صاحب مرحوم تھے۔

میرا حضرت صاحبؒ سے دوستانہ ان کی صرف اس ادا پر ہوا کہ میں نے دیکھا وہ نہ دیوبندی ہیں نہ بریلوی' نہ کسی قسم کا کسی سے کوئی تعصب کرتے ہیں۔ بس جیسے ایک صحیح صوفی کو بندگان خدا سے محبت ہوتی ہے وہ ان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہی بات حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں تھی کہ وہ سچے صوفی تھے اور ہر مشرب کے آدمیوں سے محبت سے ملتے تھے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ بہت سے صوفی دیکھے اندر کچھ اور باہر کچھ۔ ایک دفعہ حاجی صاحبؒ کہنے لگے لوگ مجھ سے ناراض ہیں کہ مولانا اسماعیل شہید کا ذکر کیوں کیا؟ میں نے کہا بھائی یہ تو دیکھو کہ یہ بات انہوں نے کس جذبے کے تحت کہی تھی؟ بعض لوگ تو مجدد صاحبؒ کے ذکر سے بھی مجھ سے ناخوش ہیں۔

پنجاب کے پیروں سے اللہ بچائے   غارت گر ایمان ہیں یہ صورت چنگیز

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے پنجاب کے پیروں کا اس شعر میں بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے۔ آنکھیں ترس گئیں بڑے بڑے ٹھاٹ باٹ دیکھے مگر اندھیرا ہی اندھیرا "ظلمت بعض فوق بعض"

حاجی صاحبؒ نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا نہ میں نے کبھی انہیں' مگر وہ میری کتابوں سے واقف تھے۔ پھر بھی میں ان سے قطعاً ناواقف تھا۔ میں دھنی رام روڈ نئی انارکلی میں رہتا تھا۔ تیز تیز چلا کرتا تھا۔ کالج جا رہا تھا' دھنی رام کے نکڑ پر پہنچا تو ایک شخص نے بڑی پھرتی سے لپک کر مجھے کولیا لیا (جپھی پالی)۔ مجھے بڑا ناگوار گذرا کہ مجھ پروفیسر کو بے جانے بوجھے اتنی بے تکلفی سے اس شخص نے کیسے پکڑ لیا۔ دیکھا تو ایک سرخ' سپید رنگ لال داڑھی والے دہرے بدن والے نے مجھے دبا رکھا ہے۔ میں ضبط کر گیا۔ دریافت کیا آپ کون ہیں؟ کہنے لگے میں نے آپ کی تصنیف شعرالعرب میں آپ کی تصویر دیکھی تھی۔ مجھے تعجب ہوا کہ جوانی کی وہ تصویر قاہرہ کے مصری لباس میں خشخشی داڑھی اس تصویر کو اس حالت سے کیا نسبت' کوٹ ٹائی اور مصری ترکی ٹوپی اور کہاں اب یہ رنگ۔ سمجھ گیا کہ آدمی مردم شناس ہے' آگے قدم بڑھائے اور کالج کی راہ لی۔ بس ان کی میری یہ مختصر سی ملاقات تھی' پھر کئی برسوں کے بعد ملاقات ہوئی۔ پتا نہ تھا کہ انہوں نے مجھے اس لیے کولی میں بھرا کہ میں آئندہ ان کے حلقہ احباب میں شامل ہو جاؤں گا یا اس لیے کہ انہوں نے مجھے حلقہ احباب میں شامل کر لیا تھا۔

صاحب زادہ حضرت محمد عمر صاحب مرحوم نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی حضرت شیر محمد صاحب قدس سرہ کی سوانح حیات لکھے گا۔ اسے پانسو روپے انعام دیے جائیں گے' اس زمانے میں پانسو روپے بڑی چیز تھے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ میں ان کی سوانح حیات لکھوں گا۔ ایک رات خواب دیکھا کہ کچھ سادھو جن کے پاس بڑی پرانی کتابیں ہیں لاہور آئے ہیں۔ وہاں دیگیں پک رہی ہیں۔ صبح ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ صاحبزادے صاحبؒ تشریف لائے ہیں اور موہنی روڈ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا اشتیاق تھا گیا تو دیکھا دیگیں چڑھی ہوئی ہیں اور مسجد میں حضرت صاحب تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں حاجی صاحبؒ بھی تشریف لے آئے۔ یہ میری صاحب زادے صاحب سے پہلی اور حاجی صاحبؒ سے دوسری ملاقات تھی۔ تصوف کی باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا میں کتاب لکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا لکھئے ایک اور صاحب نے بھی کچھ لکھا ہوا دکھایا۔ فرمایا لکھئے ایک اور صاحب نے بھی سوانح لکھنے کی بات کی۔ ان سے بھی فرمایا لکھئے۔

میں نے حضرت شیر محمد رحمتہ اللہ پر کتابیں جمع کیں تو یہ ضروری معلوم ہوا کہ ان کے خلفاء سے ملوں۔ چنانچہ صوفی بشیر صاحب گھنگ شریف اور حضرت اسماعیل شاہ صاحبؒ کرماں والے سے ملنے گیا اور پھر صاحب زادے صاحبؒ سے بیربل شریف ملنے گیا۔ تو مجھے اپنے بزرگ یاد آ گئے۔ لال داڑھی' دوپلی ٹوپی' کرتا اور پاجامہ' بوریا نشین' ایک بڈھا بیٹھا ہوا معصوم بچوں کی طرح سے باتیں کر رہا ہے' جس کے مونہہ سے دودھ کی بو آ رہی ہے۔ سادہ' نہ پیری فقیری کے ٹھاٹ باٹ نہ پیروں کی سی باتیں' سادہ سیدھی گفتگو' ایک آیا کہنے لگا۔ اس لڑکی کو جن بتاتے ہیں' فرمایا نہیں' بیمار ہے علاج کرو' دوسرا آیا پیر فقیر لوگ اس پر سایہ بتاتے ہیں فرمایا بیمار ہے علاج کرو' نہ تعویذ نہ گنڈے نہ نذرانے۔ میں نے دل میں کہا یہ شخص سچّا پیر ہے ورنہ اور پیروں کی طرح ان سے کچھ وصول کر کے ہی چھوڑتا۔ میں رخصت ہوا تو آپ نے دس روپے دیے۔ پھر دوستانہ خط و کتابت شروع ہو گئی اور گرمیوں کی چھٹیوں میں کھوڑہ آنے کے لیے فرمایا۔ وہ موسم گرما کھوڑے میں گزارتے تو مجھے ضرور بلاتے۔ وہاں حاجی صاحبؒ آتے جاتے رہتے تھے۔ میں ان کے سامنے جانے سے کتراتا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ میرا دل ان کے سامنے آئینہ ہے۔ لہٰذا دل کی بڑی حفاظت کرنی پڑتی تھی کہ یہ نہ سوچیں کہ اس مولوی کا دل تو اچھا خاصا بت خانہ ہے۔ ان

سے دیر تک باتیں ہوتیں' تو دل کو ان کی باتوں کی طرف ہی متوجہ رکھتا تھا' تاکہ کوئی اور دوسرا خیال نہ آنے پائے۔

کھوڑے میں حاجی صاحب" تشریف لائے تو وہاں ادارۂ تصوف کی بنیاد پڑی' طے پایا کہ "سلسبیل" نکالیں' مجھے سے قلمی معاونت کے لیے فرمایا۔ میں "سلسبیل" میں نظم و نثر بھیجا کرتا تھا۔ موہنی روڈ پر ایک چھوٹی سی مسجد میں ادارۂ تصوّف قائم کیا گیا جہاں صوفی اقبال کی خدمات لی گئیں' یہ ادارہ قلب پنجاب لاہور میں صوفیوں کا بڑا اچھا مرکز بن گیا تھا اور سلسبیل میں بڑے معیاری مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ کتاب اللمع وغیرہ کا ترجمہ بھی شائع ہوا۔

یہ ادارہ بہت جلد دم توڑ گیا اور صوفی اقبال مرحوم اسے الوداع کہنے پر مجبور ہو گئے۔ صوفی اقبال کو جب بھی میں دیکھتا تو دل کہتا یہ ہے سچا صوفی اور صوفی ایسے ہوتے ہیں وہ صبر و قناعت کے مجسمہ تھے۔

حاجی صاحبؒ بڑے باہمت تھے۔ اپنے شیخ کی آرزو کو سینے سے لگائے رہے اور سلسبیل جاری رہا۔ پھر وہ وقت آیا کہ حاجی صاحب" بہت کم زور ہو گئے اور حلقے والوں کی نااہلی سے یہ اچھا خاصا رسالہ ان کی زندگی ہی میں دم توڑ گیا۔ گو شائع تو ہوتا رہا اور دم وفات تک وہ اسے دھکیلتے رہے اور اب بھی شائع ہوتا ہے مگر بے جان ہے۔ مجھے ادارہ تصوّف کے ختم ہو جانے کا افسوس تو تھا ہی مگر اس گراں قدر رسالے کے مرجانے کا بڑا ہی افسوس ہے۔

میں نے حضرت شیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات جس شوق سے لکھی تھی شائع نہ ہو سکی اور ادارہ بھی اسے شائع نہ کر سکا تو حاجی صاحب مرحوم نے اسے قسط وار سلسبیل میں شائع کر دیا۔ سلسبیل ہی کون سا شائع ہوتا تھا جو وہ کوئی کتاب شائع کرتے۔

ایک دفعہ میں نے حاجی صاحب" سے عرض کیا کہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی بھی کتابیں' کسی ملک اور کسی زبان میں لکھی گئی ہیں' ان کی فہرست مرتب کر دی ہے۔ مجھے کوئی لالچ نہیں' میں چاہتا ہوں کہ یہ ببلوگرافی آپ شائع کرا دیں' فرمانے لگے' "صارم صاحب! کیا پوچھتے ہو' لوگوں سے پیسے لینا بڑا ہی مشکل کام ہے بس دوھنا پڑتا ہے۔" یہ کتاب بھی میں نے سلسبیل کو دے دی اور حاجی صاحب مرحوم نے اسے قسط وار سلسبیل میں شائع کر دیا۔

میں دیکھتا ہوں کہ صاحبزادے صاحب" اور حاجی صاحب" کے حلقے کے لوگ ایسے ہارے مارے نہیں ہیں کہ ادارہ تصوّف اور سلسبیل کو زندہ نہ رکھ سکیں' مگر سرد مہری کا رونا کہاں تک رویا جائے۔

کھوڑے میں حضرت سعید صاحب مرحوم سے بڑی دلچسپ گفتگو رہتی تھی۔ وہ ہر ایک سے گھل مل جاتے تھے۔ کئی بار اصرار کیا کہ میں بیربل شریف آیا کروں؛ تیتر کھلایا کروں گا۔ میں نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو حضرت صاحب سے عرض کیا تھا کہ میں کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتا جہاں فلش سسٹم کا بیت الخلاء اور پردے کا غسل خانہ صاف ستھرا نہ ہو۔ اس لیے صرف ایک بار ہی بیربل شریف جانا ہوا۔

کھوڑے میں مجھے جاتے ہی پیچش لگ جاتی تھی لہٰذا زیادہ قیام نہ رکھ سکا۔ شام کے وقت خالد صاحب اور ملک حبیب الرحمان صاحب کے صاحبزادے اور ظہور صاحب سیر کرنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ تینوں نوجوان تھے۔ چوہدری صدیق صاحب مجھے چائے پلایا کرتے تھے' ان کی چائے یاد رہے گی۔

حاجی صاحب مرحوم کی دوست نوازی دیکھیے کہ وہ مریضوں کو میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جو بے اولاد یا مجنوں قسم کے مریض آتے ان کے لیے دعا تو فرماتے ہی تھے دوا کی بھی تاکید کرتے تھے اور مریضوں کو میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ دوست نوازی دیکھیے کہ جب کبھی رنگ محل تشریف لاتے تو میرے مطب میں ضرور تشریف لاتے۔ حاجی صاحبؒ اور جمال میاں بھی میرے زیر علاج رہے اور جن مزدوروں اور معماروں نے رات دن جدوجہد کر کے مسجد تعمیر کی انہیں کوئی عارضہ ہو جاتا تو میرے پاس بھیجتے اور بعض طالب علموں کو بھی۔ جب حضرتؒ آخری اوقات میں سروس ہسپتال میں داخل تھے تو ایک دن حاجی صاحب" خاص طور پر انہیں دکھانے کے لیے مجھے لے گئے۔ میں نے حاجی صاحب" کی جو عاشقانہ حالت کھوڑے میں دیکھی تھی تو میں لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ حاجی صاحبؒ صاحب زادے صاحبؒ کی وفات کے بعد زندہ نہ رہ سکیں گے۔ میں نے حضرت صاحب کو دیکھا تو بار بار یہ کہنے کو جی چاہا کہ انہیں بیربل شریف لے جائیں۔ میں نے انہیں اشارتاً بتایا بھی مگر وہ تو ان کی وفات کا تصوّر ہی نہیں کر سکتے تھے' میری بات کو سمجھ نہ

سکے۔ شان خداوندی دیکھئے اس نے صبر کو پیدا کیا کہ غم زدوں کا سہارا بنے۔ چنانچہ حاجی صاحب ؒ نے پوری طرح صبر کیا اور میں ڈرتا ہی رہا کہ کہیں حاجی صاحب ؒ بھی رخصت نہ ہو جائیں، کہیں اک دم ان کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔

ایک دفعہ میں نے حاجی صاحبؒ مرحوم سے دریافت کیا کہ حضرت صاحب کو میں نے عالم الغیب پایا تو کیا وہ آپ کو ایسا عمل بتا گئے ہیں جس سے غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہوں یا آپ کی بھی ان جیسی حالت ہے؟ فرمایا وہ تو ایسا کوئی عمل نہیں کرتے تھے نہ کوئی ایسا عمل انہوں نے بتایا نہ مجھے ان کی طرح غیب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، بس ان کا دل ہی اتنا روشن تھا کہ ان کے سامنے سب کچھ روشن تھا۔

حاجی صاحب ؒ کی بے نفسی دیکھیئے کہ ایک شخص اپنے کسی عزیز کے لیے دعا کے واسطے حاضر ہوا کہ وہ مقدمہ قتل میں ماخوذ ہے اور سولی کا حکم ہو چکا ہے، آپ دعا فرمایئے کہ اپیل میں بری ہو جائے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص ملا تو آپ نے اس سے دریافت کیا اس کی اپیل کا کیا ہوا، تو وہ بولا۔ آپ مجھ سے پوچھتے ہیں آپ ہی نے تو فیصلہ لکھا تھا اور آپ ہی جج کی کرسی پر بیٹھے تھے۔ یہ بات بیان کر کے کہنے لگے صارم صاحب مجھے تو کچھ پتا تک نہ تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا دیکھو کوئی اور پیر ہوتا تو یہ بات نہ کہتا بلکہ فخریہ اور مرچ مسالہ لگا کر لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیتا۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔" حقیقت یہ ہے کہ حضرت صاحب قدس سرہ، کی صحبت نے انہیں بے لوث بنا دیا تھا۔ حضرت صاحبؒ کو سب کچھ معلوم ہوتا تھا مگر انجان بنے رہتے تھے۔ اخفاء ان کی خاص صفت تھی اور یہی بات حاجی صاحب ؒ میں تھی۔ وہ اپنے شیخ کے سچے خلیفہ تھے۔

حضرت الشیخ مقدس میں کبر و نخوت کا شائبہ تک نہ تھا۔ فرمانے لگے ایک دفعہ میں مولانا مودودیؒ کی خدمت میں چلا گیا اور میں نے عرض کیا جناب آپ لوگ پیروں فقیروں کو کیوں برا کہتے ہیں۔ ہمارے پاس مصیبت زدہ، جرائم پیشہ آتے ہیں کہ ہمارے فلاں عزیز کو پھانسی کا حکم ہوا ہے، آپ دعا کیجئے تو ہم دعا کر دیتے ہیں۔ سینکڑوں کو کم از کم ہمارے پاس اگر اطمینان قلبی میسّر آ جاتا ہے اور بعض اوقات پھانسی پانے والے چھوٹ جاتے ہیں تو اس میں کیا ہرج ہے۔ ہم کسی

سے کچھ مانگتے تو نہیں۔

دیکھیے تبلیغ کا یہ جذبہ کہ آپ ایک عام آدمی کی طرح مجلس میں جا کر بیٹھ گئے اور اپنا کام کر آئے۔ اس طرح انہوں نے نہ معلوم کتنے سیاست دانوں اور لیڈروں وغیرہ کی اصلاح کی' بالخصوص سجادہ نشینوں کی۔

سینکڑوں بدمعاش' چور اور ڈاکو آپ کی توجہ سے ولی اللہ بن گئے اور کتنے ہی مولوی سچے مولوی بن گئے۔ کتنے ہی الجھے ہوئے مقدمات آپ سلجھاتے اور عزیز و اقارب کو ایک دوسرے کا دوست بنا دیتے۔

کھوڑے میں میں نے یہ دیکھا کہ صبح سے دوپہر تک مقدمات پیش ہوتے رہتے تھے اور آپ کے فیصلے سے ہر شخص مطمئن ہو کر واپس جاتا تھا۔ عدالتوں کے چکروں اور وکیلوں کی بیش بہا فیسوں سے بچ جاتا تھا۔ لوگ ان کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو جاتے تھے کیونکہ وہ ان کے دلوں کے کھوٹ کو ان کے سامنے پیش کر دیتے تھے اور ان کے عیوب کو صاف صاف بیان کر دیتے تھے تو لوگ حیران رہ جاتے تھے کہ انہیں کیسے ہمارے دل کی باتیں معلوم ہو گئیں۔ یقیناً ان کا فیصلہ صحیح ہے اور اس میں ہماری بہتری ہے۔ بڑے بڑے دشمن آپس میں دوست بن کر نکلتے تھے۔ کیوں نہ ہو ان کے سامنے ان کے عیوب کا آئینہ جو رکھ دیا جاتا تھا۔ ان کی زیادتیوں کی اور خفیہ سازشوں کی نشان دہی کر دی جاتی تھی اور بتا دیا بلکہ دکھا دیا جاتا تھا کہ یہ فیصلہ نہ مانو گے تو تم پر یہ ادبار پڑے گا' عدالتوں میں مارے مارے پھرو گے اور بہت کچھ خرچ کرو گے۔

حضرت صاحب" صرف صوفی ہی نہیں فلسفی بھی تھے' یہی رنگ حضرت حاجی صاحب" کا بھی تھا کہ وہ تصوّف و ایمانیات و عبادات کے ساتھ ساتھ فلسفے کو ملاتے چلتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے حاجی صاحب" سے یہ بات کہی بھی کہ میں صرف آپ کی گفتنی پڑھتا ہوں کیونکہ اس میں فلسفے اور علم لدنی کی جھلک ہوتی ہے۔ کبھی حاجی صاحب" کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہوں تو کھڑا ہی رہتا ہوں' ان کے احترام کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا کیونکہ میں ان کے مرتبے سے واقف ہوں' حالانکہ دوسرے لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ حاجی صاحب" سے ہمارے تعلقات دوستانہ اور برابری کے تھے۔ آپس میں کوئی تکلف نہ تھا۔ ہر قسم کی باتیں ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے مگر حضرت اقدس تو ہر طرح مجھ سے بڑے اور

قابل صد احترام تھے۔ میں کھوڑے میں تھا اور صاحب زادے صاحبؒ بڑے مزے سے صوفیانہ باتیں کر رہے تھے' مجھے شرارت سوجھی کہ دیکھوں دنیا ان کو پوجتی ہے تو یہ میری گستاخی پر کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے حضرت کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہہ دیئے' گستاخی کے خیال سے نہیں صرف آزمائش کے طور پر' تو حضرت کے چہرے مہرے سے کوئی آثار غضب نمایاں نہ ہوئے اور بڑی خندہ پیشانی سے فرمایا کہ "صارم صاحب! آپ کا جو جی چاہے کہہ دیا کیجئے' آپ کو اجازت ہے۔"

یہ الفاظ مجھے اب تک ازبر ہیں۔ "جو چاہے کہہ دیا کیجئے' آپ کو اجازت ہے۔" ذرا آپ غور فرمائیں "جو چاہے اور اجازت ہے" کتنی عالی ظرفی کے کلمات اور محبت سے بھرے الفاظ ہیں۔

حضرت" کسی سے ناراض ہوتے تو بس اتنا فرمایا کرتے "تو بڑا جھلا ہے۔" ویسے وہ کسی بھی فرقے کے عالم و جاہل کو حتی الامکان برا نہیں کہتے تھے۔

اب میں بڑا بوڑھا ہو گیا ہوں' زیادہ دیر لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ یہ کتاب "انوار عمر" کافی ضخیم ہے' لکھتے پڑھتے کمر میں درد ہو گیا تو میں نے کہا "بڑے میاں میں نے زندگی میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کی یہ خدمت کیے دیتا ہوں۔" دوپہر کا وقت تھا پڑھتے پڑھتے سو گیا تو خواب میں آپ کو دیکھا۔ میں نے آپ کی تحریروں پر اعتراض کیا تو فرمایا' "فلاں شخص نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ فلاں علامہ کے پاس چلے گئے تھے۔" ایک دفعہ میں نے حاجی صاحب" سے دریافت کیا آپ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خاص آدمی ہیں اور اکثر بیربل شریف جاتے رہتے ہیں' قبر مبارک پر مراقب ہوتے ہیں' تو کیا کبھی حضرت مرحوم نے آپ سے کچھ فرمایا؟ تو حاجی صاحب نے کہا' ہاں ایک دفعہ آپ نے فرمایا' ہمیں مردہ نہ سمجھو۔

وائے	در چشم	زدن	صحبت	یار	آخر شد

وائے در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

رحمتہ اللہ علی جماعتھم
من اصاغرھم الی اکابرھم

عبدالصمد صارم الازہری
یکم ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

باب ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرہ طریقت نقشبندیہ مجددیہ عمریہؒ

اے نقشبند عالم نقش مرا ببند
نقشم چناں ببند کہ گویند نقش بند

* * * * * *

فضل کر یارب میرے حال زبوں پر رحم کر
ڈال مجھ آلودہ عصیاں پہ رحمت کی نظر
تجھ کو اپنی بے نیازی کی قسم اے بے نیاز
مجھ سراپا معصیت پر کر در افضال باز
تجھ کو دیتا ہوں ترے جود و سخا کا واسطہ
فضل کا، بخشش کا، رحمت کا، عطا کا واسطہ
تیری رحمت کے خزانے میں کمی کوئی نہیں
تیرے سجدہ ریز بندوں کو غمی کوئی نہیں
عرض کرنا ہے مجھے کچھ اپنی بخشش کے لیے
کچھ وسیلے پیش کرتا ہوں سفارش کے لیے
کر کرم مجھ پر محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے
فخر موجودات، شاہ دوسرا ﷺ کے واسطے
اس رسول بے نظیر و بے بدل کا واسطہ
راز دار خلوت بزم ازل کا واسطہ

رحم فرما حضرت صدیق اکبرؓ کے لیے
عاشق و دلدادۂ حسن پیمبر کے لیے

فارسی سلمان حضرتؓ بے ریا کے واسطے
حضرت قاسمؓ امام اولیاء کے واسطے

کر امام جعفر صادقؓ کے صدقے میں عطا
تو نجات دائمی کا مجھ کو دُر بے بہا

مجھ کو دے آسودگی بہر جناب بایزیدؒ
بوالحسنؒ کا واسطہ دے مجھ کو نصرت کی نوید

بوعلیؒ کا واسطہ کر دے میری مشکل کو حل
دے مجھے علم طریقت اور توفیق عمل

بہر یوسفؒ قید غم سے دہر میں آزاد کر
عبدالخالقؒ کے لیے عقبیٰ میں مجھ کو شاد کر

حضرت عارفؒ کے صدقے میں مجھے عرفان دے
حضرت محمودؒ کا صدقہ مجھے ایمان دے

واسطہ بابا علیؒ کا فقر درویشانہ دے
اور بابائے سماسیؒ کا دل مستانہ دے

اے خدا بہر جناب شیر حق میر کلالؒ
دجل دنیا کو میرے خم خانۂ دل سے نکال

جن کا ہے پہلا قدم ہر منتہی کا آخریں
شاہ بہاؤالدینؒ سخی برحمت او آفرین

یا الٰہی واسطے خواجہ علاء الدینؒ کے
دین احمدؐ پر رہیں ثابت قدم مسکین کے

دے میرے دل کو سکوں یعقوب چرخی" کے طفیل
حضرت احرار" کا صدقہ رہے دل میں نہ میل

حضرت زاہد" کے صدقے میں مجھے زاہد بنا
حضرت درویش" کے صدقے میں دے فقر و غنا

خواجہ امکنگی" کا صدقہ داغ عصیاں کو مٹا
حضرت باقی" کا صدقہ دے بقا بعد از فنا

بخش دے تو شیخ احمد" باصفا کے واسطے
اس مجدّدِ الف ثانی بے ریا کے واسطے

حضرت معصوم" کا صدقہ دکھا کوئے رسول
بس رہی ہے جس میں اب تک بوئے گیسوئے رسول

کھول دے دل کی کلی بہر سعید نامدار"
تاکہ میرے گلشن امید میں آئے بہار

واسطہ عبدالاحد" کا مالک ارض و سما
کر مجھے ایمان اور توحید کی دولت عطا

اے خدا بہر جناب خواجہ حنفی پارسا"
وقت آخر نزع کی تکلیف سے مجھ کو بچا

واسطہ حضرت ذکی" کا اپنی الفت کر عطا
بخش دے شیخ محمد" کے لیے میری خطا

واسطہ خواجہ زمان" کا دے مجھے ذوق فنا
بہراحمد" قبر میں ہو نور احمد کی ضیاء

اے خدا بہر جناب خواجہ حاجی یا حسین"
دے میرے قلب حزیں کو دین اور دنیا میں چین

بہر حضرت امام علیؒ صاحب صدق و صفا
سرخرو رکھ دوجہاں میں مجھ کو اے میرے خدا

واسطہ یا رب تجھے خواجہ امیرالدینؒ کا
دے مجھے علم و صفا رزق و عطا' صبر و رضا

جن کی تنویر و تجلی جلوہ جانانہ ہے
شرقپور اب جن کے باعث نور کا کاشانہ ہے

نام اس محبوب کے محبوب کا رب علا
حضرت شیر محمد صاحبؒ جود و سخا

رحم فرما از طفیل خواجہ صابر عمرؒ
جن کے صدقے میں رہوں میں پرمسرت عمر بھر

صاحب نور بصیرت خواجہ روشن ضمیر
مشعل دین مبیں اور فقر کے بدرمنیر

جن کا سینہ دولت توحید کا گنجینہ ہے
قلب صافی جن کا نور طور کا آئینہ ہے

جن کی پیشانی کتاب اللہ کی تفسیر ہے
جن کا کلک نور بس اللہ کی تحریر ہے

ان کے جذب اندروں کے فیض سے کر دے عطا
عشق لطف و معرفت کا ایک ورد لا دوا

* * * * * *

شجرۂ نسب

حضرت قبلۂ عالم محبوبِ الٰہی صاحبزادہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ

حافظ صدرُ الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ — حضرت محمد سعید صاحبؒ — حضرت حافظ غلام رسول صاحبؒ

(حضرت احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد:)

علامہ محمد معصوم صاحب مرحوم — حافظ صاحبزادہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ — حافظ محمد زبیر صاحب مرحوم — حافظ محمد عابد صاحب مرحوم — صاحبزادہ مولوی محمد صادق صاحب

(حافظ صاحبزادہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد:)

صاحبزادہ بشیر احمد مرحوم — حضرت صاحبزادہ خالد سیف اللہ مد ظلہٗ سجادہ نشین

صاحبزادہ بشیر احمد مرحوم

حضرت صاحبزادہ سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صاحبزادہ عمر مرتضیٰ صاحب — صاحبزادہ مظہر قیوم صاحب — صاحبزادہ ندیم الحسن صاحب

حضرت صاحبزادہ خالد سیف اللہ مد ظلہٗ سجادہ نشین

صاحبزادہ عابد عمر صاحب — صاحبزادہ احمد عمر صاحب — صاحبزادہ عثمان عمر صاحب

باب ۲

خاندان اور سوانحی حالات

ا۔ خاندانی پس منظر

الحمدللہ۔ کہ جس پاک ہستی کا ذکرِ خیر کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے' اس کا تعلق برصغیر پاک و ہند کے ایک اعلیٰ اعوان خاندان سے ہے۔ جو برصغیر میں سادات فاطمیہ کے بعد اپنے اعلیٰ نسلی اور نسبی روایات کے باوصف ہمیشہ قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ اعوان قوم کے افراد اپنے سلسلہ نسب کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے غیرفاطمی فرزند حضرت محمد بن الحنیفہ (حضرت امام حنیف رضی اللہ تعالیٰ) سے ملاتے ہیں۔ اس لیے اعوان ابتداً علوی کہلائے۔ خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد علوی عراق سے ایران ہجرت کر گئے۔ یہاں سے بٹ کر ان کی آبادی کا ایک حصہ ہرات منتقل ہوا۔ باقی قبیلہ گورنر خراسان الپتگین کے ہمراہ غزنی پہنچا اور اس کی قائم کردہ ریاست میں آباد ہوا۔ ہرات اور غزنی میں اس قبیلہ کے افراد نے حرب و ضرب اور فن سپہ گری میں دسترس حاصل کی اور نام پیدا کیا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان پر سلطان محمود غزنوی کے بیشتر حملوں میں علوی قبیلہ شریک رہا۔ اس قبیلہ کے دستوں کی کمان سالار ساہو اور اس کے چھوٹے بھائی قطب شاہ علوی کے ہاتھ میں تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے کفر کے خلاف جنگ کرنے میں اس قبیلہ کی خدمات کو سراہا اور انہیں "عون" بمعنی مددگار کا لقب دیا۔ رفتہ رفتہ لفظ "عون" کا صیغہ جمع "اعوان" اس قبیلہ کا نام مشہور ہو گیا۔ معرکہ سومنات کے بعد جب سلطان محمود غزنوی نے اپنے وطن کو مراجعت کی تو اس نے کچھ قبائل کو پنجاب میں آباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب اس وقت غزنوی سلطنت میں شامل ہو چکا تھا۔ لہٰذا اعوان پشاور' ڈیرہ اسماعیل خان کے درمیان دریائے اٹک کے مغربی کنارے آباد ہو گئے۔ پھر دریا عبور کر کے وہ آہستہ آہستہ جنوب مشرق میں پھیلنے لگے۔ یہ علاقہ ہندو آبادیوں کا گڑھ تھا جہاں انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ دریائے اٹک عبور کرنے کے بعد انہوں نے پہلا قدم کالاباغ میں جمایا۔ یہ ریاست ہاتھ

آنے کے بعد کوہستان نمک کی وادیوں میں دامن کوہ (مہاڑ) وادی سون (پہاڑ) اور پوٹھوہار (دتھار اور دھنی) کے علاقے میں یہ قبیلہ کثرت سے آباد ہوگیا۔ یہ علاقہ بارانی خطہ اور زرعی لحاظ سے پس ماندہ تھا۔ اس لیے بعدازاں یہ قبیلہ پشاور' ہزارہ' کشمیر' مردان' اٹک' راولپنڈی' جہلم' میانوالی اور سرگودھا کے اضلاع میں مستقل طور پر آباد ہوگیا۔

ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس قول کے مصداق حضرت مولانا سلطان حامد قادری سہروردی اپنی تصنیف "مناقب سلطانی" میں اعوان قوم کے اخلاق و عادات سے متعلق اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اعوانوں کے قبیلوں میں اپنے ہاشمی اور علوی نسب کے خصائل اور فضائل کی بعض علامتیں اب بھی پائی جاتی ہیں۔ یعنی تمام مرد اور عورتیں سخی' بہادر' صاحب حیاء' صاحب وفا' دیانت دار' عہد کے پکے' بامروت' خیرات و خرچ کرنے والے ہیں۔"[1]

آباء و اجداد

صاحب تذکرہ حضرت قبلہ عالم صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمتہ اللہ کے آباء و اجداد کئی پشتوں سے متواتر' عالم باعمل اور ولی کامل چلے آئے ہیں۔ وادی سون سکیسر کے ایک مشہور گاؤں سودھی سے آپ کے جد کی چوتھی پشت کے ایک بزرگ حضرت صدرالدین صاحب اپنے مخلصین کے تقاضے کے پیش نظر اس علاقے سے نیچے تشریف لائے اور جھاوریاں کے قریب چک موسیٰ میں آباد ہوئے۔ چک موسیٰ میں سڑک سے متصل ایک کنواں اور اس سے متعلقہ زمین آپ کی ملکیت تھی۔ آپ کے صاحبزادے جن کا اسم مبارک حضرت محمد اسلم رحمتہ اللہ علیہ تھا' مذکورہ زمین اور جگہ کو چھوڑ کر مغرب کی جانب چند میل کے فاصلے پر ایک تاریخی موضع بیربل منتقل ہو گئے۔ حضرت محمد اسلم رحمتہ اللہ علیہ ظاہر و باطن میں کامل اور صلاحیت و تقویٰ میں بے مثل تھے' نہایت کریم النفس' متورع' متقی' عابد اور پارسا تھے۔ انہوں نے بیربل شریف میں اپنے قیام

ا۔ بحوالہ تاریخ اعوانان فی اولاد علیؓ ۔ ص: ۸۱' ۱۱۳

کے دوران مسجد کی بنیاد بڑے خلوص سے رکھی۔ اس سلسلے میں صاحب تذکرہ حضرت محمد عمرؒ رقم طراز ہیں

"یہ مسجد عام مسجد نہ تھی بلکہ وہ مسجد تھی جس کی بنیاد حضرت محمد اسلمؒ صاحب نے " رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" (۲: ۱۲۷)۔ (اے خدا ہم سے یہ توبہ قبول فرما بے شک تو سنتا جانتا ہے) مانگ کر رکھی تھی اور یہی عکسی دعائیں تھیں جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی زبان مبارک سے کعبتہ اللہ شریف کے بنانے کے وقت آپ کی زبان پر تھیں۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲: ۱۲۹)۔ فرق اتنا تھا وہاں رسول کی طلب تھی اور یہاں ایک ولی اللہ کی طلب تھی۔"

بیربل شریف میں حضرت محمد اسلم رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۲۵۱ھ میں ہوئی۔ ان کی ولادت باسعادت سے پہلے ایک کامل بزرگ نے آپ کے والد ماجد کو بیٹے کی پیدائش اور علو مرتبت ہونے کی بشارت دی تھی۔" [1]

جدِّ امجد (حضرت خواجہ غلام مرتضیٰؒ)

اعلیٰ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی عمر تیرہ برس تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ جب والد صاحب کا وقت قریب آیا تو غالباً سید جلال شاہ صاحب یا ان کے کسی دوسرے بزرگ نے ہمدردانہ طور پر خود حضرت کے والد محمد اسلمؒ سے کہا کہ آپ اس بچہ کو کسی کے حوالے کر دیں جیسے اس وقت کا دستور تھا۔ لیکن آپ نے حضرتؒ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے دوبارہ کہا گیا تو پھر بھی یہی کہا۔ شاہ صاحب کا مقصد تھا کہ ان کے تعلقات کی وجہ سے ان کے کسی بزرگ کے حوالے کر دیں لیکن جواب یہی ملتا رہا کہ حوالہ بخدا۔ آپ نے اپنے والد کی زندگی میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور رسائل فارسی تا سکندر نامہ اور علم فقہ کی بعض کتابیں اور فتاویٰ مثلاً صلوٰۃ مسعودی وغیرہ ختم کر لیے تھے۔ والد ماجد کی وفات کے

۱۔ حالات حضرت غلام مرتضیٰؒ ص ۵

بعد حصول علم کے لیے چند جگہوں پر تشریف لے گئے لیکن جمعیت خاطر نے کسی جگہ ساتھ نہ دیا۔ بالآخر اعلیٰ حضرت غلام نبی للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایام طالب علمی میں آپ نے قطب الاقطاب حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک طریقہ نقشبندیہ کا اکتساب اپنے استاد اعلیٰ حضرت للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ سے کیا جو حضرت غلام محی الدین قصوری رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ فارغ التحصیل ہو کر جب آپ اپنے دولت خانہ پر تشریف لائے تو چونکہ آپ کو تدریس علم کا نہایت شوق تھا اس لیے اعلیٰ حضرت للّٰہی ؒ نے چند طلبہ تبرکاً آپ کے حوالے فرمائے۔ پھر آپ کے پاس طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مسجد مبارک میں باوجود وسعت کے قدم رکھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ آپ رات دن پڑھانے میں مشغول رہتے تھے۔ بڑے بڑے ذکی اور متبحر عالم آپ کی شہرت سن کر حاضر ہوتے تھے۔ کتابوں کے ساتھ آپ کو ایسا شغف تھا کہ جو کچھ آتا آپ کتابوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ کتب خانہ میں ایک ایک کتاب کے دس دس گیارہ گیارہ نسخے تھے۔ جو کتاب نایاب کہیں سے سنی حتی الامکان اسے حاصل کرنے کی کوشش فرمائی۔ اگر اصل نہ ملی تو نقل کرا لی۔ درسی کتابوں کے حواشی اور شروح جہاں کہیں سے دستیاب ہوئے سب منگوا لیے۔ آپ طالب علموں پر نہایت شفقت اور مہربانی رکھتے تھے۔ ہر طالب علم یہی سمجھتا تھا کہ جس قدر آپ کی مہربانی اس پر ہے کسی پر نہیں۔

اعلیٰ حضرت بیربلوی ؒ کی تعلیم اور اعلیٰ لیاقت کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ کم گوئی آپ کی جبلی عادت تھی۔ ہاں اگر کوئی تعلّی کا اظہار کرتا تو آپ کوئی ایسا سوال کرتے جس کا جواب دینے سے عاجز آ کر آپ کے علمی تبحر اور علو مرتبت کا قائل اور معترف ہو جاتا۔ اگرچہ ایام طالب علمی ہی میں اعلیٰ حضرت للّٰہی ؒ نے آپ کی باطنی تربیت فرمائی تھی مگر تکمیل علیٰ وجہ الکمال کے پیش نظر آپ کئی مرتبہ اپنے استاد و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اعلیٰ حضرت للّٰہی ؒ ہمیشہ آپ کی توجہ کے لیے علیحدہ وقت معین فرماتے اور دیر تک توجہات خاصہ سے شرف بخشتے۔ اعلیٰ حضرت للّٰہی ؒ نے آپ کو اجازت کاملہ اور خلافت عظمیٰ عطا فرما کر مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہونے کا حکم دیا۔ ابتداء میں آپ لوگوں کو بیعت بہت کم کرتے تھے۔ جو شخص خواہشمند ہوتا اسے

اعلیٰ حضرت للہی ؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارشاد فرماتے۔ البتہ خدام کے کہنے پر کسی نہ کسی وقت توجہ فرماتے۔ اعلیٰ حضرت للہی ؒ کی وفات کے بعد اہل ارادت و محبت کو بیعت کرنا شروع کیا۔ داخل طریق کرنے کے بعد سالک کو مقام قلب دکھا کر اور خیال قلب سے اسم ذات یعنی اللہ اللہ پڑھنے کا ارشاد فرما کر توجہ میں بٹھایا جاتا اور بعد میں ارکان اسلام کی ادائیگی کی تاکید کے ساتھ درود شریف اور استغفار پڑھنے کی تلقین فرماتے۔

سردار شیرخان میکن مرحوم اور سردار حاجی فتح خان میکن مرحوم جو قریب کے گاؤں موضع کوٹ بھائی خان کے رئیس تھے آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت اعلیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں موضع بیربل سے ملحقہ ستر اسی بیگھ زمین کا ایک ٹکڑا نذر کر دیا تھا۔ جب یہ زمین نہری آب پاشی سے آباد ہوئی تو آپ نے وہاں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ مساجد کی تعمیر کا آپ کو بہت شوق تھا۔ آپ کے دیگر اخلاق و محاسن کی تفصیل "انوار مرتضوی" اور "حالات اعلیٰ حضرت بیربلوی" میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ آخری عمر میں آپ کو فالج کا مرض لاحق ہو گیا جس کا اثر تقریباً سال بھر ایام وفات تک رہا۔ ابتداء میں مرض میں بڑی شدت تھی۔ شدت مرض کا یہ حال تھا کہ اکثر غنودگی اور بے خودی طاری ہو جاتی تھی۔ آخر میں مرض اسہال لاحق ہوئی اور آپ نے دس رجب ۱۳۲۱ھ کو اس دارفانی سے رحلت فرمائی انا للہ و انا الیہ راجعون۔

قطب العالم اعلیٰ حضرت غلام مرتضٰی بیربلوی کے مسند ارشاد پر متمکن ہونے سے لے کر تادم حیات آپ کے چشمہ علم و عرفان سے ہزارہا لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ بالخصوص پنجاب کے اضلاع ساہی وال (منٹگمری)، قصور، لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، گجرات اور سرگودھا کے اکثر لوگ آپ کے علمی اور باطنی چشمہ فیض سے مستفید ہوئے۔ ان علاقوں میں آپ کے مریدوں اور مخلصوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ ان علاقوں کے کئی ایسے گھرانے اب بھی موجود ہیں جن کا باطنی تعلق اس آستانہ عالیہ اور خانوادہ عظمٰی سے تین تین چار چار پشتوں سے چلا آ رہا ہے۔ قطب العالم حضرت اعلیٰ بیربلوی ؒ کے تین صاحبزادے تھے۔ تینوں صاحبزادگان کی اولادیں دینی و دنیاوی جاہ و حشمت کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں۔

جہاں تک آپ کے روحانی فیض کے ارتقاء کا تعلق ہے تو اس ضمن میں آپ کے پوتے اور صاحب تذکرہ حضرت قبلہ عالم صاحبزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ نے اس خانقاہ عالیہ کی رونق کو چار چاند لگائے۔ حضرت قبلہ عالم صاحبزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف اپنے آباؤ اجداد کی باطنی وراثت کے امین تھے بلکہ اس عہد کے غوث زمانہ حضرت اعلیٰ شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کے خوشہ چین بھی تھے۔ اس طرح انہوں نے ان دونوں سرچشمہ ہائے فیوض و برکات سے وافر مقدار سمیٹ کر تقریباً نصف صدی تک خدا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اتباع اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

والد ماجد

صاحب تذکرہ قبلہ عالم حضرت صاحبزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۲۷۶ھ میں ہوئی۔ حضرت اعلیٰ بیربلوی قدس سرہ کی خدمت میں جب ولادت باسعادت کی خبر پہنچی تو ارشاد فرمایا کہ لڑکے کا نام احمد سعید مقرر کیا گیا ہے اور تاریخ ولادت اس فقرہ سے برآمد ہو گی۔

مولوی فیض زمن احمد سعید

اتفاقاً حضرت اعلیٰ بیربلوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل مولوی محبوب عالم صاحب سوہاوی حاضر خدمت تھے جو علوم متند اولہ کے متبحر عالم ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے فی البدیہہ دوسرا مصرع لگا دیا اور شعر مکمل ہو گیا۔

گفت مولانا بتاریخ ولید ۔

مولوی فیض زمن احمد سعید

حضرت صاحبزادہ احمد سعید کو ابتدائی عمر میں حضرت اعلیٰ بیربلوی نے قرآن کریم حفظ کرا کر تمام علوم مروجہ کا عبور کرایا۔ اور ساتھ ہی دینی مدرسے میں تدریس علوم کے شغل میں مشغول کر دیا۔ لہٰذا آپ نے کئی مرتبہ حضرت اعلیٰ بیربلوی قدس سرہ کی موجودگی میں تمام درسی کتابیں طالب علموں کو پڑھائیں اور اکثر معاملات میں حضرت اعلیٰ بیربلوی کی زندگی میں ان کی نیابت کی۔

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد سلوک باطنی کی تکمیل میں پوری سرگرمی رکھی اور اپنے والد ماجد کے بعد ان کے سجادہ نشین مقرر ہوئے اور اپنے والد ماجد کے معمولات کو جاری رکھنے کی حتی الامکاں کوشش فرمائی۔ آپ کے محاسن و مناقب کے بارے میں مولوی محمد عالم آسی نے فارسی زبان میں قصیدہ مدحیہ لکھا ہے جو "انوار مرتضوی" [1] میں درج ہے جس کے مطالعے سے آپ کے اعلیٰ مقام اور منصب جلیلہ کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت قبلہ عالم صاحبزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ اپنے جدامجد کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"جب آپ (حضرت اعلیٰ بیربلوی) فارغ التحصیل ہو کر بیربل تشریف لائے تو پہلے خود درس دیا کرتے تھے۔ پھر آپ کے بڑے صاحبزادے اور میرے والد بزرگوار حضرت احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ دستار فضیلت سے مشرف ہوئے تو آپ نے صدارت درس ان کے سپرد فرمائی ——— صبح کے اسباق اکثر میرے والد صاحب مرحوم بحکم سرکار والا تبار خانقاہ عالیہ یا گورستان کی عید گاہ میں پڑھاتے تھے تاکہ اسباق میں خلل واقع نہ ہو۔ اور دس بجے کے قریب مسجد میں تشریف لا کر نچلے درجے کے اسباق پڑھایا کرتے تھے۔" [2]

غوث الوریٰ حضرت اعلیٰ بیربلوی قدس سرہ کا وصال ۱۳۲۱ھ میں ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد خانقاہ عالیہ کی مسند ارشاد اور تدریس علوم کی ذمہ داری کلی طور پر حضرت ثانی حافظ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ کے کندھوں پر تھی۔ حضرت اعلیٰ قدس سرہ' کے عہد کے مفتی شاہ عالم [3] صاحب بھی بدستور آپ کے مدد و معاون تھے جو حضرت اعلیٰ قدس سرہ' کے وقت ہی سے استفتاء ناظم

۱۔ انوار مرتضوی ص۔ ۱۷۱، ۱۷۲

۲۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ۔ ص۔ ۴۰، ۴۱

۳۔ مفتی شاہ عالم صاحب بچپنے میں تعلیم کے لیے بیربل شریف حضرت اعلیٰ کے مدرسے میں آئے تھے اور حبانہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ آپ نے تمام تعلیم حضرت کے درس سے حاصل کی اور فقہ میں نام پیدا کیا۔ جزیات پر بڑا عبور حاصل تھا۔ خدمت استفتاء کے علاوہ خانقاہ کی کئی دیگر خدمات پر معمور تھے۔ کسی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں تھا۔ تمام عمر حضرت کی خدمت میں قناعت سے گزار دی۔ ۱۹۳۱ء میں وفات ہوئی اور یہیں دفن کیے گئے۔

الاوقات اور محتسب اعلیٰ کے منصب پر فائز چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے بھی آخر وقت تک آپ کا ساتھ نبھایا۔ تاہم حضرت ثانی صاحب نے اس خانوادہ کی اعلیٰ روایات کو قائم رکھنے کے لیے اپنی اولاد کی تعلیم پر خصوصی توجہ فرمائی اور انہیں دستور کے مطابق اعلیٰ دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ کیا۔ آپ کے پہلے حرم سے چار صاحبزادے تھے جن میں سے بڑے حضرت علامہ محمد معصوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے جن کی پیدائش ۱۳۰۳ء میں ہوئی جنہوں نے اپنے عہد کے نامور علماء سے تعلیم حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد توقع تھی کہ وہ اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کے طفیل آستانہ عالیہ اور خانقاہ عالیہ بیربلوی کے صحیح مسند نشین ثابت ہوں گے۔ لیکن وہ سال بھر دق کے عارضہ میں مبتلا ہو کر غالباً ۱۳۳۱ھ کے لگ بھگ ۳۰ یا ۲۸ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

دوسرے نمبر پر حضرت قبلہ عالم حافظ صاحبزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ تھے جن کا سن ولادت ۱۳۰۵ھ ہے۔ آپ نے بھی علوم متداولہ کی تحصیل بڑے نامی گرامی علمائے وقت سے کی اور جدید تعلیم بھی حاصل کر کے اسلامیہ کالج پشاور میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ان سے چھوٹے بھائی حضرت صاحبزادہ حافظ زبیرؒ تھے جن کا بارہ سال کی عمر میں طاعون کے مرض سے انتقال ہو گیا تھا۔ ان سے چھوٹے حافظ محمد عابد صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو تعلیم مکمل کر کے بطور سرکاری ملازم صیغہ عدالت ضلع میانوالی میں تعینات ہوئے لیکن جوان عمری میں وفات پائی۔ حضرت صاحبزادہ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے حرم سے ایک صاحبزادے جناب مولوی محمد صادق صاحب تادم تحریر بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں۔

حضرت ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا وصال غالباً ۱۹۱۹ء کے لگ بھگ ہوا۔ چونکہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ حافظ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال آپ کی زندگی میں ہو چکا تھا اس لیے دوسرے صاحبزادے حضرت قبلہ عالم محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ اسلامیہ کالج پشاور سے سلسلہ ملازمت منقطع کر کے آستانہ عالیہ کی مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔

ولادت باسعادت

قبلہ عالم محبوب الٰہی صاجزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ میں بمطابق ۱۸۸۶ء بیربل شریف میں ہوئی۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے صاجزادوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ صاحب "انوار مرتضوی" جناب حکیم عبدالرسول بکھروی رحمتہ اللہ علیہ حضرت صاجزادہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کے ذکر خیر کے بعد لکھتے ہیں۔

آپ سے چھوٹے مولوی حافظ محمد عمر صاحب ۱۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ [۱] اور تاریخ ولادت از مولوی نورالدین دہالوی مرحوم یہ ہے:۔

محمد عمر محبوب سعادت۔ "بحق منظور" تاریخ ولادت۔

مزید لکھتے ہیں: حضرت قبلہ (حضرت اعلیٰ) قدس سرہ' کی حیات طیبہ میں بعد از حفظ قرآن کریم شرح ملاجامی تک کتابیں پڑھ لی تھیں۔ اب اورینٹل کالج پنجاب لاہور میں مولوی فاضل کی شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی عربک پروفیسر اورینٹل کالج لاہور پنجاب کے پاس تعلیم پاتے ہیں۔ نہایت دانا لائق اور ذکی ہیں۔ روش زمانہ سے خوب واقف ہیں۔ اور فکر باریک رکھتے ہیں۔ حضرت قبلہ (حضرت اعلیٰؒ) نے ان کے حق میں بشارت فرمائی تھی۔" [۲]

بچپن

جس سعادت مند گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی' اس کے تقاضے عام گھرانوں جیسے نہیں تھے۔ حضرت اعلیٰ بیربلوی قدس سرہ' کو تعلیم و تدریس اور کتاب اللہ سے جو محبت تھی اس کا اثر تھا کہ آپ کے قائم کردہ درس میں ناظرہ' حفظ' قرآن اور درس نظامی کی تدریس نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہی تھی۔ بیربل شریف کا درس اور خانقاہ اور خود حضرت اعلیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی شہرت چار دانگ عالم پھیل چکی تھی۔ آپ کو کتاب اللہ سے اتنی محبت تھی کہ خود بھی بڑی عمر میں قرآن

۱۔ انوار مرتضوی میں آپ کا سن پیدائش ۱۳۰۶ھ اور حضرت قبلہ عالم نے خود ۱۳۰۵ھ لکھا ہے۔

۲۔ انوار مرتضوی صفحہ ۱۷۵۔

پاک کو حفظ فرمایا اور تمام اولاد کو بھی اس حفظ کلام اللہ پر قربان کر دیا۔ ایک دو کے سوا تمام اولاد حافظ ہوئی۔ قال اللہ اور قال الرسول کے اس ماحول کا ذکر کرتے ہوئے خود حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ اپنے بچپن کے حالات بدیں الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔

"میرے والد بزرگوار اور میرے چھوٹے چچا تو بہت پختہ حافظ تھے۔ سال بھر قرآن شریف نہ دیکھتے۔ ہر رمضان شریف میں بلاتردد مصلیٰ پر قرآن سنا سکتے تھے اور قاری کے بہت اچھے سامع رہے۔ حضرت اعلیٰ" کے آٹھ پوتے تھے۔ تمام پختہ حافظ تھے۔ میرے بڑے بھائی اور مجھ سے چھوٹے دونوں بہت پختہ حافظ تھے۔ رمضان شریف میں کئی جگہ قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا اور خود حضرت اقدس (حضرت اعلیٰ) قدس سرہ' کی موجودگی میں کئی جگہ سنایا جاتا تھا۔ غالباً میں نے گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ قاعدہ تھا کہ جو لڑکا حفظ کرتا اسی سال اس کو حضرت اقدس کے مصلیٰ پر کھڑا کیا جاتا تھا۔ بہرصورت جب میں نے حفظ کیا تو مجھے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا گیا۔ میرے استاد مرحوم حافظ پیر بخش صاحب بہت طاقتور اور جوان تھے۔ گو قد متوسط تھا۔ طاقت اور قوت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس زمانہ میں تعلیم صرف ڈنڈے پر تھی۔ رات دن بچوں پر ڈنڈا چلتا تھا۔ ہمیشہ لڑکے از روئے خوف استاد سے ڈرتے رہتے تھے۔ دن میں ایک موت نہیں تھی۔ کم از کم مجھ جیسے کے لیے چار موتیں تھیں۔ پہلی گھاٹی سبق سنانا' دوسری گھاٹی منزل (دہرائی) سنانا' تیسری گھاٹی نیا جوڑ اور سبق تھی اور پھر شام کو چوتھی گھاٹی کہ سبق کی منزل ایک پارہ سنانا۔ استاد ڈنڈے سے لیس ہوتا تھا۔ ایک حرف کیا واؤ کا فرق ہوا تو بلاتحاشا ڈنڈا پڑتا تھا۔ کسی اعضاء کا خیال نہ ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ روزانہ ہوتا تھا۔ میرے باپ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت رکھے' بڑے نرم مزاج اور نرم دل تھے۔ لیکن حضرت اعلیٰ (اپنے والد) کے خوف کی وجہ سے یارائے سخن نہ تھا اور میری مار پر اف تک نہ کرتے تھے۔ بچپن میں بزرگوں کی قبور کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ میں اکثر اپنے مشہور بزرگ حضرت اعلیٰ کے چچا کی قبر پر اپنی موت کی تمنا کیا کرتا تھا اور اس عذاب سے خلاصی کی تمنا ہر آن رہا کرتی تھی۔" [1]

۱۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ ص۔ ۲۱' ۲۲

علم و عرفان کے علمبردار خانوادے میں تعلیم و تربیت کا معیار کس قدر سخت معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ حضرت اعلیٰ قدس سرہ' کی حفظ کتاب اللہ کی محبت کا جذبہ پاک تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ نہ صرف ان کی اولاد بلکہ دنیا کے سارے مسلمان حافظ قرآن حکیم ہوں۔ بایں ہمہ دیہاتی ماحول جس میں اکثر لڑکے کھیل کود میں بھی اپنا وقت گزارتے ہیں۔ کبھی کبھار آپ اپنے بچپن کے متعلق بھی بعض ارشادات فرماتے تھے۔ بیربل شریف کا محل وقوع ایسا ہے کہ یہ دریائے جہلم کے مشرقی کنارے آباد ہے اور دریا کے کنارے اکثر گاؤں قدرے بلند ٹیلوں پر آباد ہوتے ہیں۔ ان دیہات میں مکانات اکثر کچے ہوتے تھے۔ اہل دیہہ گاؤں کے قریب سے ہی مٹی اٹھا کر مکانات تعمیر کرتے تھے۔ اس عمل سے گاؤں کے قریب گہرے چھپڑ (تالاب) بن جاتے تھے جو گرمیوں میں دریا کی طغیانی کے وقت پانی سے بھر جاتے تھے اور سردیوں کی آمد تک ان میں پانی کھڑا رہتا تھا۔ دیہاتی بچے ان چھپڑوں میں نہاتے' کھیلتے اور مچھلیاں پکڑتے۔ بیربل شریف کے شمال اور مشرق کی جانب ایسے کئی چھپڑ تھے۔ حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں اور محمد نقشبند [1] بھی گاؤں کے دیگر ہم عمر بچوں کے ساتھ ان چھپڑوں میں نہایا کرتے تھے۔"

تعلیم و تربیت

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد سے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں تبدیلیاں رونما ہوئیں وہاں مسلمانوں نے اس ملک کے رہنے والوں کو ایک انتہائی اعلیٰ نظام تعلیم بھی دیا جو اپنی ہیئت کے اعتبار سے آزاد اور عصری تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔ مشہور علماء اور مشائخ اپنے اپنے علاقوں میں مدارس اور خانقاہیں قائم کر کے مروجہ نصاب تعلیم کی تکمیل کرواتے تھے۔ حکومت صرف یہ کرتی تھی کہ ان کی حوصلہ افزائی کے لیے جاگیریں وقف کر دیتی تھی جس سے علماء بڑی دلجمعی سے عربی فارسی زبان اور دیگر علوم متداولہ کی تدریس کا اہتمام کرتے تھے۔

ا۔ حضرت مولانا حافظ محمد نقشبند آپ" کے چچازاد بھائی تھے۔ جو آپ سے چار پانچ سال چھوٹے تھے۔

اس وقت حکومت کا کوئی ادارہ یا اکیڈمی ایسی نہ تھی جو حکومت کے اہل کاروں اور کارندوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتی۔ بس یہی دینی مدارس کے طلباء اور فارغ التحصیل لوگ ہی حکومت کی سول سروس کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں کا اس ملک میں عمل دخل بڑھا تو انہوں نے ملحقہ اوقاف ضبط کر لیے۔ عربی اور فارسی کی تدریس کی بجائے انگریزی زبان کو رائج کیا اور سرکاری ملازمتوں کے حصول کے لیے انگریزی زبان کو لازمی قرار دیا۔ اس کے نتیجے میں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلمان جو اس خطے میں سب سے زیادہ خواندہ اور متمدن قوم تھی روبہ زوال ہو گئی۔ پھر بھی فارسی اور عربی زبان جسے السنہ شرقیہ کہا جاتا ہے' انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز تک اس کی کچھ نہ کچھ اہمیت تھی۔ چنانچہ تمام علماء گھرانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے مدارس میں ابتدائی دینی تعلیم دیتے اور پھر ان زبانوں کے ان اداروں میں داخلہ دلواتے جن کے امتحانات سرکاری بورڈ یا یونیورسٹیاں لیتیں۔ ان کی سندات کے حصول کے بعد انگریزی زبان بطور ایک الگ مضمون پاس کرنے کی رعایت بھی موجود تھی۔ السنہ شرقیہ میں فضیلت کے بعد جب کوئی طالب علم انگریزی زبان کی تعلیم کی تکمیل کر لیتا تو سرکاری طور پر اس کی گریجوایشن کو تسلیم کر لیا جاتا اور اس طرح وہ سرکاری محکموں میں ملازمت کے اہل تصور کیا جاتا۔

حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی قاعدے کے تحت اپنی تعلیمی تکمیل کی۔ جب آپ پندرہ سال کے ہوئے تو آپ کے دادا انتقال فرما گئے۔ آپ اس وقت تک اپنے گھر میں شرح جامی تک درس نظامی کی کتب پڑھ چکے تھے۔ مزید تعلیم کے لیے لاہور تشریف لے گئے۔ اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل' منشی فاضل اور ادیب فاضل کے اعلیٰ امتحانات پاس کیے۔ دہلی میں بھی کچھ عرصہ کے لیے تشریف لے گئے اور قاعدہ کے مطابق انگریزی زبان کی تحصیل کرتے رہے۔ آپ نے اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے اس عہد کے نامور علماء سے استفادہ کیا جس کا ذکر کرتے ہوئے آپ "انقلاب الحقیقت" میں لکھتے ہیں۔

"میرے اساتذہ میں مولانا عبداللہ ٹونکی مرحوم' مولانا حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم جیسے منطقی ادیب اور فخر العلماء مولانا کفایت اللہ صاحب جیسے محدث بھی ہیں۔ اکثر پروفیسران علوم شرقیہ سے

مجھے نیاز حاصل ہے۔" [1]

طالب علم کی شخصیت کو بنانے میں اساتذہ کرام کی علمیت ان کی شخصیت اور کردار بڑا اہم رول ادا کرتے ہیں اور عموماً ان کی صحیح رہنمائی اور شخصیت کا تأثر زندگی کا رخ بدلنے میں بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کے اس مرحلے میں آپ جن اساتذہ کرام سے متاثر ہوئے ان کا بڑے اہتمام سے ذکر کرتے ہیں۔

"کالج کی ملازمت ہی میں مجھے ٹریننگ کالج میں عربی کی تعلیم کے لیے جانا پڑا۔ خوش قسمتی سے کالج کے پروفیسر قاضی ضیاء الدین صاحب ایم۔ اے مرحوم نہایت شریف النفس اور صوفی آدمی تھے۔ حضرت میروی علیہ رحمتہ اور خاندان للّٰہی علیہ الرحمتہ سے باطنی تعلقات رکھتے تھے اور دینیات کی سند دیوبند سے رکھتے تھے۔ گویا وہ ظاہری عالموں اور باطنی صوفیوں کی درمیانی کڑی تھے۔ ان کے ایماء سے ترجمتہ القرآن الحمید کے لیے مولانا حاجی احمد علی (لاہوری) صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور چھ ماہ کے عرصے میں مجھے اتنی مہارت ہو گئی کہ بلاتردد مطالب قرآنی ذہن میں آنے لگے۔ فَلَهُ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا۔

اولاد

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات میں اولاد صالح کا وجود ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ اولاد نیک نام ہو تو والدین کے لیے دنیا میں بقائے دوام اور عقبیٰ میں بلندئ درجات کا سبب ہوتی ہے۔ عام طور پر نیک اور دین دار خانوادوں کی اولاد بمقابلہ دنیادار گھرانوں کے نیک اور خوش اطوار ہوتی ہے۔ کیونکہ مربی کی اعلیٰ تربیت اور حسن کردار کا اس میں بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ حضور قبلہ عالم کی تربیت سے ہزاروں کی تعداد میں عام لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آئے تو آپؒ کا اپنا گھرانہ کیسے محروم رہ سکتا تھا۔ یہ حضور قبلہ عالمؒ کی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ ہے کہ آپؒ کے تمام اہل و عیال اپنی خاندانی شرافت اور خوش اطواری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

۱۔ انقلاب الحقیقت۔ ۵

حضور قبلہ قدس سرہ' کا پہلا نکاح اپنے عم حضرت صاحبزادہ محمد سعید صاحب" کی دختر نیک اختر کے ساتھ ہوا جس سے آپ" کی اولاد میں صاحبزادہ بشر احمد صاحب" اور ایک صاحبزادی تولد ہوئے۔ صاحبزادہ بشر احمد صاحب" کی شادی اپنے ماموں حضرت صاحبزادہ فخرالدین صاحب" کے گھر میں ہوئی۔ آپ کی اولاد میں اکلوتے بیٹے حضرت صاحبزادہ سعید احمد" تھے۔ صاحبزادہ بشر احمد صاحب" کا عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ حضور قبلہ عالم" کی بڑی صاحبزادی صاحبہؒ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ حضور قبلہ عالم" کے وصال کے بعد ان کا بھی انتقال ہوا۔ پہلی اہلیہ محترمہ کے انتقال کے کافی عرصہ بعد دوسرا نکاح حکیم فضل الدین صاحب جن کا تعلق بیربل شریف کے ایک زمیندار خاندان سے تھا اور وہ اپنے علاقے کے بڑے نیک دل اور مشہور حکیم تھے کی دختر نیک اختر سے کیا۔ ان کے بطن سے تین بچے پیدا ہوئے جن میں صاحبزادہ رشید احمد صاحب" اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ رشید احمد صاحب بھی اوائل عمر میں وفات پا گئے۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کی وفات ہوئی۔ تیرہ سپارہ تک قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ایک صاحبزادی بھی بچپن میں وفات پا گئی تھیں۔ دوسری صاحبزادی صاحبہ کی شادی ہو گئی تو ان کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ تقریباً سولہ سال تک حضور قبلہ عالم" نے کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ اس عرصہ میں آپ کی بڑی صاحبزادی نے گھر کا انتظام سنبھالے رکھا۔ لیکن گھر میں اور کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو مہمانوں کے کھانے اور لنگر کی دیگر ضروریات کا اہتمام کرتا۔ چنانچہ تیسرا نکاح مولانا غلام محمود صاحب" ساکن بھوجووال ضلع گجرات کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ ان کے بطن سے حضرت خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ تولد ہوئے جو اب حضور قبلہ عالم" کی مسند ارشاد کے وارث اور زیب سجادہ ہیں۔

حضور قبلہ عالم" کی دوسری صاحبزادی صاحبہ کے ہاں تین بیٹے تولد ہوئے۔ ان کے خاوند ملک مقبول الحق مرحوم کی وفات کے بعد ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت بھی حضور قبلہ عالم" کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ تینوں بیٹے بڑے ذہین اور خوش اطوار تھے اس لیے حضور قبلہ عالم" نے ان کی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست فرمایا۔ بفضلہٖ تعالیٰ تینوں اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ ملک مسعود احمد صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کھاریاں ضلع گجرات ہیں' ملک حیدر اسد اللہ صاحب عزیز بھٹی شہید ہسپتال گجرات میں میڈیکل سپیشلسٹ ہیں اور ڈاکٹر محمود ناصر صاحب فاطمہ جناح میڈیکل

کالج میں پروفیسر ہیں۔

ا۔ حضرت صاحبزادہ سعید احمد صاحب ؒ

حضرت صاحبزادہ سعید احمدؒ صاحب قبلہ عالمؒ کے بڑے صاحبزادے بشیر احمد صاحبؒ (جن کا عالم جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا) کے اکلوتے بیٹے تھے۔ کچھ عرصے بعد آپ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا تو صاحبزادہ صاحب بچپن ہی میں یتیم ہو گئے' لہٰذا براہ راست حضور قبلہ عالمؒ کے سایہ عاطفت میں صاحبزادہ صاحبؒ نے تربیت پائی۔ غالباً مڈل کلاس تک تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے سلسلے میں ملک حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم کے گھر میں مقیم رہے جو اس وقت گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب میں تعینات تھے۔ مولوی محمد معصوم للّٰہی مرحوم جن کا شمار حضور قبلہ عالمؒ کے خاص غلاموں میں ہوتا تھا' وہ بھی اس وقت گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب میں بطور مدرس تعینات تھے۔ چنانچہ مولوی محمد معصوم صاحبؒ حضرت صاحبزادہ سعید احمد صاحبؒ کی جملہ تعلیمی ضروریات کے ذمہ دار اور اتالیق تھے۔ جے' وی کلاس پاس کرنے کے بعد صاحبزادہ صاحب بیربل شریف میں بطور مدرس تعینات ہوئے۔ صاحبزادہ صاحبؒ نے بڑی آزاد منش طبیعت پائی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ بیمار بھی رہتے تھے اس ملازمت کے ساتھ ان کی کوئی فطری مناسبت نہیں تھی' اس لیے کچھ عرصہ بعد ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔

حضور قبلہ عالمؒ نے صاحبزادہ صاحبؒ کی کچھ اس انداز سے تربیت فرمائی تھی کہ انہیں کسی مرحلے پر یتیم ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا۔ تقریباً ان کی ہر خواہش پوری کی جاتی تھی۔ لباس' خوراک اور سواری کے حوالے سے ان کی پر آسائش زندگی کو دیکھ کر لوگ انہیں مغل شہزادے سے تشبیہ دیتے تھے اور خود بھی صاحبزادہ صاحب نے ''شاہجہاں'' کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ ہمیشہ ان کو حضرت صاحبزادہ خالد سیف اللہ مدظلہ العالی کے مقابلے میں اپنا بڑا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور عام لوگ جو اصل رشتے سے واقف نہیں تھے' وہ یہی سمجھتے تھے۔ ملازمت کے دوران صاحبزادہ صاحب کو جو تنخواہ ملتی حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں پیش کر دیتے حالانکہ اس سے کئی گناہ زیادہ لے کر خرچ کر دیتے۔ حضور قبلہ عالمؒ صاحبزادہ صاحب کی اس سعادت مندی پر

بڑے خوش ہوتے تھے اور اکثر احباب سے اس کا ذکر بھی فرماتے۔ حضور قبلہ عالمؒ آپ کی بیماری سے بڑے متفکر رہتے اور اکثر احباب سے فرماتے کہ "میرا بڑا بیٹا بچارہ بیمار رہتا ہے۔"

حضور قبلہ عالمؒ کے گھر کے دو حصے تھے۔ ایک حصے میں صاحبزادہ صاحب اپنی پھوپھیوں کے ساتھ رہائش پذیر تھے اور دوسرے حصے میں حضور قبلہ عالمؒ خود رہائش پذیر تھے۔ باہر سے جو کچھ آتا حضور قبلہ عالمؒ اس کے دو برابر حصے کر کے ایک حصہ اس گھر میں بھجوا دیتے جہاں صاحب زادہ سعید احمد صاحب رہائش پذیر تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ کی وفات کے بعد صاحبزادہ صاحب نہ صرف سجادہ نشین تھے بلکہ ایک کنبے کے سربراہ بھی تھے اور بہت بڑے گھر کو سنبھال رکھا تھا۔ دیہاتی اور ناخواندہ مریدوں میں ہردل عزیز تھے۔ ہر مصیبت زدہ کے زخم کا مداوا تھے۔ مایوس اور نادار لوگوں کی دل داری آپؒ کا محبوب مشغلہ تھا۔ چہرے پر طمانیت کا سیلاب امڈا ہوا نظر آتا تھا۔ اس لیے ہر ملنے والا اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتا تھا۔ یہ وہی دولت تھی جو ان کے عظیم جدامجد عمر بھر تقسیم فرماتے رہے۔ الغرض صاحبزادہ سعید احمد صاحبؒ اپنے آبائی پیشہ "فقر و فقیری" کا ایک نادر نمونہ تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ کی زندگی میں دن یا رات کے وقت حضور قبلہ عالمؒ کی بیٹھک پر ایک دفعہ ضرور چکر لگاتے۔ اکثر اوقات شام کی نماز کے بعد تشریف لاتے۔ نئے آنے والے مہمانوں کے ساتھ واقفیت بڑھاتے اور ان کے کھانے اور رہائش کے بارے میں دریافت فرماتے۔ بغیر کسی رکھ رکھاؤ کے نئے اور پرانے مہمانوں کے ساتھ گھل مل جاتے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کی بے تکلف گفتگو خادموں اور مہمانوں کی ساری تھکن دور کر دیتی۔ سفرو حضر میں جو خادم ساتھ ہوتا اس کا خاص خیال رکھتے۔ بڑے سخی دل اور سیر چشم واقع ہوئے تھے۔ غریبوں سے نذرانے لینے کی بجائے انہیں اپنی جیب سے رقم دیتے۔ حضور قبلہ عالمؒ کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ ان کی طبیعت لالچ و طمع اور نخوت و تکبر سے بالکل مبرا تھی۔ غریب اور امیر سے ایک ہی انداز سے پیش آتے تھے۔ اگر کسی سے ناراض ہوتے تو بلا تکلف اس کا اظہار فرماتے لیکن دل میں کچھ نہ رکھتے۔ اس لیے ان کی سخت سے سخت گفتگو سن کر بھی اپنائیت کا احساس اور زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ وصال سے پہلے چند ماہ شدید بیمار رہے اور مورخہ ۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو سیرپل شریف میں وفات پائی۔ آپؒ کے تین صاحبزادے جناب عمر مرتضیٰ صاحب، جناب مظہر قیوم صاحب اور جناب

ندیم الحسن صاحب یادگار ہیں۔جناب صاحبزادہ مظہر قیوم صاحب جو جامعہ نعیمیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہیں آپ کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام اولاد کو خیر و برکت سے نوازے اور اپنے آباؤ اجداد کی طرح علم و عرفان کی خدمت کا موقع نصیب فرمائے۔ آمین۔

۲۔ صاحبزادہ خالد سیف اللہ مدظلہ العالی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ بیربل شریف حضرت صاحبزادہ خالد سیف اللہ مدظلہ العالی حضور قبلہ عالمؒ کی پچھلی عمر کی سب سے چھوٹی اولاد ہیں۔ اعضاء و جوارح اور قد و قامت کے لحاظ سے حضور قبلہ عالمؒ کی مکمل شبیہہ ہیں۔ آپ کی پیدائش کے متعلق صوفی محمد حنیف صاحب مرحوم (حضور قبلہ عالمؒ کے پھوپھی زاد بھائی) کا بیان ہے کہ کافی عرصہ مجرد رہنے کے بعد جب حضور قبلہ عالمؒ نے تیسرے نکاح کا ارادہ فرمایا تو میرے ساتھ مشورہ کرتے ہوئے فرمایا "بھائی صاحب! ایک لڑکے کی بشارت ہوئی ہے جو اپنے وقت کا عارف کامل ہو گا۔"

حضور قبلہ عالمؒ کے وصال کے وقت حضرت صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے بی' اے اور پھر ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ جدید تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نوجوان بھی تھے۔ ان حالات میں علم و عرفان کے حامل ایک اعلیٰ خاندان کی ذمہ داریاں کاندھوں پر آ پڑیں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا تو مکتب کی کرامت سے آداب فرزندی سیکھتے گئے اور اب بفضلہٖ تعالیٰ اپنے منصب جلیلہ کو بطریق احسن نبھا رہے ہیں۔

حضور قبلہ عالمؒ نے اپنی زندگی میں حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ کے مزار پرانوار پر لے جا کر بیعت کرایا اور بہت ساری دعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ صاحب کو نیک' پرہیزگار اور دین کا رہبر بنائے۔ اس لیے جوں جوں وقت گزر رہا ہے آثار سعادت نمایاں ہو رہے ہیں۔ ایک بار ایک مجلس میں آپؒ نے فرمایا "ہم خالد (خالد سیف اللہ) کے لیے اس طرح جھولی پھیلا کر دعائیں کرتے رہے ہیں کہ ایک وقت آئے گا وہ عالم باعمل اور عارف کامل بنے گا۔ ایک جہاں کو اپنے انوار سے منور کرے گا مگر ہمارے دوستوں میں سے بہت کم لوگ دیکھیں گے۔"

حضور صاحبزادہ صاحب بڑے خلیق، ملنسار، اور ہمدرد شخصیت کے مالک ہیں۔ طریقت کے راہ و رسم اور خاندانی روایات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس لیے اس خانوادہ عالیہ کے متوسلین اور حضور قبلہ عالمؒ کے مخلص غلاموں پر بڑی نظرکرم رکھتے ہیں۔ مستجاب الدعوات ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے تاکہ ایک طویل عرصے تک لوگ آپ کے وسیلے سے ہونے والی خیر و برکت سے استفادہ کر سکیں۔ آپ کی اولاد نرینہ میں تین صاحبزادے جناب عابد عمر صاحب، جناب احمد عمر صاحب اور جناب عثمان عمر ہیں جو زیر تعلیم ہیں۔

* * * * * *

باب ۳

مسند ارشاد

پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ غوث الوریٰ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ" نے ایک کامل شیخ کی حیثیت سے اس علاقے میں دینی تعلیم کی ترویج اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ ایک متبحر عالم اور شیخ الطریقت دونوں جہتوں سے آپ نے دین کی اخلاص کے ساتھ خدمات سرانجام دیں۔ آپ" کی ان خدمات کی وجہ سے سلسلہ نقشبندیہ عالیہ کی اس مشہور خانقاہ کی بنیاد پڑی۔ آپ" کے وصال کے بعد آپ" کے بڑے صاحبزادے حضرت احمد سعید" آپ" کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ حضرت صاحبزادہ احمد سعید" کے پانچ صاحبزادے تھے۔ آپ" نے ان تمام صاحبزاگان کو دستور کے مطابق دینی و دنیوی تعلیم دلانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ دینی تعلیم کا گھر میں خاطر خواہ انتظام موجود تھا۔ حفظ قرآن کے بعد دینی کتب کی تعلیم کے آپ" خود مدرس تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ" نے اپنے صاحبزادوں کو عسرت کے باوجود لاہور اور دہلی جیسے علمی مراکز بھیجا۔ آپ" کے بڑے دو صاحبزادوں حضرت صاحبزادہ محمد معصوم صاحب" اور حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب" نے اپنے وقت کے جید علماء اور ماہرین فن سے اکتساب علم کیا۔ حضرت صاحبزادہ محمد معصوم صاحب" جو سب سے بڑے تھے عام روایت کے مطابق اس خانوادہ عالیہ کی مسند ارشاد کے وہی وارث تھے اور ان کی تعلیم و تربیت تقریباً انہیں خطوط پر واقع ہوئی تھی، جن کے متعلق حضور قبلہ عالم" لکھتے ہیں۔

"میرے بڑے بھائی مرحوم محمد معصوم" نے میرزاہد، ملاجلال مطول اور ملا حاجی تک اپنے گھر ہی میں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ حضرت اعلیٰ" کی وفات کے بعد جب والد بزرگوار مسند ارشاد پر جلوہ گر ہو گئے تو جامعہ نعمانیہ (لاہور) میں معقول کی تکمیل کی جو اس وقت پنجاب میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھر میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس وقت مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم صدر مدرس تھے جن کی فن معقول کی دھاک ملک بھر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور حدیث کی تکمیل

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب" سے کی جو جوانی میں مسند درس پر دو سال سے مدرسہ امینیہ (دہلی) میں پڑھاتے تھے۔ اور طب کی کتب بھورے خان اور دیگر اکابر مدرسہ طبیہ دہلی میں پڑھیں۔ یہ عزیز بزرگ جب فارغ ہو کر گھر آئے تو پنجاب میں اپنی مثل آپ تھے لیکن زمانہ کی نظربد اثر کر گئی اور جوانی کے عالم میں دق کے مرض سے سال بھر بیماری کے بعد وفات پا گئے۔ اس حادثہ نے بیربل شریف کے علمی درس کو بڑا نقصان پہنچایا کہ کوئی دوسرا اس مسند درس کے قابل پھر ہمارے خاندان میں نہ ہوا۔ یہ سپوت اپنے جدِامجد کی طرح اپنے حافظہ اور اپنے علم میں یکتائے روزگار تھے اور بہت سی امیدیں ان سے وابستہ تھیں۔ ۱۳۳۱ھ میں بعمر ۲۸۔۳۰ سال وفات پائی۔ اللھم ارحمہ و اغفرہ۔ [1]

حضرت صاحبزادہ محمد معصوم" کا انتقال اپنے والد بزرگوار کی زندگی میں ہوا۔ اس حادثہ نے حضرت قبلہ عالم" کو پہلے نمبر پر لا کر کھڑا کر دیا۔ ۱۹۱۹ء میں اس خانقاہ عالیہ کے پہلے سجادہ نشین حضرت خواجہ احمد سعید" کا انتقال ہوا تو حضرت قبلہ عالم" اس وقت اسلامیہ کالج پشاور میں علوم شرقیہ کے پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سلسلہ ملازمت ترک کر کے بیربل شریف تشریف لائے۔ [2] خاندانی واقعات اور حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سلسلہ ملازمت قائم رکھنا مشکل ہوگیا۔ دوسرے بھائی چھوٹے تھے اور زیر تعلیم بھی تھے اس لیے اب کوئی گھر میں ایسا فرد نہیں تھا جو گھر کی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوتا۔ یکے بعد دیگرے ایسے واقعات اور حادثات ہی اس زمانے میں ایک اچھی خاصی ملازمت کے ترک کرنے کا سبب بنے تھے۔ تاہم آپ" نے ان حالات و واقعات کا کہیں بھی اپنی تحریروں میں ذکر نہیں کیا ہے البتہ چند الفاظ پر مشتمل ایک جملہ جو اپنے اندر بہت ہی گہرا پس منظر لیے ہوئے ہے اور سارے واقعات کا بہترین خلاصہ ہے۔ آپ "انقلاب الحقیقت" میں لکھتے ہیں کہ

۱۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ" ص ۴۱۔ ۴۲

۲۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضور قبلہ عالم" کو سلسلہ ملازمت ترک کرنے پر مائل کرنے میں اعلیٰ حضرت بیربلوی" کے دو مخلص خادم جناب میر نواب خان صاحب مرحوم آف بونگہ ضلع سرگودھا اور میاں کرم دین صاحب نے اہم کردار ادا کیا۔

"اپنے واقعات کے تبدل و تغیر نے بلا تکلیف اور بلا تکلف مجھے ملازمت سے الگ کر لیا۔ اور میں گھر رہنے لگا۔ [۱]

سجادہ نشینی

تصوّف اور طریقت کی اصطلاح میں سجّادہ نشینی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شیخ کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر اس کا کوئی مقرب خلیفہ یا فرزند مقرر کر دیا جائے جو اس قابل ہو کہ اس کی کماحقہ' نمائندگی کر سکے۔ تمام سلاسل طریقت کی گدیوں (مسندوں) میں عام روایت یہی ہے کہ اکثر مشائخ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے صاحبزادوں میں سے جس کو اس قابل سمجھا اس منصب کے لیے نامزد کر دیا یا بعد میں حلقہ احباب نے مرشد زادوں میں سے منتخب کر لیا۔ جس جگہ یہ دونوں صورتیں پیش نہ آئیں تو وہاں ایک سے زیادہ دعوے داروں کا پیدا ہونا لازمی ہے۔

ایسی صورت میں اس منصب کے حصول کے لیے کئی تنازعے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو مخلصین کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ بایں ہمہ سجادہ نشینی ایک ایسا منصب ہے جو اصل شیخ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی شخصیت میں وہ اصل بات موجود نہیں ہوتی جو خود شیخ میں موجود ہوتی ہے۔ پھر بھی دریاؤں کی گزرگاہوں میں کچھ نہ کچھ پانی ضرور چلتا رہتا ہے۔ حضرت قبلہ عالمؒ اسی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے "انقلاب الحقیقت" میں لکھتے ہیں۔

"مگر دل اس حقیقت سے ناآشنا نہ تھا کہ شیخ اور سجادہ نشین میں کتنا بڑا فرق ہے۔ شیخ کی ذات بابرکات ابتداء سے انتہا تک کوٹھالی سے نکلی ہوئی ہوتی ہے اور اپنے ذاتی نور سے دنیا کو روشن کرتی ہے بخلاف سجادہ نشین کہ وہ اصل کا ظل ہوتا ہے۔ گو شیخ سے بڑھ کر ہی افادہ و استفادہ اس سے ہو۔" [۲]

ولایت نبوت کی طرح ایک مرتبہ اور منصب ہے۔ ولی اللہ وہی کام کرتا ہے۔ جو کام نبی کرتا

۱۔ انقلاب الحقیقت: ص ۔ ۳

۲۔ انقلاب الحقیقت۔ ص۔ ۱۰'۱۱

ہے۔ چونکہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے بعد نبوت اور رسالت کے دروازے بند ہیں اور حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت ہی قیامت تک کے لیے قائم و دائم ہے' اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور اسی امت کے بعض افراد ولی اللہ کا خطاب پاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں رہ کر اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کے تمام آداب بجا لاکر بھولی بھٹکی غفلت زدہ دنیا کو اور انسانیت کو اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھاتے ہیں اور اس راستے کی مشکلات میں وہ سالکین کی رہنمائی فرماتے ہیں اور ہر قسم کی مدد فرماتے ہیں۔ علمائے کرام شریعت کا علم جانتے ہیں اور ظاہرا حکام کی تشریح و تفصیل بیان کرتے ہیں لیکن تزکیہ نفس و تصفیہ باطن کے دروازے بند رہتے ہیں۔ کامل ولی اللہ اور مستعد مرید کی راہیں مل جاتی ہیں تو شیخ کی شفقت اور مرید کے مجاہدہ سے سلوک الی اللہ کی منازل طے ہو جاتی ہیں۔ یہ کام چونکہ بہت بڑا کام ہے اس لیے اس میں سالک کو دیر لگتی ہے۔ لیکن جب سالک کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اس کی تاثیریں اس کے ملنے والوں پر چھا جاتی ہیں۔ اور اس طرح یہ علم حقائق کا سلسلہ علم و عمل کے واسطے سے قائم رہتا ہے۔

حضرت قطب عالم محبوب الٰہی صاحبزادہ محمد عمرؒ نے ظاہری علم کی انتہائی بلندیوں کو طے کیا تھا اور استعداد کامل تھی۔ محنت اور شوق جو اس راستے کی بہترین سواری ہیں وہ پوری قوت کے ساتھ موجود تھیں۔ جب فقر کی باری آئی تو صحیح معنوں میں فقیر بننے کے لیے تلاش مرشد کی ضرورت محسوس کی باوجودیکہ طریقت کی گدی موجود تھی' سجادہ آراستہ تھا' مریدین اور مخلصین کی کمی نہیں تھی۔ آپؒ کے جدامجدؒ نے اپنے علم و فقر کی ایک وسیع جولان گاہ چھوڑی تھی' اس لیے کسی تکلیف اور تکلف کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ اور آپؒ بظاہر ہر لحاظ سے ایک سجادہ نشین کی تعریف پر پورے اترتے تھے۔ آپؒ اپنی اس سجادگی کے بارے لکھتے ہیں۔

"آباؤ اجداد علیہم الرحمتہ کا پیشہ علم و فقر ہو چکا تھا۔ علوم مشرقیہ کی علمی سندیں لینے کے بعد گو مجھے اہل علم میں بیٹھنے سے جھجک نہیں رہی تھی لیکن میں خوب جانتا تھا کہ آبائی ورثہ سے مجھے بہت ہی کم حصہ ملا تاہم شکر۔ مگر باطنی ورثہ سے ابھی تک بالکلیہ محروم تھا۔ تاہم مرشد زادوں کی طرح سلسلہ

بیعت جاری ہو گیا اور مخلص بزرگوں کی جماعت میں آنے جانے لگا۔ لیکن اپنی
کمی خوب محسوس ہوتی تھی۔ تاآنکہ مرشد کا داعیہ بھی پیدا ہو گیا۔" (۱)

آپ" اس حقیقت سے خوب آگاہ تھے کہ شیخ کامل اور سجادہ نشین میں کیا فرق ہوتا ہے۔ جب تک کسی کامل شیخ کی نگاہ دلنواز کا شکار ہو کر اصل مقصود حاصل نہ ہو تو یہ سجادہ نشینی محض ایک روایتی منصب ہے۔ لہٰذا آپ" نے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی کہ کامل ولی اللہ اور مرشد کی تلاش جاری رکھی جائے۔

"متواتر دو ڈھائی سال یہ جذبہ ترقی کرتا گیا اور اپنی محرومی پر سخت مایوسی ہو
جاتی تھی' تاہم دعا اور التجا کا پہلو ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ بعض اوقات جب
میں الگ بیٹھتا تو یہی خیال مجھے گھنٹوں گردش دیتا رہتا کہ اللہ العالمین کب مجھ
جیسے شکی طبیعت کو اطمینان نصیب فرمائیں گے۔" (۲)

"گوہر مقصود کی تلاش"

سجادہ نشینوں کے لیے حلقہ ارادت پہلے سے ہی موجود ہوتا ہے۔ اس لیے کسی رسمی اجازت اور خلافت کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ یہی صورت حال ہمارے قبلہ و کعبہ حضرت صاحبزادہ محمد عمر" کے ساتھ پیش آئی کہ منصب ارشاد کے لیے حلقہ ارادت پہلے ہی موجود تھا جس کو آپ" نے اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن جس قسم کی فطرت اور سرشت آپ" نے پائی تھی' اس کے تقاضے کچھ اور تھے جس کی ایک جھلک خود آپ" کی زبانی ملاحظہ ہو۔

"میری فطرت نہایت آزاد' انوکھی' بے چین' حسن پسند واقع ہوئی تھی۔ میرے دل میں ہر وقت خواہشات اور تمناؤں کا تلاطم رہتا تھا۔ اس تلاطم نے مجھے گھر سے باہر بارہ برس بن باس

۱۔ انقلاب الحقیقت ص۔ ۳

۲۔ انقلاب الحقیقت۔ ص۔ ۴

دیا۔ گاہ مجھے لاہور' دلی کی پروفیسری کا خیال ستاتا تھا' گاہ مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبہ مشرقیہ کی طالب علمانہ جدوجہد تکلیف دیتی تھی۔ جب کبھی خوبصورتی میری نگاہ میں آتی تھی تو گھنٹوں اس خیال میں محو تماشا رہتا۔ اور جب کبھی تعلیم معاش میں آکر اس سے محروم رہتا۔ رات بھر آنکھ اس تجلی حسن کے لیے بیتاب رہتی اور اس پر سکولوں اور کالجوں کی معاشرت اور تمدن نے اسے کئی گنا زیادہ تقویت دے دی۔ فلسفہ اور منطق نے ان خیالات کو اور ٹھوس کیا۔ ہر چیز پر فلسفی نظر تھی۔ صرف بیوی کی تلاش میں سات آٹھ سال کا عرصہ گزر گیا۔ کیونکہ حسن کا خیالی تصور مجھے کسی جگہ بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اور ناتمام حسن کی شکایت ہمیشہ دل آنکھوں سے کرتا تھا اور آنکھیں اپنی تلاش میں ناصبور رہتی تھیں۔ حسن کو میرے دل سے ازلی مناسبت تھی۔ لباس خوبصورت' مکان خوبصورت' جانور خوبصورت' درخت خوبصورت' غرض خوبصورت اور انوکھی چیز پر ہمیشہ آنکھ جا بیٹھتی تھی۔ بازاروں سے گزرتے ہوئے نگاہ انتخاب اس چیز پر جا جمتی تھی جو اپنے حسن میں بے مثل ہوتی۔ اسی طبیعت حسن نواز کا نتیجہ تھا کہ سالوں مرشد طلبی کا داعیہ سینے میں دبائے پھرتا رہا لیکن آنکھ کسی پر نہ گرتی تھی۔ بزرگ ہزاروں تھے' اولیاء سینکڑوں تھے' لیکن چوٹی کے بزرگ اور اولیاء اللہ کے لیے دل بے تاب تھا اور کسی دوسرے کا دامن خیالی عقیدت سے اختیار کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔"(۱)

حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ

ایسی حسن نواز طبیعت اور انوکھی فطرت کو قابو کرنے کے لیے کسی انقلاب آفریں مرشد کی ضرورت تھی۔ کیونکہ مردہ اور افسردہ طبیعت کو رام کرنا کوئی مشکل نہیں۔ جس قدر استعداد بلند تھی اسی قدر بلند مرتبہ اور عالی درجہ مرشد قبلہ و کعبہ اعلیٰ حضرت شیر محمد شرقپوریؒ سے شرف بیعت حاصل ہوئی' جس نے متلاطم' بے چین' اور ناصبور فطرت میں وہ انقلاب پیدا کیا جس کا اعتراف حقیقت کے طور پر خود حضرت قبلہ عالمؒ نے "انقلاب الحقیقت" کے نام پر صفحہ قرطاس پر

۱۔ انقلاب الحقیقت۔ ص۔ ۲۱۰

منتقل کیا۔ تلاش مرشد اور بیعت و خلافت کی جو داستان حقیقت اس کتاب میں ذکر کی اور جس انداز میں تحریر کی وہ فی نفسہٖ راہ سلوک اور تصوف میں ایک دستور کا درجہ حاصل کر گئی۔ اس لیے اس کا بعینہٖ نقل کرنا دراصل اس عنوان کے تقاضوں کو صحیح انداز میں پورا کرنا ہے۔ چنانچہ آپ" لکھتے ہیں۔

"ساتھ ہی میں نے جستجو اور تلاس بھی شروع کر دی۔ کئی ایک بزرگوں کی زیارت اور نیاز صرف اسی غرض سے حاصل کی جو اپنے فن میں باکمال تھے۔ احباب سے بھی دریافت کیا جو اس فن میں مدعی تھے۔ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کہ شاید دامن مقصود گوہر سے بھر جائے۔

اس پر میں نے اکتفا نہ کی کہ بزرگان نقشبندیہ تک ہی تلاش محدود ہو بلکہ خاندان چشتیہ اور قادریہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے حضرات اور شیوخ کی زیارت بابرکات سے بھی شرف اندوز ہوا کہ شاید طبیعت کا میلان ادھر قائم ہو جائے اور کوئی کریم النفس اس روسیاہ کو اپنی غلامی کے حلقے میں لے لے۔ لیکن سوائے حرمان کے کچھ نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ اس عالی ظرف انسان (خواجہ غلام مرتضیٰ") جیسا کوئی مماثل اور نظر نہ آیا۔ آخر عرس مجدد علیہ الرحمتہ پر حاضری کا ارادہ صرف اسی غرض سے کیا کہ صوفیوں کے مجمع میں کوئی ایسا شہباز ہو گا جو مجھے شکار کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ اور میری یہ پریشانی اور تردد جاتا رہے گا۔ چنانچہ قصور شریف کے مزارات پرانوار اور حضرت مجدد" کے روضہ مبارک پر یہی التجا رہی۔ روضہ کے آخری فاتحہ پر میرے آنسو گر رہے تھے اور میری زبان اور دل یہی کہتا ہوا نکلا کہ الہ العالمین اپنے اس اولیائے مجدد اعظم" کی برکت سے مجھے ایسا رہبر بخش جس پر میری تمام ارادتوں کا خاتمہ ہو جائے اور میری طمانیت کا باعث ہو۔ ایک طرف یہ حالت تھی اور دوسری طرف میری نگاہیں تلاش میں تھیں۔ کئی ایک بزرگوں کی مجھ پر خاص طور پر نظرالتفات بھی تھی اور مجھے ان سے نیاز بھی تھا لیکن ان کے حسن و جمال میں وہ ادا نہ تھی جو مجھ جیسے فلسفی یا شکی طبیعت کو شکار کر سکتی تھی۔ کسی زمانے میں حضرت عبدالخالق صاحب" کی لاہور میں زیارت ہوئی تھی جب کہ آپ" بیمار تھے اور معالجہ کے لیے تشریف لائے تھے۔ میں اجنبی تھا۔ دور سے سلام کر کے چٹائی پر بیٹھ گیا۔ صورت و سیرت سلف صالحین کی طرح

تھی اور پرانے بزرگوں کی بو آتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد جب دور سے سلام و نیاز کر کے رخصت ہونے لگا تو آپ نے مصافحہ کے لیے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے۔ میں مجبوراً آگے بڑھا مصافحہ کیا۔ آپ ؒ نے اپنا دست مبارک میرے چہرے میرے سینے پر پھیرا اور ایک طویل دعا دست اٹھا کر اور التجاء نکال کر فرمائی اور مجھے ذکر و فکر میں رہنے کی تاکید فرمائی "کہ روزے چند است عاقبت باخداوند است۔" اس کے علاوہ آپ ؒ نے مجھ سے کچھ دریافت نہ فرمایا۔ اور یہی میری غرض تھی۔ ان کی صورت اور سیرت کا نقشہ آنکھوں میں رہتا تھا اور دل میں خلش تھی۔ عرس کے موقع پر آپ ؒ بھی یتیم خانہ عبدالحلیم صاحب میں اقامت پذیر تھے۔ ایک دوبار نیاز کے لیے حاضر ہوا لیکن موقع پر آپ ؒ کے گرداگرد امراء اور رؤسا کا جمگھٹا تھا اور اپنے مدرسہ خالقیہ کے انتظام میں مصروف تھے۔ ایک دو اور بزرگ بھی ایسے تھے جن کی صورت نے میرے دل پر اثر کیا اور مجلس کے لیے دل میں کشش ہو گئی۔ مگر آخرکار روضہ اقدس (حضرت مجدد ؒ) سے مایوسانہ دہلی روانہ ہوا۔ حضرت باقی باللہ ؒ اور حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے مزارارت پر حاضر ہوا۔ دل سوز دعائیں دل سے نکلیں لیکن ساتھ اپنی نامرادی پر ہزارہا حسرتیں اٹھتیں اور بیٹھتیں۔ حضرت قبلہ مولانا میاں صاحب ؒ شرقپوری کا ذکر اور آپ ؒ کے حالات اقامت لاہور میں بھی عوام سے سنتے تھے اور اپنے علاقے میں بھی آپ ؒ کا چرچا تھا۔ بلکہ عرس مجدد علیہ الرحمتہ پر بعض علماء سے میری تکرار بھی ہوئی کہ وہ صاحب حال اور صاحب برکت زمانہ حاضرہ میں سنتا ہوں ــــــــ لاہور میں ایک بزرگ سجادہ نشیں صاحب عرس سے واپس آتے ہوئے قیام پذیر تھے اور میرے بزرگوں کے سلسلہ کے مرشد زادوں سے تھے۔ آپ ؒ کے ہمراہ اپنے جدامجد علیہ الرحمتہ کے کئی ایک خلفاء بھی تھے۔ مجھے بھی آپ ؒ سے ارادت تھی۔ شرقپور شریف کے ارادے سے جب چلنے لگا تو ایک دوست نے معلوم کر کے مجھے فرمایا کہ ارادت سے آپ ؒ کا دامن پکڑ لو آپ ؒ غوث وقت ہیں۔ ان شاء اللہ تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو گے۔ لیکن میں نے کہا زیارت بزرگان کفارہ گناہ کے لیے جانا کیا عیب ہے۔ مگر دل اس حقیقت سے ناآشنا نہ تھا کہ شیخ اور سجادہ نشین میں کتنا بڑا فرق ہے۔ مجھے اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کہ اپنے آبائی اجدادی سلسلہ میں منسلک ہونا آبائی ورثہ کے حصول کے لیے بہت بڑی کامیابی کا باعث

ہے۔ اور دین و دنیا کا سرمایہ اور افتخار' مگر ایک تیز طبیعت انسان کی طبیعت ان امور سے سیر نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی تشنگی کے لیے آب حیات کا قطرہ ہی کام آئے گا۔ اڈے پر پہنچا تو دو نورانی صورتیں نظر آئیں۔ میں نے دل میں تاڑ لیا کہ حضرت میاں صاحبؒ کے ہاں جانے والے ہیں۔ اگرچہ منشی چراغدین میرے پہلے سے واقف تھے لیکن اس وقت نہ میں انہیں پہچان سکا اور نہ وہ مجھے۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر چند میرا نشان و پتہ دریافت کیا لیکن حسب عادت میں نے باوجود اصرار کے انہیں ٹال دیا کہ آپ کو ایسی دریافت سے کیا فائدہ۔ انہوں نے کئی بار مجھے غور سے دیکھا لیکن میں ان سے آنکھیں نہ ملاتا تھا۔ مجھے تنگ سی جگہ موٹر میں ملی تھی۔ آخر انہیں میری حالت پر رحم بھی آ گیا اور نشست کی تبدیلی کے لیے اصرار کیا لیکن میں اپنی ضد پر اڑا رہا۔ مکان شریف (بیٹھک) کے دروازے تک تو میں ان دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلا آیا لیکن دروازہ میں داخل ہوتے ہی وہ بالاخانہ پر چڑھ گئے اور میں اکیلا بیٹھ گیا۔ اس وقت تو خیال آیا کہ ان سے نہ بگاڑتا تو میری زیارت کا وسیلہ تو ہو جاتے۔ مگر "اب پچھتائے کیا ہوت" (لیکن دراصل یہی بہتر تھا جو مالک نے کیا) تھوڑی دیر کے بعد خواجہ دین محمد صاحب آپؒ کے خادم آئے اور مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے ضلع سرگودھا کا رہنے والا بتلانے پر اکتفا کی۔ مجھے کھانا کھلایا اور کہا کہ بعد ظہر آپ کی ملاقات ہو گی۔ اتفاقاً اس روز اور آدمی بھی کم آئے اور مجھے لاہور واپس آنے کا خیال تھا کیونکہ میں اپنے رفیق سے وعدہ کر آیا تھا کہ جلد ہی زیارت کر کے دوسری موٹر میں واپس آ جاؤں گا۔ اور پھر اپنے ضروری کام کے لیے چل دیں گے۔ مگر نیرنگی مشیت ایزدی سے بے خبر کہ گھڑی کیا سالوں اور قرنوں یہ درگاہ تیرے لیے قبلہ گاہ کر دی جائے گی اور تیری آرزو کا خاتمہ۔ تیری دعا کی اجابت' تیرے درد کی دوا اور تیرے ناسور کا مرہم یہ خاک پاک بنائی گئی اور تیری مٹی مرنے کے بعد بھی قبر میں اسی کی دربوسی کے لیے تڑپا کرے گی اور قیامت میں بھی اسی کے دامن سے اٹھایا جائے گا۔ بھلا ایک گھڑی بیٹھنے سے کیوں اکتاتے ہو تمہیں دھتکاریں گے اور تم اندر آنے کے لیے تڑپو گے۔ "سُبحَانَ الذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْئٍ"[1] (۳۶ : ۸۳)

۱۔ پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔ (سورہ یٰسین)

پہلی حاضری

"گرمی کے آخری ایام تھے۔ تقریباً چار بجے قبل عصر مجھے خادم نے کہا کہ حضور طلب فرماتے ہیں۔ اور ضروری ہدایات (داہنے قدم کو پہلے چٹائی پر رکھنا' دو زانو بیٹھنا' آپ تشریف لاویں تو کھڑا نہ ہونا) مجھے کر دیں۔ اس وقت دل کی عجیب حالت تھی کیونکہ آپؒ کی بابت سنتا تھا کہ آپؒ کی مجذوبانہ حالت ہے اور زود رنج ہیں۔ تاہم کئی بزرگوں کا قدم بوس ہو چکا تھا۔ اولیائے کرام کی خوبو سے واقف تھا۔ عوام کی گھبراہٹ نہ تھی بلکہ خواص کی۔ چٹائی پر حسب ہدایت بیٹھ گیا۔ آپؒ تشریف لائے اور میرے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے تامل کے بعد فرمایا کہاں سے آئے؟ میں نے ضلع سرگودھا عرض کیا۔ آپؒ نے گاؤں پوچھا تو میں نے دبی زبان سے بیربل کا نام لیا۔ آپؒ نے گاؤں کا نام سن کر فرمایا کچھ حضرت صاحبؒ سے بھی تعلق ہے۔ میں نے دبی زبان سے کہا پوتا (پوترا)۔ آپؒ نے سمجھا دوہترا (نواسا) آپؒ فرمانے لگے کہ حضرتؒ کا نواسہ تو کوئی نہیں تھا۔ میں نے پھر زور سے کہا پوترا تو آپؒ کو جوش محبت آ گیا اور داہنے ہاتھ سے گردش دے کر مجھے بغل میں لے لیا اور فرمایا "پھر تو بابے کا نور ہے۔" ازاں بعد آپ دریافت فرمانے لگے کہ "حضرت جدِّامجدؒ کو دیکھا تھا۔ اس وقت کی ہوش ہے اس وقت تمہارا کیا سن تھا۔" میں نے عرض کیا "دیکھا تھا۔ خوب ہوش ہے۔ پندرہ سال میری اس وقت عمر تھی۔ جبکہ آپؒ کا وصال ہوا۔" اس پر آپؒ نے فرمایا "پھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ جو کچھ وہ کرتے تھے وہی کرتے رہنا تھا" اور میں سر ڈالے بیٹھا تھا۔ آخر فرمایا" ذکر کی تلقین نہیں لی تھی۔ میں نے عرض کیا "نہیں"۔ پھر فرمایا "کچھ بھی اس بارے میں نہیں سنا؟" میں نے نفی ہی میں جواب دیا۔ ازاں بعد آپ نے نیچے ٹھہرنے اور پھر باتیں کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اس وقت میری عجیب حالت تھی۔ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" نماز عصر ادا کر کے واپس مکان شریف میں بیٹھ گیا اور ایسی غنودگی آئی جس کی مجھے مدتوں تلاش تھی اور میں لیٹ گیا۔ اٹھا تو آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ خادم نے کہا آپؒ آئے تھے اور بہت دیر تمہارے سر پر کھڑے رہے۔ آخر وقت تنگ ہو گیا۔ آپ تشریف لے گئے۔ رات گزری' صبح پھر حاضر ہوا لیکن آدمی آتے اور جاتے ہیں اور آپؒ اوپر کی منزل میں اکّادکّا سے ملاقات فرما رہے ہیں مگر مجھے کوئی نہیں پوچھتا۔ حتیٰ کہ ایک

جسیم بلند قامت اور سرخ ریش بزرگ اوپر سے تشریف لا کر میری دست بوسی کرنے لگے۔ حیران ہو کر میں نے معافی مانگی اور آپ کا نام دریافت کیا تو قاری اللہ بخش صاحب ساکن فیض پور خلیفہ حضرت صاحب بیربل والے نکلے۔ نام سے پہلے تعارف تھا اور بچپن میں دیکھے بھی تھے۔ میں نے دریافت کیا آپ کو کیوں خبر ہوئی؟ کہا عصر سے سخت بے چینی ہو رہی تھی اور دل نے چاہا کہ میاں صاحب" کو دیکھے بغیر آرام نہیں۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ کل حضور نے ملاقات کے بعد یاد فرمایا تھا کہ وہ آ جاتے تو صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہو جاتی۔ نہ تو آدمی گیا نہ پیغام کیا گیا' صرف دل کی یاد نے ان کے دل کو جا ہلایا اور وہ تشریف لائے۔ یہ ہیں تصرفات جن سے پڑھے لکھے سن کر منکر رہتے ہیں۔ اور اسے اتفاق حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

میں نے قاری صاحب سے کہا کہ میں اپنے رفیق سے کل ہی واپس آ جانے کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ آج دوسرے دن دوپہر ہونے کو آئی مجھے خانگی کئی ایک کام بھی ہیں' میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتا۔ بالاخانے پر تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد تشریف لا کر فرمانے لگے کہ میاں صاحب" فرماتے ہیں کہ چند روز ہمارے ہاں صاحبزادہ صاحب قیام کریں۔ کچھ حال و احوال پوچھنا ہے اس پر پھر میں نے کہا فرصت نہیں میرا ہمراہی میری انتظار میں چشم براہ لاہور میں ہے اور عرس وفات پر مجھے جانا ضروری ہے۔ قاری صاحب واپس آ کر کہنے لگے کہ آپ" فرماتے ہیں کہ کئی لوگ تو ہمارے پاس ٹھہرنے کی خواہش میں مرتے ہیں لیکن میں ان کو ٹھہراتا نہیں لیکن عجب ہے کہ میں ان کو ٹھہراتا ہوں یہ ٹھہرتے نہیں۔ دو تین دن کے قیام کے لیے کیا حرج ہے۔ چنانچہ قاری صاحب نے بھی فرمایا کہ اس میں شاید آپ کی ہی بہتری ہو۔ میاں صاحب اس وقت زمانہ میں یگانہ ہیں۔ ٹھہرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ پھر تو مجھے بھی خیال آ گیا۔ ہزاروں کام بگڑتے اور سنورتے ہیں۔ اگر نصیبہ ہو کیا کچھ بگڑے گا۔ دوست کا فاتحہ پھر سہی اور عرس وفات پر حاضری نہ سہی۔ معلوم نہیں قاری جی نے اوپر جا کر کیا کہا۔ تاآنکہ آپ تخلیہ پا کر بعد ظہر کے نیچے تشریف لائے اور بہت سے خانگی امور دریافت فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہمارے خانگی معاملات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ تقریباً نصف گھنٹہ یا پون گھنٹہ آپ مختلف خانگی حالات دریافت فرما کر

بالاخانہ پر تشریف لے گئے اور "فرمایا کہ اسی لیے میں نے آپ کو ٹھہرایا تھا" قاری صاحب واپس مکان جانے لگے تو کہا آپ" فرماتے تھے کہ "وال دلیہ ہو ہی جاویں گے"۔ میں نے عرض کی کہ "وال دلیا ہی پر اکتفا نہ ہو کچھ کرنا"۔ سچ وہی بات ہو نکلی ہم وال دلیا ہی رہ گئے۔ طبیعت زیادہ موزوں نہیں تھی ورنہ

ان کے الطاف تو ہیں عام شہیدی لیکن
مجھ سے کیا بخل تھا گر میں کسی قابل ہوتا"

تلقین طریقہ اور اجازت

"تیسری مرتبہ آپ" نے بالاخانہ پر بلوایا۔ سب سے پیشتر آپ" نے فرمایا۔ آپ جانتے ہیں جبرئیل علیہ السلام وحیہ کلبی ؓ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کس طرح بیٹھتے تھے۔ اور آنحضور ﷺ کو رب العزت کی یاد میں کس طرح بیٹھنے کا طریقہ سکھایا۔ گویا یہ تعلیم تھی آداب کی جو میں سمجھ گیا اور تلقین طریقہ فرمائی۔ ذکر قلبی کے لیے کئی آیات آپ" نے تلاوت فرمائیں۔ اسم ذات اللہ ھو یک دم دو اسم الگ الگ پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ الم نشرح ۸۱ بار اورادفتحیہ صبح ایک بار اور الحمد شریف ۹۱ بار' سورہ حشر کی آخری تین آیات بعد شام سات بار اور درود شریف بعد تہجد بطور وظیفہ ۵۰۰ بار پڑھنے کے لیے فرمایا۔

ازاں بعد آپ" نے فرمایا کہ نماز تہجد پڑھا کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ ہر چیز کا جواب نہیں ہے" اور ذرا سا تبسم فرما کر ۴ رکعت نماز تہجد ادا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کیا جاگ نہیں ہوتی۔ فرمایا "کچھ تھوڑی دیر کے لیے طلوع فجر سے پہلے اٹھ بیٹھا کرو جتنے میں چھ رکعتیں ہو سکیں"۔ اس کے بعد فرمایا کہ نماز میں جو درود شریف پڑھتے ہو وہ پڑھ کر سناؤ اس وقت عجیب حالت تھی۔ میری زبان سے لڑکھڑاتے ہوئے یہ الفاظ نکلے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ۔ فرمایا "بس اتنا ہی کافی ہے لیکن اتنا کیا کرو کہ کلام مجید کی تلاوت سے پہلے یہ درود تین مرتبہ اور سورہ توبہ کی آخری دو آیات لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ تین مرتبہ پڑھ لیا کرو اور صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کی جگہ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اور وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کی جگہ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھنا چاہیے۔ لیکن نماز

میں پہلی صورت میں پڑھنا ہی اولیٰ ہے اور بعد ان آیات اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر تلاوت کلام مجید کیا کرو۔ اور فرمایا اورادفتحیہ چالیس دن تو دو بار روزانہ پڑھنا تاکہ طبیعت میں اثر پیدا کرے لیکن بعد میں صرف ایک بار ہی کافی ہے۔ یہ اوراد بڑے ہی بابرکت ہیں۔ فرمایا درود شریف کی بہت برکات ہیں اور تمام سلسلوں میں الگ الگ معمول ہے۔ ہمارے بزرگ درود خضری پڑھا کرتے تھے۔ اکثر دوست دو ڈھائی ہزار روزانہ پڑھتے ہیں لیکن پانچ صد ہی کافی ہے۔ میں کبھی چار پانچ ہزار بھی پڑھتا تھا۔ فرمایا میں ہاتھ پکڑ کر بیعت نہیں کرتا لیکن تم ہاتھ پکڑ کر جو طالب حق آئے بیعت کر لیا کرنا۔ پھر فرمایا صفاتی نام میں بڑی برکت ہے۔ اور خواجہ اللہ بخش صاحبؒ [1] ابتداً اسی وظیفہ کے لیے فرماتے۔ جو کوئی پوچھے یَا کَرِیْمُ یَا رَحِیْمُ بتلایا کرو۔ یہ میری طرف سے نہ سمجھنا بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے سمجھنا اور آپؒ نے فرمایا کہ اپنے والد صاحب یا جدامجد صاحب کو اپنا پیشوا خیال کرنا جو کچھ حضرت صاحبؒ کیا کرتے تھے وہی کرتے رہنا۔ اس میں سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔ اس کے بعد مجھے سینے سے لگایا اور دیر تک بغلگیر رہے۔ اور آپؒ کے وجود مبارک سے اس طرح آواز آتی تھی جس طرح کوئی چیز اندر سے باہر نکلنا چاہتا ہے اور شاید یہ آواز تین بار آئی۔ پھر ہاتھ ملا کر رخصت فرمایا کہ کل کھانا کھا کر چلے جانا۔ ہاں پھر صبح بھی ملیں گے' اور فرمایا کہ اپنے دادا صاحب کی قبر پر بیٹھنا جتنا ہو سکے اتنا ہی رہنا اور فیوض حاصل کرنا۔ آپ کے حضرت صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اویسی نسبت عجیب نسبت ہے۔"

حقیقی انقلاب

"جب میرا رفیق مجھ سے لالہ موسیٰ آ کر جدا ہوا تو میں نے اپنے اندر نظر دوڑانا شروع کی لیکن میں تمام تبدیل ہو چکا تھا۔ میری تمام خواہشات' میرے خیالات' میرے اطوار حتیٰ کہ میرا

۱۔ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ حضرت خواجہ سلمان تونسویؒ کے سجادہ نشینوں میں سے تھے۔ ان کے عہد میں سلسلہ چشتیہ کی اس مسند (تونسہ شریف) کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

جسم سب نے ایک دوسرا رنگ لے لیا۔ جس نے مجھے دیکھا کچھ اور ہی دیکھا۔ اجنبی لوگوں نے تعظیم کرنی شروع کی۔ سچ ہے:

ع نظر جنہاں دی کیمیا سونا کر دے وٹ

اسی حقیقی انقلاب کا نام میں نے انقلاب الحقیقت رکھا۔ دل نے اقرار کیا۔

ے قرارے کردہ ام بادل نہ پیچم سر ازیں درگاہ

سر ایں جا' بندگی ایں جا' سجودایں جا' نیاز ایں جا [1]

میں گھر آیا' میری عجیب حالت ہو گئی۔ احباب سے بے تعلقی اور خواہشات میں پژمردگی آ گئی۔ خلوت و گوشہ نشینی میں بیٹھ گیا۔ گھنٹوں گزر جاتے لیکن خاموش۔ دنیا فانی کا نقشہ سامنے موجود۔ کئی بار خیال آیا کہ کس طرح اس سرکش گھوڑے (نفس) پر چپکے سے بیٹھ گئے جو کہ ایک مکھی سے بھی زیادہ بدکتا تھا اور کسی کو پاس آنا تو کجا قریب سے گزرنے بھی نہ دیتا تھا۔ آخر ہوا کیا؟ سوائے اس کے کہ شہسوار کے کمال پر نظر پڑے۔ اور کچھ سمجھ نہ آتا۔ میں وہی تھا اور نفس امارہ وہی تھا۔ کس نرمی سے کس محبت اور کس جادو سے قید کیا۔ ایک طرف یہ حالت تھی' دوسری طرف یہ کہ ابھی بدستور منافق ہے۔ کسی سے یہ نہیں کہتا کہ میرے سر کیا بیتی اور اپنی سرگزشت سنانے سے اسے عار آتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ لکھے پڑھے آدمیوں کا نفس بھی لکھا پڑھا ہوتا ہے' جو شرارت کسی کے دل میں نہیں آتی یہ اس کا ادنیٰ وطیرہ۔ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ [2] (۱۲: ۵۳)

ہاں ایک پاک خیال بھی ساتھ تھا کہ بعض موجودہ وقت کے مریدوں اور مجاوروں کی طرح میرا بھی انجام نہ ہو اور اپنے ساتھ اس پاک ہستی کو بھی رسوا نہ کر بیٹھوں' لیکن اس رمز سے ناواقف:۔

۱۔ میں نے اپنے دل سے اقرار کیا ہے کہ اس درگاہ سے منہ نہ موڑوں گا' میرا سر بھی یہیں جھکے گا' میری بندگی بھی یہیں ہو گی اور میری نیازمندی بھی یہیں ہو گی۔

۲۔ یقیناً نفس برائی پر بڑا سرکش ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے' بیشک میرا پروردگار غفور و رحیم ہے۔

؎ گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود (1)

بحمد اللہ آج تک لغزش نہ ہوئی۔ اس بارہ گاہ لایزالی سے پوری امید ہے کہ آخری دم تک اس پاک ہستی کے صدقے، میرے قدم کو لغزش نہ دیں گے۔ اور قدیم الاحسان اپنی چادر ستاری سے میرے عیوب کو ڈھانپے رکھیں گے اور ابتداء سے بڑھ کر انتہا پر رحم فرما دیں گے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّا مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (۷ : ۲۳)

مسند ارشاد

ذکر بیعت اور اجازت طریقہ کے بعد ان امور کی طرف نشان دہی کرنا ضروری ہے جن کا تعلق تبلیغ دین اور اشاعت طریقہ سے ہے جس سے ایک شیخ کو واسطہ پڑتا ہے۔ ان امور میں سب سے اہم طالبان حق کی راہ سلوک میں تربیت ہے جو شیخ کا اصل سرمایہ حیات ہوتا ہے۔ قدرت نے انسانوں کو ایک جیسا نہیں بنایا۔ ہر انسان کی فطرت، طبع اور استعداد میں فرق ہوتا ہے۔

؎ ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

اسی طرح معاشی نقطۂ نظر سے بھی انسانوں کی درجہ بندی ہے۔ یہ سب امور تربیت سالک کے دوران شیخ کامل کے پیش نظر ہوتے ہیں اور یہ امور شیخ کی توجہ، شفقت اور تصرف سے بطریق احسن انجام پاتے ہیں۔ آج سے نصف صدی قبل پنجاب کی مشہور خانقاہوں اور گدیوں کا ایک دوسرا رول یہ رہا ہے کہ جہاں یہ خانقاہیں ان پڑھ دیہاتی عوام کے لیے نہ صرف علمی اور دینی مسائل یعنی عبادت، طہارت، نکاح اور طلاق وغیرہ کے لیے رہنمائی فراہم کرتی تھیں۔ وہاں دیہاتیوں کے چھوٹے موٹے گھریلو تنازعات، برادریوں کے جھگڑے، چوری چکاری، ڈکیتی اور مقدمہ بازی کے رجحانات کے لیے ایک سمری کورٹ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ چونکہ ان لوگوں کو سجادہ

ا۔ اسی کا کہا ہوا اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے بندے کی زبان سے نکلتا ہے۔

نشین کی اعلیٰ نسبی، نیکی، پاکدامنی اور غیرجانب داری پر مکمل یقین ہوتا تھا، اس لیے مدعی اور مدعا علیہ دونوں ان کے فیصلوں کو قبول کر کے غیرضروری عدالتی اخراجات اور دائمی دشمنیوں سے بچ جاتے تھے۔ لہٰذا یہ منصب صرف دینی منصب نہیں تھا بلکہ اس کا ایک عدالتی پہلو بھی تھا۔ اور مروجہ عدالتیں بھی مندرجہ بالا تنازعات کے سلسلے میں سجادہ نشینوں کے فتاویٰ اور فیصلوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں بلکہ بعض امور میں ان کے فیصلوں کی توثیق بھی کرتی تھیں۔ اس لیے سجادہ نشیں کو ان امور سے عہدہ برا ہونے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا پڑتا تھا۔ (اب یہ صورت حال بالکل ختم ہو چکی ہے)۔

ایسے حالات میں اس منصب پر ایک جہاں دیدہ، صاحب بصیرت، ذکی اور ذہین شخص کی ضرورت ہوتی تھی۔ حضور قبلہ عالمؒ کے مسندارشاد پر فائز ہونے کے بعد کے واقعات اور حالات سے ہمارے پرانے احباب واقف ہیں کہ کس طرح اس منصب جلیلہ پر فائز ہو کر آپؒ نے فیصلے دیئے اور فتوے لکھے۔ ان حالات کی تفصیل کا یہ مقام نہیں تاہم اس منصب کی مناسبت سے حضور قبلہ عالمؒ کی شخصیت کے متعلق ایک دو پیش گویوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مؤلف انوار مرتضوی حضرت مولانا عبدالرسول بکھرویؒ نے جہاں حضرت اعلیٰ خواجہ غلام مرتضیٰؒ کی اولاد کا فرداً فرداً ذکر کیا ہے وہاں حضور قبلہ عالمؒ کا بھی ذکر موجود ہے۔ گو اس وقت آپؒ لاہور میں زیرتعلیم تھے اور کم عمر تھے۔ لیکن مولاناؒ نے آپؒ کی شخصیت کا نہایت مختصرالفاظ میں تجزیہ کر کے مستقبل کے حالات کی نشاندہی کر دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"نہایت دانا، لائق اور ذکی ہیں۔ روش زمانہ سے خوب واقف ہیں۔ فکر باریک رکھتے ہیں۔ حضرت (خواجہ غلام مرتضیٰ) نے ان کے حق میں بشارت فرمائی تھی۔"[1]

حضرت قبلہ عالمؒ ایک اور جگہ خود اپنے خاندانی حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت (خواجہ غلام مرتضیٰؒ) فرمایا کرتے تھے کہ حافظ صاحب (حافظ صدرالدین صاحب مورث اعلیٰ خانوادہ بیربلوی) کی دعا تھی کہ سات پشت تک ہماری اولاد جشنارہ لکڑی نہیں اٹھائیں

۱۔ انوار مرتضوی ص۔ ۱۷۵

گے اگر وہ علم پڑھتے پڑھاتے رہے ہم بھی چند پشت اور دھکیل دیں گے یعنی ایک دو پشت تک ہماری دعا بھی قبول ہو گی اور آئندہ نسل علم و عمل سے سرفراز رہے گی۔ یہ راقم الحروف (حضور قبلہ عالمؒ) ساتویں پشت اس دعا کے نتیجے پر ہے۔"[1]

حضرت خواجہ احمد سعیدؒ (والد بزرگوار) کی ایک روایت کا ذکر کرتے ہوئے اور اپنے خاندانی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ابتدائی ایام میں جب خاندان میں تنزل آ رہا تھا اور وقار گھٹ رہا تھا تو مجھے خود کئی بار یہ خیال آتا تھا کہ دعا تو ہے لیکن دیکھئے ہم کیسے سہارا لے سکتے ہیں۔ بزرگ چلے گئے' دنیا بدل گئی حالات الٹ گئے' خیالات تبدیل ہو گئے' اس صورت میں ہمیں کیسے سہارا ملے گا۔ کالجوں اور سکولوں میں بھٹکے پھرے۔ سالوں گزر گئے مسجد پر ایک نیند طاری ہو گئی۔ عشاء کا وقت تھا نماز ادا ہو چکی تھی میرے قبلہ و کعبہ والد صاحبؒ مسجد کے صحن میں بستر راحت پر لیٹے ہوئے تھے۔ میاں شاہ عالم صاحبؒ جو حضرت کے مفتی تھے (میں رخصتوں پر گھر آیا ہوا تھا) تو اچانک میاں شاہ عالم صاحب نے حضرت (والد صاحبؒ) کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ نواب صاحب ملازم ہو گئے۔ چھوٹے بھی انگریزی پڑھنے لگا دیئے فتوے کون لکھے گا؟ مسجد میں کون ہو گا؟ تو آپؒ نے بے اختیار ہو کر بلند آواز سے فرمایا یہ میرا بیٹا فتوے لکھے گا اور مسجد میں ہو گا۔"[2]

مسند ارشاد کی زینت بننے سے متعلق یہ چند ایک بشارتیں جو بزرگوں کی نقل کی گئی ہیں حضور قبلہ عالمؒ کی ذات بابرکات ان کی صحیح تعبیر بن کر سامنے آئی۔ آپؒ کی مسند نشینی سے خانوادہ بیربلوی کو ایک نئی تازگی اور عظمت ملی' خاندان کے وقار میں اضافہ ہوا اور حضرت اعلیٰؒ کے زریں دور کے بعد جو تنزل واقع ہوا تھا آپؒ کی بدولت دوبارہ روبہ رفعت ہوا۔ اس تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے اور بزرگوں کی دعاؤں کے ایجاب کے اثرات بیان کرتے ہوئے آپؒ خود لکھتے ہیں۔

۱۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ صفحہ ۵۹

۲۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰؒ صفحہ ۵۹

"حضرت (والد صاحب) نے وصال فرمایا' میاں شاہ عالم صاحب رخصت ہو گئے مسجد ایک ویران صورت میں اداس نظر آتی تھی کہ یکایک میرے خیالات بدلے اور میں ملازمت ترک کر کے گھر واپس آ گیا۔ کسی زمانے میں کنز' ھدا یہ پڑھا تھا۔ کچھ نشانات ذہن میں تھے۔ آخر میں ایک مسند فقہ پر بیٹھا تھا اور بیربل کا اعتماد قائم' اس لیے استفتاء برابر آتے تھے۔ میں نے مطالعہ شروع کیا اور فقہ کے ابواب پر نظر دوڑائی۔ ذوق سلیم تھا فطرت صحیحہ تھی اس لیے چند ہی دنوں میں اپنے کام پر حاوی ہو گیا اور اسلاف کی طرح مجھے اعتماد حاصل ہو گیا۔ اور جب تک میرے قویٰ سالم رہے یہ خدمت اور تبلیغی خدمت ہر جمعہ بدستور سابق ادا کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے زبان و بیان میں برکت بخشی۔ جو میں کہتا تھا وہ بات دلوں میں بیٹھ جاتی تھی اور ذہن قبول کرتے تھے۔ اور میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا ان حضرتؒ کے طفیل ہی آج جو کچھ برکت میرے دل میں ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ دینی اقدار روشن نظر آتے ہیں۔ گو وہ پہلی سی بات نہیں بلکہ اس کے عشر عشیر بھی نہیں۔ تاہم مسجد ویرانہ بھی نہیں۔ ایک آباد مسجد ہے' قرآن حکیم کا درس ہے' اور ایک دو عالم بھی مقیم ہیں جو دینی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ فرق یہ ہے کہ طلبہ نہیں۔ نہ حقیقی طلبہ ملتے ہیں اور نہ ہی کامل اہتمام ان کے لیے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کمی پوری کرے کہ مدرسہ و خانقاہ یکجا نظر آئے جو نقشبند کا طرۂ امتیاز ہے۔" (۱)

طریقت کی دنیا میں خلافت یا مسند ارشاد کے منصب کا اصل مقصود تبلیغ دین ہے۔ ایک مناسب عرصے تک روحانی تربیت حاصل کرنے کے بعد یہ منصب عطا ہوتا ہے۔ اس منصب پر فائز ہونے والے سے متعلق اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس نے وہ تمام منزلیں طے کر لی ہیں جو ایک سالک کے لیے ضروری ہیں۔ اسے راہ سلوک کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ کر دیا گیا ہے نیز اب وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا انسان اس سے رہنمائی حاصل کرنا چاہے تو یہ اسے منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔ گویا یہ منصب روحانیت کی تکمیل کی سند کی مانند ہے جو عام مکاتب اور مدارس کی اسناد سے بدرجہا اعلیٰ بھی ہے اور دشوار تر بھی۔ اس کی وجہ یہ

۱۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ ص۔ ۶۰

ہے کہ دوسری اسناد قال کی ہیں تو یہ حال کی' وہ گفتار کی ہیں تو یہ کردار کی' وہ خبر کی ہیں تو یہ نظر کی' ان کا تعلق ظاہر سے ہے تو اس کا باطن سے۔ سو جو فرق قال و حال' گفتار و کردار' خبر و نظر اور ظاہر و باطن میں ہے وہی فرق ظاہری منصب اور باطنی خلافت میں ہے اور اس پر طرہ یہ کہ یہ ایک ایسی دولت ہے جو ہر کسی کے نصیب میں نہیں۔

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند
سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید تا یار آید بکنار
این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

ہمارے قبلہ و کعبہ ؒ نے اس منصب جلیلہ کے تقاضوں کو کیسے نبھایا؟ اور اس سرمدی دولت کے ذریعے محبت خدا اور رسول ﷺ کو کس انداز سے فروغ دیا۔ اس زمانے میں نامور پیران طریقت اور سجادہ نشین اور بھی تھے لیکن بہت سے لوگ جن کا تعلق کسی انداز سے بھی آپ ؒ کے ساتھ رہا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آج کے گئے گزرے زمانے میں ایک کامل انسان اور ایک حقیقی مسلمان میں جتنی اعلیٰ صفات ممکن ہو سکتی ہیں آپ ؒ نے ان سب صفات کا حامل انسان ہو کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ ؒ کی ہمہ جہت (multy facet) شخصیت کا اقرار آپ کے بہت سے ہم عصر بزرگوں اور ذی علم لوگوں نے بڑے اچھے انداز میں کیا اور آپ کو ایک جامع صفات انسان قرار دیا' جس کا ذکر ایک الگ باب میں کیا گیا ہے۔

* * * * * *

باب ۴

تبلیغ دین اور حلقہ ارادت

اہل اللہ کو اپنے شیوخ سے خلافت کا جو منصب عطا ہوتا ہے۔ اس کا اصل مطمح نظر دین کی تبلیغ ہے۔ فن تبلیغ کے لئے جو عوامل ضروری ہیں' ان میں علم دین' خطابت' اور تصنیف و تالیف کا فن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بادی النظر میں تبلیغ دین کے لئے خلافت و اجازت کا تکلف چنداں اہم دکھائی نہیں دیتا کیونکہ مذکورہ بالا لوازمات کے ساتھ ہی اس فریضہ کو انجام دیا جا سکتا ہے لیکن اہل طریقت کے ہاں سب سے اہم چیز یہی خلافت و اجازت رشد و ہدایت ہے۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے تبلیغی نقطہ نظر میں یہی بنیادی فرق ہے۔ اول الذکر گروہ اہل ظاہر کا ہے۔ ان کی تبلیغ کا ذریعہ "قال" ہے اور ظاہر سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرا گروہ اہل باطن کا ہے جن کی تبلیغ کا ذریعہ "حال" ہے۔ ان کی تبلیغ باطن سے ظاہر کی طرف آتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ اہل اللہ' انسان کے اندر انقلاب لا کر اس کے جذبات و خیالات کی مکمل تطہیر کا بندوبست کرتے ہیں جو اس کے ظاہری انقلاب پر منتج ہوتا ہے۔ جب یہ تربیت مکمل ہو جاتی ہے تو اجازت رشد و ہدایت کا مرحلہ آتا ہے۔ اس تمام عمل میں تعمیر کردار کا وہ نقطہ کارفرما ہوتا ہے جو قرآن مجید کا اصل منشا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۶۱ : ۲)

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو (بات) جو (تم) نہیں کرتے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ (۶۱ : ۳)

کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو یہ بات کہ وہ کہو جو (خود) نہ کرو۔

سید سلیمان ندوی خطبات مدراس میں صفحہ: ۱۱۷ پر لکھتے ہیں۔

"آپ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل

کر کے دکھایا۔"

(ا) حقیقی مبلغ

عمل اور کردار کے ارفع مقام پر فائز ہونے والے ہی تبلیغ دین کے فریضہ کو کماحقہ' سرانجام دے سکتے ہیں اور انہیں کی تبلیغ اثر انگیز اور اثرپذیر ہوتی ہے۔ آج کل ہمارے اکثر علماء کرام گھنٹوں خطاب فرماتے ہیں اور ان میں بہت سے علماء فن خطابت کے ماہر بھی ہوتے ہیں' وقتی طور پر ان کی تقاریر کا لوگوں پر اثر بھی ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر ہمارے ہاں تبلیغ کے بے اثر ہونے کا رونا رویا جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ کام اخلاص اور للہیت کی بجائے زر و دولت کے حصول کا ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے۔ خوف خدا جو اس عظیم المرتبت منصب کی قوت متحرکہ ہے اور اس کی جگہ غیراللہ کے خوف نے لے لی ہے۔ للذا عمل' اخلاص اور خوف خدا نہ ہو تو تبلیغ بے اثر نہ ہو گی تو اور کیا ہو گا؟ بقول علامہ اقبال ؒ

؎ تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے رازی نہ صاحبِ کشاف

دراصل اس منصب کے زیادہ اہل وہ لوگ ہیں جو اللہ جل شانہ' کی محبت سے سرشار ہو کر اور تمام عارضی قوتوں سے بے نیاز ہو کر اور شہنشاہ حقیقی کے فقیر بن کر نہایت اخلاص سے اس فریضہ کو سرانجام دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں جب خدا تعالیٰ کی محبت و خوف جلوہ گر ہوتا ہے تو ان کی زبان ہی نہیں ان کی خاموشی بھی مبلغ بن جاتی ہے۔ دیکھنے والا جب ان کے رخ روشن پرانوار کا پرتو دیکھتا ہے تو اسے خدا یاد آ جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ اِذَا رُئُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ (انہیں دیکھتے ہی خدا یاد آ جائے) حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا:

"ایک بار میں امرتسر گیا تو چند سکھ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ تمہاری چپ (خاموشی) ہمیں کھائے جاتی ہے۔ تم کچھ بولو۔ میں نے ان کے ساتھ دوچار باتیں کیں تو وہ زارو قطار رونے لگے۔"

تبلیغ دین کے لئے حق گوئی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی بنیاد کردار کی تعمیر و تطہیر پر ہے۔ اولیائے کرام رشد و ہدایت کی اجازت (خلافت) اسی کو عطا کرتے ہیں جس کے کردار کی اصلاح اور تعمیر مکمل ہو جائے۔ اولیائے کرام بہ نسبت علماء دین کے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا صحیح نمونہ ہوتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ (۱۶ : ۱۲۵)

اپنے رب کی راہ کی طرف بلا پکی تدبیر اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔

اسی طرح بعض حضرات عمل و تقویٰ کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں لیکن حق گوئی کے جوش میں لوگوں کے میلانات اور ماحول کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں جس سے تدبر اور حکمت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ تو ایسی تبلیغ بہت سے فتنوں کا باعث اور تعمیر کی بجائے تخریب کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ حسن تدبیر اور حکمت سے تبلیغ دین کی راہیں وہی انسان متعین کر سکتا ہے جو حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے اس شعر کا صحیح مصداق ہو۔

نگاہ بلند' سخن دلنواز' جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

ایسی صفات کا حامل انسان ہی فطری طریق تبلیغ کو سامنے رکھتا ہے۔ ایسے مبلغ کی تعریف کرتے ہوئے حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔

"اہل اللہ خلائق کے محبوب ہوتے ہیں اور ان کی تبلیغ کا طریقہ فطرتی اور قدرتی ہوتا ہے۔ کسی سے الجھتے نہیں بلکہ بیگانوں اور دشمنوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں' انہیں اپنا یگانہ بنا لیتے ہیں اور ہر شئے سے پاک زندگی بسر کرتے ہیں۔" (۱)

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے تبلیغ کے اسی انداز اور اسلوب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"رشد ارشاد کیا ہے؟ یہی خدمت خلق' اس سے بڑھ کر اور کیا خدمت خلق ہو سکتی ہے کہ

۱۔ حیات القلوب ص ۱۰

خلق خدا کو غلط راستے سے صحیح راستے پر گامزن کر کے اس کو اندھیرے سے نکال کر نورِالٰہی کی طرف پھیر دیا جائے۔"

مختصر یہ کہ تبلیغ و اشاعت ہی اولیائے کرام کی زندگی کا مطمح نظر ہوتا ہے جس کا انداز اور اسلوب علمائے کرام سے مختلف اور منفرد ہوتا ہے۔ علمائے کرام کی تبلیغ کا اسلوب یہ ہے کہ انفرادیت (وحدت) کا رخ کثرت (اجتماعیت) کی طرف ہوتا ہے۔

جبکہ اولیائے کرام کے ہاں انفرادیت (وحدت) کثرت (اجتماعیت) کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اسی امر کی وضاحت کرتے ہوئے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اولیائے کرام مرکز انسانیت ہوتے ہیں تمام انسانیت کی فلاح کے چشمے یہاں سے ابلتے ہیں اور تمام انسانی ہستی اچھی ہو یا بری ان سے فیض یاب ہوتی ہے"۔ [1]

حلقہ اثر

حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہر بزرگ کی ایک (سمت) ہوتی ہے کہ جس طرف ان کے عقیدت مندوں کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے۔ ہمارے بزرگوں کی (سمت) شمال مشرق کی طرف تھی۔"

بیربل شریف سے شمال مشرق کی طرف زیادہ تر علاقے بھلوال' بھیرہ (سرگودھا)' پھالیہ' منڈی بہاء الدین (گجرات) کے علاقے شامل ہیں۔ ان علاقوں کے بڑے شہروں کے علاوہ کئی دیہات کے سینکڑوں ہزاروں کنبے حضرت اعلیٰ خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے سے خانقاہ بیربل شریف کے متوسلین چلے آ رہے تھے۔ حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں ان میں کئی گنا اضافہ ہوا بلکہ بعض دیہات کے سارے لوگ اس خاندان عالیہ کے حلقہ اثر میں آ گئے۔ ان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پڑھے لکھے' ان پڑھ' زمیندار' کاشتکار' علماء اور متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے آباؤ اجداد کے

۱۔ حیات القلوب ص ۱۳

نقش قدم پر چلتے ہوئے عمر بھر ان علاقوں میں تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضور قبلہ عالم ؒ کی نظر عنایت ہر ایک پر یکساں فیض رساں تھی۔ غریب سے غریب تر تعلق رکھنے والے کے گھر جلوہ افروز ہوتے اور ان کی دعوت قبول کرنے سے کبھی درگزر نہیں فرمایا۔ باوجویکہ آپ ؒ کی طبیعت بڑی نازک تھی اور آپ ؒ کا وجود مبارک ہمیشہ بیماریوں کی آماجگاہ بنا رہا لیکن آپ ؒ نے حتی الوسع ایسے تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان علاقوں میں جب آپ ؒ تشریف لے جاتے تو عقیدت مندوں کے گھروں میں دعوات کا سلسلہ جاری رہتا۔ آپ ؒ کے ساتھ جتنے ہمراہی ہوتے وہ بھی ان دعوتوں میں شریک ہوتے۔ قیام اور طعام کے مواقع پر مجلس قائم رہتی اور باتوں میں سالکین اور عوام الناس کی اصلاح و تربیت کا کام جاری رہتا۔ طعام کے سلسلے میں آپ ؒ ہمیشہ سادگی اپنانے کی تلقین فرماتے اور جس گھر میں آپ ؒ تشریف لے جاتے اہل خانہ فرط عقیدت میں دیدہ و دل فرش راہ کرتے اور آپ ؒ کی تشریف آوری کو سعادت دارین سمجھتے۔ ان دوروں میں بھی خانقاہ والے معمولات کا سلسلہ جاری رہتا۔ لوگ اپنے دینی و دنیوی مسائل کے حل کے لئے دعا اور تعویذ کے لئے عرض کرتے۔ مہمان داری اور مہمان نوازی کے سلسلے میں آپ ؒ اکثر فرمایا کرتے کہ

> ”میزبان کو زیادہ سے زیادہ مہمان کی خدمت کرنی چاہئے اور مہمان کو چاہئے کہ وہ کم سے کم میزبان کو تکلیف دے۔ اس پر عمل کرنے سے دونوں کا نبھا اچھا ہو جاتا ہے۔“

ان علاقوں میں آپ ؒ کے ارادت مندوں کی تعداد کافی تھی۔ اس لئے ان لوگوں کی فلاحی اور دینی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان دیہات میں شیعہ عقاید کا اثر و نفوذ بڑھنے لگا تو آپ ؒ نے وہاں کے علماء اور عمائدین کے تعاون سے اس کے تدارک کے لئے ایک انجمن بنوائی جو اہل سنت و جماعت کے علماء کے تبلیغی جلسوں کا اہتمام کرتی تھی اور ان جلسوں کے لئے ایسے علماء مدعو کئے جاتے تھے جو خاص طور پر شیعہ مذہب کے فروغ کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ آپ ؒ کی ان کوششوں کے نتیجے میں شیعہ عقائد کی ترویج کم کرنے پر خاصہ کام ہوا۔ پنجاب کے دوسرے اضلاع مثلاً ساہیوال' شیخوپورہ' گوجرانوالہ' لاہور اور قصور وغیرہ میں بھی ارادت مندوں کی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ خاص کر لاہور شہر میں جہاں آپ ؒ کے خلیفہ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد

صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا قیام تھا۔ کچھ ان کی وجہ سے اور کچھ آپ ؒ کے دیرینہ دوستوں کی وجہ سے بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک جماعت آپ ؒ کی حلقہ بگوش ارادت ہوئی جو ہمارے حلقہ احباب میں ہر اول دستے کی مانند تھی۔ شرقپور شریف کے عرس پر آتے جاتے ہوئے آپ ؒ لاہور میں قیام فرماتے یا کبھی علاج معالجہ کے لئے تشریف لے جاتے تو یہاں کے لوگ آپ ؒ سے فیض حاصل کرتے۔ لاہور سے آپ ؒ کو ایک خاص انس تھا جس کی کئی وجوہات تھیں۔ لاہور بحیثیت شہر تعلیمی' تجارتی اور سیاسی لحاظ سے پورے پنجاب کا مرکز ہے اور شرقپور شریف بھی اس کے قریب واقع ہے۔ تحصیل علوم کے زمانے میں آپ ؒ کا زیادہ تر قیام لاہور میں رہا۔ ملازمت کا سلسلہ بھی یہیں سے شروع ہوا۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مستقل قیام لاہور میں تھا جو نہ صرف آپ ؒ کے فدائی اور خلیفہ تھے بلکہ سلسلہ کی ترویج و اشاعت کے اہم ستون تھے۔ ادارہ تصوف کا قیام اور ماہنامہ "سلسبیل" کا اجراء بھی لاہور سے ہوا۔ ان جملہ وجوہات کی بنا پر آپ ؒ کو اس عروس البلاد سے خاص تعلق خاطر تھا۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے ارادتمندوں میں کئی طبقوں کے لوگ شامل تھے۔

(۱) ایک طبقہ نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ جن میں پی۔ ایچ۔ ڈی' پوسٹ گریجوایٹ' ملازم پیشہ اور تاجر افراد شامل تھے۔ ان میں ایسے حضرات بھی شامل تھے جنھوں نے مغرب میں تعلیم حاصل کی تھی اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سے تعلق پیدا ہونے کے بعد ان کی زندگیوں میں ایسے انقلاب آئے کہ اخلاص' پرہیزگاری اور سادگی کا مرقع بن گئے اور تقویٰ کی زندگی اختیار کر کے اپنوں اور بیگانوں کے لئے نمونہ بن گئے۔ ایسے حضرات کا تعلق زیادہ تر لاہور شہر سے تھا۔ اکّادکّا کراچی یا دیگر شہروں میں بھی موجود تھے۔

(۲) ایک طبقہ علماء' حفاظ' خطبا اور اساتذہ پر مشتمل تھا۔ ایسے حضرات مختلف تعلیمی اداروں اور دینی مدارس میں تعلیم و تدریس یا مساجد میں امامت اور خطابت کے کام سے وابستہ تھے جو نورانی چہروں والے' خوف خدا اور حبِ رسول ؐ میں سرشار' اپنے شیخ الطریقت کے جانباز فدائی' اخلاص اور محبت کے پیکر' اپنے پیر بھائیوں سے محبت کرنے والے' بڑے اخلاص سے اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروف عمل تھے۔

(۳) مردوں اور عورتوں کی کثیر تعداد جن کا تعلق اکثر دیہات سے تھا' حضور اقدس رحمتہ اللہ علیہ کی محبت سے سرشار آپ" کی مہربانی اور ذرہ نوازی کے واقعات سے رطب اللسان' اپنے دینی و دنیاوی مسائل میں آپ" کی رہنمائی کے طالب دیوانہ وار بیربل شریف آتے تھے۔ اور جو شفقت ان کو یہاں ملتی اور جو عافیت وہ اس در اقدس میں پاتے وہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت کی باطنی توجہ سے کئی کی ظاہری تکالیف دور ہو جاتیں۔

(۴) بے نوا اور بے آسرا' بے روزگاری' گھریلو پریشانیوں میں گھرے ہوئے' غربت اور بیماریوں سے تنگ' اپنے دکھوں کا مداوا ڈھونڈنے کے لئے اس در دولت پر اکثر حاضر ہوتے۔ آپ" کی مجلس میں بیٹھ کر معرفت الٰہی اور طمانیت کی دولت سمیٹتے۔ مایوسی کے گرداب سے نکل کر زندگی گزارنے کی حوصلہ مندی پاتے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ ان کی دینی اور دنیوی معاملات میں مدد فرماتے تھے۔

(۵) ایک طبقہ آس پاس کے علاقوں کے معززین' رؤسا' علماء اور سجادہ نشین حضرات کا تھا۔ جن میں اکثر کا براہ راست آپ" سے بیعت کا سلسلہ نہ تھا۔ لیکن خانوادہ بیربلوی سے دیرینہ تعلقات اور حضور قبلہ عالم" کی سحرانگیز شخصیت' آپ" کے اخلاقی محاسن اور آپ" کی لجپال تعلق داری کے اسیر تھے۔ وہ لوگ اکثر اوقات اپنے خاندانی معاملات میں مشاورت' معاشرتی مسائل میں رہنمائی یا محض زیارت کی خاطر حاضر خدمت ہوتے تھے۔

(۶) بیربل شریف کے باشندے جن کی اکثریت ان پڑھ کاشتکار طبقے پر مشتمل ہے' عام طور پر آپ" کی شفقت اور مہربانی کے زیر اثر تھے۔ اہل دہ کو بھی اس خاندان کی تکریم و تعظیم وراثت میں ملی تھی۔ تمام باشندے صاحبزادگان کی بالعموم اور حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی بالخصوص بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اس گاؤں کا متوسط کاشتکار طبقہ تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ اور ان پڑھ تھا۔ چراغ تلے اندھیرا کے مصداق بہت کم لوگ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ سے واقف تھے۔ اس لئے بعض سیاسی اور دنیاوی معاملات میں مخالفت بھی کرتے تھے لیکن جو آدمی آپ" کی مخالفت کرتا وہ جلد یا بدیر نہایت برے انجام کو پہنچتا۔ اس لئے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق لوگوں میں تاثر قائم ہو گیا کہ "اس ٹوپی والے (حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ)

کی دعا سے زیادہ بددعا زود اثر ہے۔"

گاؤں کے عام لوگ جن میں محنت کش طبقہ اور دیگر غیر زراعت پیشہ آبادی شامل تھی' اپنے گھریلو معاملات اور باہمی جھگڑوں میں مشاورت' رہنمائی اور فیصلے کے طالب ہوتے۔ دوسرے معاملات میں بھی آپ" ان لوگوں کی ہر قسم کی مدد فرماتے۔ اہل دہ کی آپ" کی بیٹھک پر آمد و رفت' ان کے معاملات میں دلچسپی اور فکرمندی سے ایسے معلوم ہوتا جیسے اہل دہ ایک ایسے کنبے کی مانند ہیں جن کے سربراہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

(۳) جامعیت

طبقاتی تقسیم اور طبائع انسانی میں فطری اختلاف کے پیش نظر ایک پیر طریقت کو ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے اس مقام پر ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگوں کی نہ صرف راہ سلوک میں رہنمائی کرے بلکہ ان کی زندگی کے جملہ معاملات میں رہنمائی اور مشاورت کا اہتمام رکھے۔ حضور قبلہ عالم" کی شخصیت کا یہ کمال تھا کہ جس ذہنی اور معاشرتی سطح کا انسان ہوتا' آپ" اس کے معیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور ان کے ماحول معاشرت کے ہر پہلو سے متعلق بڑی گہری دلچسپی سے بات کرتے جس سے مخاطب فوراً ہی یہ تاثر قائم کر لیتا کہ آپ" نہ صرف میرے معاملات سے باخبر ہیں بلکہ ہمدرد بھی ہیں۔ گفتگو کیا ہوتی؟ بس سارے مسائل کا حل اور ہر سوال کا جواب اسی میں مضمر ہوتا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سے جن لوگوں کا کسی بھی انداز سے واسطہ یا تعلق پیدا ہوا تو وہ یہی سمجھنے لگا کہ جو تعلق حضور" کا میرے ساتھ ہے اور جتنی ہمدردی میرے ساتھ ہے' شاید ہی کسی اور کے ساتھ اتنی ہو گی۔ اور یہ تاثر اور احساس تقریباً ہر چھوٹے' بڑے' ادنیٰ اور اعلیٰ' غریب و امیر اور تعلیم یافتہ یا ان پڑھ مرید میں موجود تھا۔ آپ" معمولی سے اشارات سے بہت جلد بات کی تہہ تک پہنچ جاتے' سائل کو پوری بات کرنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ بہت سے پریشان حال لوگ جو اپنا مدعا بیان نہ کر پاتے یا ایسے حضرات جو دل میں کئی سوالات رکھتے لیکن سوال کرنے کا موقع نہ پاتے' مجلس کی گفتگو کے دوران وہ اپنے سوالات کے جوابات اور پریشانیوں کا حل حاصل کر لیتے۔ دلچسپ صورت حال

یہ تھی کہ گفتگو کا موضوع کچھ ہے مخاطب کوئی اور ہے اور مسائل کسی دوسرے کے حل ہو رہے ہیں' رہنمائی کسی اور کو مل رہی ہے' گفتگو عام دنیاوی معاملات پر ہوتی' رہنمائی دین کی حاصل ہوتی اور مسائل تصوف کے حل ہو رہے ہوتے۔ غرضیکہ "ہر کہ آمد مطلب یافت" والا معاملہ ہوتا۔

فہم و فراست' شخصی وجاہت و تدبر' علم و مشاہدہ' ذہانت اور دانشوری اور محبت و شفقت کا ایک ایسا حسین پیکر آپؒ کی شخصیت میں موجود تھا کہ کہیں دیکھا نہ سنا۔

(۴) طریقہ توجہ

تصوف کی اصطلاح میں توجہ سے مراد یہ ہے کہ شیخ طریقت سالک کی تربیت کے لئے قلبی توجہ مبذول کرے۔ جیسا کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے کہ سالک کی زیادہ تر تربیت توجہ قلبی سے کی جاتی ہے۔ اور سالک کا بہت سا وقت توجہ پیر میں صرف ہوتا ہے۔ پیر کے سامنے دو زانو بیٹھ کر اپنے قلب کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ساتھ ہی اپنے قلب کو مرشد کے قلب پاک کے سامنے رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ پیر روشن ضمیر کے انعکاس براہ راست مرید کے دل پر پڑ کر دل کو ذاکر بنا دیں۔ اور مراقبات الٰہیہ سے سلوک کی منازل طے ہوں۔ پیر روشن ضمیر کی حیثیت ایک حاذق حکیم کی سی ہوتی ہے جو اس سلسلے میں اپنے مرید کی استعداد کے مطابق نسخے تجویز کرتا ہے۔ اس لئے مختلف اولیائے کرام نے تربیت سالک کے ضمن میں مختلف طریق کار اپنایا ہے اور تمام سلاسل طریقت کے اشغال و اذکار مختلف ہیں

ع "ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است"

اس مبینہ اختلاف کے باوجود چونکہ تمام اولیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم کی قدر مشترک معرفت الٰہی کا حصول ہے اس لئے ان کے مابین کسی قسم کا تفرقہ کبھی پیدا نہیں ہوا۔

(۵) بزرگوں کا طریق

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت اپنے عہد کے دو عظیم المرتبت اولیائے کرام یعنی

اپنے جدامجد حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات کا ثمر اور نتیجہ تھی۔ اس لئے ان دو حضرات رحمتہ اللہ علیہم کے طریق توجہ کا ذکر کرنا بے محل نہ ہو گا۔ حضور قبلہ عالمؒ اپنے جد امجد حضرت خواجہ غلام مرتضیٰؒ کے طریق توجہ کی بابت لکھتے ہیں۔

"ہمارے قبلہ رحمتہ اللہ علیہ (جد امجد) ذکر میں اس قدر منہمک نہ ہوتے تھے۔ صرف طریقہ کی رسم تھی اور بس جو کچھ تھی محویت تھی۔ اور ہر وقت اسی محویت میں غرق رہا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ سالک سے سالوں بعد بھی نہ پوچھتے تھے کہ تمہاری کیا حالت ہے۔ ہاں یہ ہمارا ایمان ہے کہ وہ دریافت کئے بغیر صرف نظر سے ہر آدمی کا حال باطن دیکھ ہی نہیں لیتے تھے بلکہ خود سامنے عیاں ہوتا تھا۔ باوجودیکہ آپ کچھ زیادہ التفات سالکین و منسلکین کی طرف نہ فرماتے۔ آپؒ حال مست تھے۔ لیکن ہوشیار ذرا سی آہٹ قلبی سے بھی بیدار تھے۔ توجہ سے فارغ ہوتے تو چند کلمات نصائح یا بعض بزرگوں کے تذکرے بیان فرماتے۔ وہ بھی دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں"۔ [1]

اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے طریق توجہ کا ذکر کرتے ہوئے آپؒ "انقلاب الحقیقت" میں لکھتے ہیں۔

"عوام کو توجہ اپنی زبان درفشاں سے فرماتے اور باتوں باتوں میں دنیا کا نقشہ بدل جاتا تھا۔ ساری دنیا فنا ہی فنا نظر آتی تھی۔ لامذہبی کی جگہ مذہب اپنا روشن چہرہ آفتاب کی طرح دکھاتا تھا۔ رسوم بد کی حقیقت آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتی۔ نبی اکرمؐ کا عشق دامن گیر ہو جاتا۔ آنکھوں سے مینہ کی طرح پانی برسنے لگتا۔ غرض کفر سے ایک گھڑی مسلمان کر بٹھاتے۔ ایک نہیں سینکڑوں اس فیض سے فیض یاب ہوئے اور کسی کو اس حقیقت سے انکار نہیں۔ جاہل نہیں بلکہ عالم اور فاضل آئے اور اسی رنگ میں گھڑی کی گھڑی میں رنگے گئے۔"

"خواص کے لئے اکثر توجہ کا طریقہ آپؒ کے زیر معمول یہ تھا کہ آپؒ اپنا دست مبارک

۱۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰؒ ۔ ص ۲۹۔

معمول کے زانوؤں پر رکھ دیتے اور آپ" خیال (مراقبہ) میں ہو جاتے اور خیال (عالم مراقبہ) میں آپ" کے وجود سے روحانی لہریں چلتیں اور ہاتھ مبارک پر آہستہ آہستہ جھٹکے لگتے۔ اصل میں یہ آپ" کے دل کے جذبات ہوتے جو بجلی کی طرح معمول کے رگ و ریشہ میں اتر جاتے۔"

"مجلس شریف میں اکثر موجودہ تمدن کا ذکر فرماتے کہ پیسوں کے بتوں نے ہمارے اندر بھی بت پیدا کر دیئے۔ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ (دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے)۔ انگریزی کلوں نے ہمیں تباہ کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان فقروں میں کیا روحانیت ہوتی تھی کہ تمام مجلس کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں اور استدلال سے نہیں بلکہ عیاں طور پر ان امور کی حقیقت دکھائی دیتی۔ مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم زائرین بھی رونے لگتے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ توجہ دست مبارک سے تھا۔ کسی کے چہرے پر ملنے لگتے' کسی کے سینہ پر' کسی کی پیشانی پر اور کسی کو کندھوں سے پکڑ گاہے بنمائش محبت اور گاہے بنمود خفگی۔ کسی کے کان پکڑ لیتے اور کسی کو آہستہ آہستہ تھپڑ (طمانچے) لگاتے۔ یہ دونوں صورتیں دیکھنے میں آئیں۔ اور کسی کو یہ کہہ کر کہ میں بولا ہوں اپنا کان اس کے منہ سے لگاتے اور اس کے گلے لگ جاتے۔ اور گاہے گاہے ہاتھ سے مصافحہ کر کے اپنا فیض روحانی پہنچاتے۔" [1]

ایک انوکھا رنگ ڈھنگ

حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے طریق توجہ کے ذکر کا مقصد یہ تھا کہ ہر پھول کی خوشبو اور رنگ کا فرق واضح ہو جائے۔ جیسا کہ باطنی توجہ سالکین کی روحانی تربیت کا اہم ذریعہ ہے۔ حضور قبلہ عالم صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ اس میدان عمل میں بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ" نے باطنی توجہ کا جو طریقہ اختیار فرمایا وہ ان دونوں اول الذکر حضرات رحم اللہ علیہم سے مختلف تھا اور افادیت کے لحاظ سے زیادہ سہل اور مؤثر تھا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ آپ" اپنے عہد

۱۔ انقلاب الحقیقت۔ ص ۵۰' ۵۱' ۵۲۔

کے ظاہری علوم سے کماحقہ' واقف تھے اور گہرا معاشرتی اور عمرانی مشاہدہ رکھتے تھے۔ فقر نے اس کو اور جلا بخش دی کہ بصیرت اور وجدان کے حسین امتزاج سے ایک ایسا کامل انسان آپ'' کی ذات بابرکات میں نظر آتا ہے کہ بظاہر تو نہایت ضعیف و کمزور ہے لیکن تدبر اور تفکر کے لحاظ سے جوان و تنومند ہے۔ زمانہ کی روش کے ساتھ جب آپ'' نے طریقت کے رسوم و رواج کو بے معنی اور بے روح پایا تو رسم سے بلند ہو کر صرف حقیقت اور مقصد پر ہمیشہ نظر رکھی۔ ظاہری اعمال اور اتباع رسالتؐ پر بھی نظر رہتی اور باطن پر بھی پوری توجہ مرکوز رہتی۔ زیادہ توجہ اس بات پر تھی کہ عمل کے اندر روح بھی ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ'' نے بڑی ہنس مکھ طبیعت پائی تھی۔ بہت اونچی اونچی باتیں ہنسی مذاق میں نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں کہہ جاتے تھے۔ جو سمجھنے والے ہی سمجھتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار آپ'' سے سوال کیا کہ حضرت آپ'' کو توجہ دیتے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر سالکین کی تربیت کیسے فرماتے ہیں؟ تو آپ'' نے فرمایا ''صاحبزادہ صاحب! ہم تو باتوں باتوں میں ہی میں اپنا کام چلا لیتے ہیں۔''

بظاہر آپ'' نے خانقاہی رکھ رکھاؤ اور ذکر و فکر کے روایتی اسلوب کو کبھی اختیار نہیں فرمایا مگر باتوں باتوں میں ہر ایک سالک اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوتا تھا اور اس فیض سے کسی کو بھی محروم نہیں رکھا۔ عام طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی زائر حاضر خدمت ہوتا تو آپ'' اس سے نام و پتہ دریافت فرماتے۔ پھر سفر کی روئیداد پوچھتے۔ بعد ازاں اس کے مذاق' مزاج اور معاشرتی حیثیت کے مطابق گفتگو فرماتے۔ لیکن اسی گفتگو کے دوران ہی زائر کے اندر کا کام شروع ہو جاتا۔ بقول حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کہ حضرت قبلہ عالم'' جذب کامل کے مالک تھے۔ اس لئے محفل میں بیٹھنے سے محسوس ہوتا کہ جسم گرم ہو رہا ہے اور ڈھل رہا ہے۔ کثافتیں چلی جا رہی ہیں اور لطافتیں آ رہی ہیں۔ یہ کیفیت عام تھی کہ گفتگو عام ہوتی یا خاص' دین سے متعلق ہوتی یا دنیا سے متعلق' صحبت کی تاثیرات اور نظر کا فیض اپنا کام برابر کرتے رہتے۔ اکثر اوقات دیکھا کہ حضور قبلہ عالم'' خاموش ہیں اور اہل مجلس کے سکوت میں نبی اکرمؐ کی مجلس کا نقشہ نظر آ رہا ہے۔ گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں کہ ذرا سر ہلانے سے اڑ جائیں گے۔ حضور

قبلہ عالم" کی زندگی کا ایک ایک لمحہ معرفت الٰہی اور محبت الٰہی کا ترجمان تھا۔ سادہ باتوں اور عام گفتگو میں تصوف کے باریک سے باریک مسئلے آپ" حل فرما دیتے۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق باتیں کرو) کی آپ" تصویر تھے۔ جس قسم کا جس درجے کا کوئی انسان حاضر ہوتا اس کے مرتبے کے مطابق گفتگو فرماتے۔ اور حیرت یہ ہے کہ ہر صاحب فن کے سامنے اس کے فن کے وہ نکات پیش فرماتے کہ خود صاحب فن حیران ہو جاتے کہ یہ کمی تو میری اپنی کمی ہے جو حضور قبلہ عالم" نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت قبلہ صاحبزادہ محبوب الرسول للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ ایک موقع پر حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت اور طریق توجہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایسی جامع صفات شخصیت نہ ماضی قریب' نہ حال اور نہ مستقبل قریب میں نظر آ رہی ہے۔ حضرت والا میرے نزدیک اپنی مثال آپ تھے۔ پھر طالبان اور سالکین کی تربیت کا جو طریقہ تھا وہ بھی فقید النظیر تھا۔ ہر طبیعت کے ساتھ ان کے اپنے ذوق کے مطابق عمل تھا۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ آخر میں بھی تصوف کی گود میں پیدا ہوا اور تصوف کے ماحول ہی میں پرورش پائی۔ مگر بلامبالغہ عرض کرتا ہوں کہ اس زمانے میں تربیت کا یہ طریقہ جس میں جمال و جلال بالکل ساتھ چل رہے تھے۔ جدید اور قدیم تعلیم یافتہ ایک ساتھ اس چشمہ سے سیراب ہو رہے تھے۔ یہ معاملہ نہ میں نے دیکھا نہ سنا اور نہ میرے علم کی حد تک کہیں موجود ہے۔"[1]

پروفیسر عبدالصمد صارم بڑے صاحب علم اور بہت سی تصانیف کے مصنف ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں آپ" سے تعلق بڑھا تو اکثر حضور رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے۔ یہ سلسلہ آپ" کے وصال تک قائم رہا۔ وہ اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان کرتے ہوئے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"تسبیح و تہلیل یا رکوع و سجود کا سلسلہ جیسا کہ پیر فقیر کرتے کراتے ہیں' نہ خود کرتے تھے نہ مریدوں کو کراتے تھے۔ بس ان کی صحبت ہی کافی تھی۔ یہ بات میں نے حضرت صاحب" میں

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر۔ ص: ۵۳

عجیب و غریب دیکھی کہ بغیر کسی مشاغل کے ان کے مرید سارے مقامات طے کر لیتے تھے۔ وہ رسمی بیعت یا ذکر و شغل کے کچھ زیادہ قائل نہ تھے۔ نہ مجاہدات وغیرہ کراتے بس بغیر مجاہدات کے سب کچھ ہو جاتا' نہ ریاض نہ وظائف نہ اشغال بس معمولی نماز روزہ اور سارے مقامات طے۔ یہ ان کا خاص کمال تھا جو میں نے کسی اور پیر فقیر میں نہیں دیکھا۔ حیرت یہ ہوتی تھی کہ یہ شخص نہ مرید کرتا ہے نہ بیعت لیتا ہے۔ نہ ذکر و شغل بتاتا ہے۔ نہ کوئی محبت و مشقت کا کام سپرد کرتا ہے اور حاضرین مجلس ہیں کہ یوں ہی مفت میں چڑھے چلے جاتے ہیں۔" (۱)

حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں اپنی پہلی حاضری اور اس کی کیفیات کو کس انداز میں بیان کرتے ہیں' ملاحظہ فرمایئے۔

"پہلی مرتبہ جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا' حضورؒ اپنے پرانے مکان کی مغربی بیٹھک میں تشریف رکھتے تھے۔ آپؒ اکیلے تھے۔ میں شوق سے بھرا کچھ ہراساں ہراساں سا ہو گیا۔ جب میں نے حضورؒ کو دیکھا تو دیکھتے ہی یہ کیفیت مسلط ہو گئی۔ "جی چاہے کہ زور سے روؤں"۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے یہی کیفیت ملتزم پر دیکھی تھی۔ ملتزم باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان دیوار کعبہ کو کہتے ہیں۔ یہاں پر حج کرنے والے کو حکم ہے کہ وہ دیوار محبوب سے چمٹ جائے اور اپنے تمام اعضاء کو جتنا اس مقدس مقام سے ملا سکے' ملا لے اور اپنی حسرت نکال لے۔ اس پُر تاثیر مقام کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بلاسبب چیخیں نکل جاتی ہیں اور بندہ وہاں جی بھر کے رو لیتا ہے۔ میری یہ کیفیت بالکل اسی قسم کی تھی۔ گویا یہ مرد کامل کعبہ کی تاثیرات کا حامل تھا۔ بعینہٖ وہی کیفیت پیدا ہوئی۔ (۲)

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است (۳)

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر۔ ص: ۳۴

۲۔ ماہنامہ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر۔

۳۔ دل کو ہاتھ میں لے اصلاح کر کہ یہی حج اکبر ہے۔ کیونکہ ایک دل (اصلاح شدہ) ہزاروں کعبہ سے بہتر ہے۔

باب ۵

تصوف اسلام اور اس کی خدمات

تصوّف وہ علم ہے جس میں حقائق ذات و صفات باری تعالیٰ کی نسبت بحث ہوتی ہے اور اس میں ان اعمال و اشغال کا ذکر ہوتا ہے جس سے تصفیہ و تزکیہ باطن جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تصوف ایک ایسا طریق مستنبط من القرآن و الحدیث ہے جو افراط و تفریط سے مبرا ہے' جسے صراط مستقیم کہا جا سکتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے انسان خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ چونکہ اس علم کا موضوع ذات و صفات الٰہی ہے اور اس کی غرض و غایت معرفت الٰہی ہے' جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے' اس لئے اس کی جامع تعریف متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

لفظ تصوف کے اشتقاق میں مختلف قول ہیں۔ بعض نے اس کو لفظ صوف سے مشتق بتایا ہے کہ بس صوفی صوف پوش کو کہتے ہیں۔ جو ایک قسم کا لباس تھا جو متقدمین صوفیاء پہنا کرتے تھے۔ مگر نہ صرف صوفیاء جیسا لباس زیب تن کرنا بلکہ اہل تصوف کے ظاہری و باطنی طرز عمل سے آراستہ ہونے کا نام تصوف ہے۔ لغوی ترکیب کی رو سے بھی یہی صحیح ہے۔ امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ اس بحث پر مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ "کہ صوفی کے لفظ کا ماخذ و اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعد صرف کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے۔"[1]

علامہ ابن خلدوں نے بھی امام قشیری کی رائے کو پسند کرتے ہوئے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "تصوف کا معنی ہے عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کی زیب و زینت سے روگردانی کرنا۔ لذت' مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ

۱۔ رسالہ قشیریہ۔ ص۔ ۵۱۲

متوجہ ہوں' اس سے کنارہ کش ہونا اور یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام مروج تھا۔"[1]

تصوف اسلام کی تعریف متعین کرنے میں صوفیاء کے دو نقطہ ہائے نظر قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں بعض نے تصوف کے اخلاقی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے جبکہ بعض دوسرے حضرات نے زہد و عبادت کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔ اکثریت نے اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کی ہے اور یہ نظریہ حلقہ صوفیاء میں بھی مقبول ہے۔ مثلاً ابوبکر الکتانی (م ۲۳۳ھ) کے مطابق تصوف خلق کا نام ہے۔ جو خلق میں تجھ سے برتر ہو گا' وہ صفائی میں تجھ سے بڑھا ہوا ہو گا۔

ابو محمد الجریری (م ۳۱۱ھ) نے تصوف کے بارے میں فرمایا۔

"ہر اعلیٰ اور عمدہ خلق میں داخل ہونا اور ہر رذیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے۔"

ابوالحسن النوری تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "تصوف نہ رسم ہے نہ علم بلکہ یہ خلق کا نام ہے"۔[2]

اسی طرح دوسرے صوفیاء نے زہد و تقویٰ پر زیادہ زور دیتے ہوئے دنیا کی زیب و زینت اور لذات سے کلیتہ" کنارہ کشی اختیار کرنے کو تصوف قرار دیا ہے۔ یہ بجا کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ زہد و تقویٰ اور چیز ہے اور تصوف دوسری چیز ہے۔ اس لئے ہر عابد و زاہد صوفی نہیں کہلا سکتا۔ حضرت امام ابن سینا نے اپنی کتاب "الارشادات" میں بڑی وضاحت سے زاہد' عابد اور صوفی کا فرق واضح کیا ہے۔ جو شخص دنیا اور اس کی لذتوں سے منہ موڑ لے اسے زاہد کہتے ہیں۔ اور جو شخص ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہے اسے عابد کہتے ہیں۔ اور جو شخص ہمیشہ اپنے فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہر لحظہ اپنے باطن میں نورحق کی تابانی کا آرزومند رہتا ہے' اسے عارف کہتے ہیں۔ ابن سینا کے نزدیک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔[3]

۱۔ مقالات پیر محمد کرم شاہ الازہری" ص۔ ۳۵۱

۲۔ رسالہ قشیریہ: صفحہ ۵۱۲ ۳۔ مقالات: پیر محمد کرم شاہ الازہری"' صفحہ ۳۵۳

زہد و عبادت کا مطمح نظر اگر کوئی خوف اور لالچ ہو یعنی دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول تو یہ مقصد کسی زاہد اور عابد کا تو ہو سکتا ہے لیکن صوفی کا نہیں۔ اگرچہ صوفی بھی دنیا کی لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش رہ کر مصروف عبادت رہتا ہے۔ لیکن اس کے پیش نظر کوئی خوف اور لالچ نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کا محبوب اور مطلوب ہے اور ہر قسم کی اطاعت عبادت اور نیازمندی کا مستحق ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ کی یہ دعا کس قدر مذکورہ بالا نقطہ نظر کی عکاسی کرتی ہے۔

"اے اللہ اگر میں تیری عبادت آتش دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے اور اگر جنت کے لالچ میں کرتی ہوں تو مجھے اس سے محروم رکھ اور اگر صرف میں تیری ذات کے لئے عبادت کرتی ہوں تو اے میرے رب تو مجھے اپنے شرف دیدار سے محروم نہ رکھ۔" (۱)

تصوف نہ صرف اخلاق حسنہ کا نام ہے اور نہ دنیا کی لذتوں سے کنارہ کشی کا اور نہ صرف شب و روز عبادت میں مصروف رہنے کا۔ اگرچہ اس میں یہ تمام چیزیں شامل ہیں لیکن وہ ان کے سوا کوئی اور چیز ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی کسی ایسی جامع تعریف کی طرف رجوع کیا جائے جس سے اس کی حقیقی غرض و غایت کا پتہ چل سکے۔ حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ مذکورہ بالا تمام عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے احیاء العلوم میں تصوف کی تعریف متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے، صفات مذمومہ کو مٹائے، تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا ولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔" (۲)

۱۔ مقالات: پیر محمد کرم شاہ الازہری، صفحہ ۳۵۴

۲۔ مقالات: پیر محمد کرم شاہ الازہری، صفحہ ۳۵۵

"اولیائے کرام کے نزدیک تصوف کا یہی مفہوم کارفرما ہوتا ہے۔ وہ اسی کو اپنا مقصد حیات بناتے ہیں۔ ان کی زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدق دل سے طے کرنے کے لئے وقف رہتی ہے۔ اس طرح وہ انسانیت کے اس مقام رفیع کو پالیتے ہیں جہاں "نفخت فیه من روحی" کا سرنہاں عیاں ہوتا ہے' وہ خلیفتہ اللہ فی الارض کے مسند جلیل پر فائز ہوتے ہیں۔" [۱]

ا۔ تصوف پر اعتراضات اور ان کی حقیقت

دنیا کے ہر پیشہ و کاروبار میں اصل اور نقل کا وجود پایا جاتا ہے۔ اور ہر اصل کے حوالے سے نقلی جنس بھی بازار حیات میں موجود ہے۔ اس لئے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ صوفیاء کی صفوں میں بھی ایسے لوگ در آتے ہیں جو بظاہر عابد اور زاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل اپنے زہد و عبادت کو حصول جاہ و مال کا ذریعہ بنائے ہوتے ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جہاں کالی بھیڑیں موجود نہ ہوں۔ علماء' صوفیاء' اطباء' قضاۃ' تجار اور صنعت کار غرضیکہ ہر جگہ ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ اور شعبہ زندگی کے لئے بدنامی کا باعث ہیں۔ اسی طرح جعلی صوفیوں اور نقلی پیروں سے بھی یہ دنیا خالی نہیں۔ لیکن ان کے وجود سے صحیح اور راست باز صوفیاء کی افادیت کم نہیں ہو جاتی۔ بعض لوگ صرف اس بات کو بنیاد بنا کر تصوف اسلام کے وجود سے انکار کر دیتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ اسی احساس کے پیش نظر فرمایا کرتے تھے۔

"دنیا میں ہزاروں پیشے دنیا کمانے کے موجود ہیں۔ صرف یہ ایک طریق خدا تک رسائی حاصل کرنے کا تھا' اس کو بھی ناہنجار لوگوں نے دنیا کمانے کا پیشہ بنا لیا ہے۔"

یہاں ہم جن حاملین راہ صفا (اولیاء کرام) کے بارے میں کلام کر رہے ہیں' وہ ایسے لوگ ہیں جو صحیح معنوں میں اس لقب اور منصب کے اہل ہیں۔ اس لئے جعل سازی کے وجود کو بنیاد بنا کر اصل سے انکار کرنا حقیقت کے انکار کے مترادف ہو گا۔ لہٰذا وہ لوگ جو محض اس بنیاد پر تصوف سے انکار یا اس پر اعتراض کرتے ہیں' وہ لوگ اس بحث سے خارج تصور کیے جاتے ہیں۔

ا۔ مقالات: پیر محمد کرم شاہ الازہری' صفحہ ۳۵۶

البتہ علمی اور فنی نظر سے تصوف اسلام کی ابتداء (orign) کے بارے میں اپنوں اور بیگانوں کے بعض اعتراضات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے' اور اب بھی کیا جاتا ہے کہ اس کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جس کو اسلام میں زبردستی ٹھونس دیا گیا ہے۔ اس اعتراض کے حاملین اکثر مستشرقین کے جید علماء ہیں جن کے خیال میں تصوف کا ماخذ ہندوؤں کے وید ہیں۔ اور تصوف میں چلہ کشی وغیرہ کے سارے طریقے ہندوؤں' جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار لیے گئے ہیں۔

۲۔ کچھ لوگ ان میں ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کے زہد و تبتّل کو بدھ مت سے ماخذ سمجھتے ہیں کہ صوفیاء کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔

۳۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل فارسی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ کیونکہ عرب ہر لحاظ سے اہل فارس سے فروتر تھے۔ لہٰذا انہوں نے فارسیوں (ایرانیوں) سے تصوف لیا ہے۔

۴۔ معترضین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوف کا گہرا اثر ہے۔ اس دعوئی کی تائید میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہد قدیم سے باہمی روابط تھے۔ اس لئے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا ہو گا۔

۵۔ بعض معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے۔ جو لوگ زیور علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق و تدقیق کا شعور بھی رکھتے ہیں وہ تصوف کے قریب نہیں پھٹکتے۔

۶۔ ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ صوفیاء نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیں وہ ان سے لطف اندوز ہونے سے کنارہ کش ہو جاتے تھے۔

۷۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف ایک افیون (مافیا) ہے۔ اور صوفیاء ملت کے

قوائے عمل کو مضمحل بلکہ مفلوج کر دیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ تجزیہ

تصوف اسلام پر کیے گئے پہلے چار اعتراضات کا تعلق مستشرقین سے ہے اور آخری تین اعتراضات میں دوسروں کے ساتھ کچھ اپنے لوگ بھی شامل ہیں۔ جہاں تک ان اعتراضات کے مدلل جوابات درج کرنے کا تعلق ہے تو کتاب ھذا کا موضوع اور وسعت اس کی اجازت نہیں دیتی' تاہم موقع کی موافقت کے مطابق ان کے اعتراضات کا مختصر جواب عرض کرنا ضروری ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی سے روکا۔ قرآن کریم کی سینکڑوں آیات ایسی ہیں جو مسلمان کو زہد و تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ لوح قلب پر نقش کرتی ہیں۔ ذکر و فکر اور تزکیہ نفس کی تائید و تاکید میں قرآن و سنت میں واضح نصوص موجود ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کا غیر کی طرف متوجہ ہونا سمجھ سے بالاتر ہے۔

اکابر صوفیاء نے اپنی مستند کتب میں اس بات کو واضح طور پر لکھا ہے کہ صوفی کے لئے کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونا اس راہ میں کامیابی کے لئے شرط اول ہے۔ قوت القلوب' رسالہ قشیریہ' کشف المحجوب' عوارف المعارف اور فوائد الفوائد جیسی مستند کتب کے ہر صفحہ پر کتاب و سنت پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہے تو کتنی ستم ظریفی ہے۔

اکابر صوفیاء اپنے اپنے زمانہ میں علم و فضل میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ مروجہ علم و فن میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ لوگ نہ صرف اقلیم فقر و درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم و فضل کے بھی تاجدار تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف آج بھی اہل علم و فن سے خراج تحسین وصول کر رہی ہے۔ ایسے حالات میں تصوف کو جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک خیال کرنا کتنی بے انصافی ہے۔

تزکیہ نفس کے لیے ابتداء میں ہر قسم کے علائق سے دست کش ہونا اچھے کھانوں لذتوں اور راحتوں کو ترک کر کے منازل سلوک طے کرنا اور اسی قسم کے دوسرے مجاہدے اختیار کرنا اکابر صوفیاء کا کبھی بھی مقصد حیات نہیں رہا ہے بلکہ اس طرح کی صورت حال کا اختیار کرنا دراصل عشق الٰہی جیسے عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو یہ لوگ ستیزہ گاہ حیات میں اسلام کا پرچم تھامے رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ جبکہ عیسائیت کے لیے رہبانیت مقصد حیات ہے۔ اس لیے تصوف اسلام کو رہبانیت سے تشبیہ دینا کتنا بڑا مغالطہ ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے۔ ان کے فیض نظر سے حوصلوں میں بلندی' عزائم میں پختگی' دلوں میں جولانی اور قوت عمل میں سرعت اور چمک پیدا ہوتی رہی ہے۔ آج کی دنیا میں مسلمانوں کی کثیر آبادی دراصل انہی حضرات کی سعی و عمل کا منطقی نتیجہ ہے۔ ایسے میں تصوف کو افیون (مافیا) اور ملت کے قوائے عمل کو مضمحل کرنے کا الزام لگانا تاریخی حقائق سے روگردانی کے مترادف ہے۔

اسلامی تہذیب و تمدن کے انحطاط و ابتلاء کے دور میں ہمیشہ صوفیائے کرام نے ہی شجراسلام کی آبیاری کی ہے۔ "تاریخ مشائخ چشت" میں پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

"یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا۔ بلکہ بقول پروفیسر کے۔ جتی کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ ہالینڈ کے ایک فاضل مستشرق لو۔ کے۔ گارد نے دبے انداز میں اسی بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو کہ اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا۔ لیکن روحانی نظام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔" [1]

اس طرح ایک اور مستشرق ایچ۔ اے۔ آر۔ گب (H.A.R.Gibb) نے اپنے ایک خطاب

ا۔ مقالات: پیر محمد کرم شاہ الازہری' صفحہ ۲۷۵' بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص۔ ۹

میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔" [1]

برصغیر میں مدتوں بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء اسلام کی جو تحریک شروع کی تھی' اس کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ صوفیاء اور فقہاء اسلام میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ آپ ؒ نے طریقت کو شریعت کا خادم قرار دیا۔ صوفیاء اور علمی حلقوں کو افراط و تفریط سے نجات دلائی۔ تصوف کو شریعت محمدی کے تابع کر کے احکام شرعی کی حدود میں لے آئے جس کے نتیجے میں نہ صرف تصوف اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوئیں بلکہ شریعت اور طریقت کے اختلافات بھی ختم ہو گئے۔ لیکن مغلوں کے زوال کے بعد جہاں دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں مسلمانوں کو انحطاط و ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا' وہاں تصوف اسلام پر بھی ایسے اعتراضات (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ اس عہد میں مجدد الف ثانیؒ جیسی کوئی شخصیت بھی نظر نہیں آتی جو نظری اور عملی طور پر ان اعتراضات کا مدلل جواب دے سکے اور اس سلسلے کا تدارک کر سکے۔ احیائے علوم کے اس دور میں جہاں دوسرے علوم و فنون کے چشمے ابل رہے تھے' وہاں تصوف اسلام کی زبوں حالی قابل دید تھی۔ اگرچہ بہت سے صاحب حال بزرگ موجود تھے لیکن علمی طور پر تصوف اسلام کے دفاع یا وکالت کے لیے کوئی سرگرم عمل نہ تھا۔ ایسے حالات میں قدرت نے سرزمین پنجاب کو یہ شرف بخشا کہ سلسلہ نقشبندیہ عالیہ اور علم و عرفان کے تین نامور خاندانوں سے فیض یافتہ ایک مرد قلندر نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بابرکات سے ملت کی عظیم تاریخ وابستہ تھی جو تصوف کے دفاع' تزکیہ نفس' علم و فضل' تقویٰ و طہارت' تفقہ فی الدین' ذہانت و فطانت اور تحریر و تقریر کی ایک ایسی

۱۔ مقالات: پیر محمد کرم شاہ الازہری' صفحہ ۳۷۵۔۳۷۶

چلتی پھرتی جامع تحریک بن گئی جس کا ایک سرا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اس تحریک سے جا ملتا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ تصوف اسلام کے دفاع کی تحریک کا آغاز

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی پہلی معرکہ آراء تصنیف "انقلاب الحقیقت" ہے جسے نہ تو سوانح کہا جا سکتا ہے اور نہ آپ بیتی' بلکہ یہ ان دونوں اصناف کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ مزید یہ کہ اپنی حلاوت اور اثرانگیزی کے لحاظ سے بے نظیر دستور تصوف ہے۔ جس سے ہر رہرو منزل کو ہر دور میں رہنمائی مل سکتی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے جب محسوس کیا کہ بعض لوگ اپنی علمی اور دینی تحریکوں کو کامیاب بنانے کے لیے اقدار تصوف پر اعتراض اور شبہات پیدا کر رہے ہیں تو اس کے تدارک کے لیے آپؒ نے اپنے بعض ہم عصر بزرگوں اور علماء کے ساتھ گفت و شنید کی۔ اس کے نتیجے میں جو تاثرات ذہن مبارک میں مرتب ہوئے ان کا تقاضا تھا کہ اقدار تصوف کے بارے عام علمی دنیا میں پیدا کیے گئے ان شبہات کا ازالہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے تصوف اسلام کے بارے میں لکھنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی تحریروں کا بنیادی مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ

"تصوف اسلام حال و قال کے مجموعے کا نام ہے' اور یہ کہ تصوف روح اسلام ہے' اور اس کی بنیاد قرآن و سنت کے سوا کچھ نہیں' اور یہ کہ اس کی زندگی اسلام کی زندگی ہے' اور اس کی موت اسلام کی موت ہے۔ کیونکہ کوئی جسم بلا جان زندہ نہیں رہ سکتا۔"

خانقاہی تصوف' خلوت پسندی' اور دنیافانی کے تصور پر جو تنقید ہو رہی تھی اس کا توڑ مادی دنیا کے سامنے پیش کرنا بڑا جرأت مندانہ قدم تھا۔ حقیقی تصوف کا دفاع کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی جو پہلی تصنیف سامنے آئی اس کا عنوان "قرآنی نظریہ حیات" تھا۔ اس کتاب کے مندرجات اور بعد میں لکھی جانے والی تحریروں میں آپ نے اپنا وہی مقصد سامنے رکھا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ آپ نے تصوف اسلام کو عین اسلام ثابت

کرنے کے لیے مختلف انداز میں بہت کچھ لکھا۔ آپ کی تحریروں کو تصوف اسلام کے ادب میں مدت کے بعد منفرد اور عظیم اضافہ سمجھا گیا ہے۔ بلکہ اہل علم و فن کے نزدیک تصوف کے حقائق و معارف اور ان کی وضاحت اور تشریح کے لیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد حضور قبلہ عالمؒ کی تحریریں بطور نمونہ پیش کی جا سکتی ہیں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ جب تک کسی مصنف یا ادیب کی تحریروں کو کوئی پڑھنے اور سمجھنے والا نہ ہو اس کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی اور مزید قلم اٹھانا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ حسن کو نظر استحسان سے دیکھنے والے موجود ہوں تو وہ زیادہ آب و تاب کے ساتھ منظرعام پر آتا ہے۔ مقام شکر ہے کہ اس عہد کے بعض علم دوست سجادہ نشین حضرات اور بعض ہم فکر علماء نے آپ کی تحریروں کو بہت پسند کیا اور اس سلسلے میں مزید لکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔"[1]

"قرآنی نظریہ حیات" میں تصوف اسلام پر کیے گئے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی اس کتاب میں تصوف اور مقام تصوف کے عنوان کے تحت جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا اس کے مطالعہ سے تصوف اسلام سے متعلق آپ کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس لیے اس مضمون کے مندرجات کو نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ تصوف اور مقام تصوف

"معلوم نہیں دنیا نے آج تصوف کو کیوں اسلام کے سوا کچھ اور سمجھ رکھا ہے۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تصوف اسلام کی روح کے سوا کچھ نہیں۔ جن حقائق یا عقائد کو اسلام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے' اسلام خود چاہتا ہے کہ یہ حقائق قلوب انسانی میں روشن ہو کر دنیا کی فلاح و

۱۔ اس سلسلے میں حضرت صاحبزادہ جمیل احمد شرق پوری مدظلہ' حضرت صاحبزادہ صدیق احمد اور حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للہی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للہیؒ جو خود بڑے عالم باعمل اور تصوف میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے' انہوں نے بالخصوص حضور قبلہ عالم کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے نام ایک مکتوب میں آپ انہیں اس امر کا محرک قرار دیتے ہیں۔

برکت کا باعث بنیں۔ انہی حقائق کو اپنانے کا نام تصوف ہے۔ توحید' اسلام کا پہلا عقیدہ ہے لیکن اس عقیدہ کی پختگی کے کئی مدارج ہیں۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام امت کا ایمان ایک طرف اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ایک طرف۔ اب غور فرمایا جائے کہ یہ فرق عظیم اتنا کیوں "صرف پختگی ایمان کی وجہ سے نتائج کا مدار بھی عقیدہ کی پختگی اور ناپختگی پر ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (۳ : ۱۰۲) ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈور جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ دنیا ساری خدا سے ڈرتی ہے لیکن وہ سب کچھ نہیں کرتی جس کا حکم ہوتا ہے۔ غور فرمایئے واقعی اگر ڈرتے تو ایسا ہوتا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات جب تک تھی تو آپ کی محبت کے شرف اور آپ کی نظر کیمیا اثر سے اور اس وقت دنیا کی مخالفت کی وجہ سے عقائد اسلامی اس درجہ پر پہنچ گئے تھے جس درجہ پر ان کو پہنچنا تھا۔ لیکن جوں جوں رسالت کے زمانے کو بعد ہوتا گیا طبائع کے اندر عقائد گرنے شروع ہو گئے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص بنا لیا اور جن کو اپنے فضل و کرم سے ممتاز فرمانا تھا ان کو اپنی محبت کے اندر جذب فرمالیا اور ان پر توحید کامل کے انوار وارد فرمائے اور ان کو دنیا سے بیگانہ فرما کر اپنے لیے خاص فرمالیا جن سے یہ خدمت پسند تھی کہ وہ اسلام کے حقائق قرآنی اور افکار ربانی کی عملی تفسیر ہو کر خلق اللہ کے لئے نمونہ ہو جائیں۔ یہی اہل دل اور اہل تصوف کہلاتے ہیں اور ان بزرگان دین نے ان حقائق کو اپنانے کے لیے جو جو طریقے روشن فرمائے ان طریقوں سے وہ اس خدمت اسلامی کو سرانجام فرماتے رہے اور لوگوں کو تزکیہ نفس کی اعلیٰ تعلیم عملاً دے کر دنیا کو اسلام کی طرف متوجہ فرماتے رہے۔

کتب موجود ہیں' ان کے حالات موجود ہیں' ان کی صورت و سیرت کے نقشے موجود ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ اسلام کے سوا کچھ اور پیش کرتے رہے' قرآن حکیم کے سوا کچھ اور تعلیم فرماتے رہے۔ انہوں نے توحید کو اس کمال تک پہنچایا کہ دوئی کا شائبہ تک نہ رہا تھا۔ "تو دروگم شو وصال ایں است و بس" رسالت کی محبت پر جان دیتے گئے۔

زمجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم [1]

اسی نظریہ حیات کو اپنانے کے لئے وہ دنیا سے ایسے دست کش ہوئے کہ مرتے دم تک کسی دنیاوی لذت اٹھانے تک کا خیال نہ آیا۔

چیست تقویٰ زہد اے عالی جناب
بر مراد خود نہ گشتن کامیاب [۲]

ان قرآنی حقائق کو اپنانے سے وہ خود تو درویش تھے لیکن بادشاہ وقت ان کی سلامی کو فخر جانتے تھے۔ اپنے نہیں' غیر اقوام کے بادشاہ بھی جوتے اٹھانا فخر خیال کرتے تھے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ قرآنی حقائق کو جو ان کا حق تھا اسے اپنانے میں اپنی تمام عمریں صرف کر دیں انما اموالکم و اولادکم کی کئی تفسیریں اور تاویلیں آپ نے دیکھی ہوں گی لیکن اہل دل نے جو تفسیر فرمائی۔

مال و اولادت بمعنی دشمن اند
گرچہ نزدیک تو چشم روشن اند
انما اموالکم را یاد گیر
مال و ملک و دولتش برباد گیر [1]

اس سے بڑھ کر کسی حقیقت شناس انسان نے اس کی تفسیر و تعبیر کی؟ کتنے واضح الفاظ میں برملا کہہ دیا۔

ع گرچہ نزدیک تو چشم روشن اند

۱۔ نوامیدی کی حالت نظام دنیا وجود میں آگیا ہے' یا نبی اللہ ﷺ آپ سے باربار رحم کی درخواست ہے۔

۲۔ اے عالی جناب! تقویٰ' زہد کیا چیز ہے؟ یہی کہ اپنی مراد میں ناکام ہونے کا نام ہے۔

۳۔ تیرے مال و دولت دشمن کی مثل ہیں۔ اگرچہ ان کی وجہ سے تیری آنکھیں روشن ہیں۔ انما اموالکم کو یاد رکھ کہ مال' ملک اور تیرودولت ختم ہونے والی ہے۔

پھر زبانی دعویٰ نہیں رہا۔ جب کبھی مال و دولت کی فکر ہوئی تو اس سے اتنا بھاگے کہ مڑ کر نہیں دیکھا۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے۔ جب حرم کعبہ میں ان کے صاحبزادے آئے اور ان کی طرف طبیعت للچائی اور ان کی رعنائیت پر نظر جمی تو اسی وقت بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے کہ یا اللہ! کس فتنے میں مجھے ڈال دیا گیا' مجھ سے یہ فتنہ دور فرما۔ بیان کرتے ہیں کہ صاحبزادے کا پاؤں پھسلا اور وہیں جاں بحق ہو گئے۔ آپ کہیں گے کہ یہ فقرو تصوف ہے جو بیٹے تک سے لاپروا ہے۔ لیکن ذرا آنکھ کھول کر دیکھا جائے کہ دنیا کی محبت میں آل اولاد نہیں بھول جاتی۔ آج اس محبت کی وجہ سے باپ بیٹا مخالف نظر آتے ہیں بلکہ ساری دنیا اس پاک جذبہ الفت کو صرف مال و دولت کے نشہ محبت میں لگانے سے ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے ہیں اور کوئی بھی نہیں جو ان پر طعن و تشنیع کرے۔ اگر طعن و تشنیع ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت پر۔ کوئی دنیا میں اپنا مال و دولت لاکھوں کا آوارگی میں خرچ کرتا پھرے لیکن کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض ہے تو اس خرچ پر جو راہ حق میں کوئی خرچ کرے' محبت الٰہیہ سدا سہاگن ہے' باقی تمام محبتیں فانی ہیں' کب تک وہ ساتھ دیں گی' آج کی دنیا تو یورپ و امریکہ کی سیر کے لیے بیویاں' بچے' بیٹے چھوڑ کر جا رہی ہے اور اس پر فخر کرتی ہے اور ان کے اعلیٰ اقدار بنانے پر نشریات ہوتے ہیں اور کوئی ملامت نہیں کرتا کہ وہ فطرتی محبت کہاں گئی؟

مقامِ تصوّف

تصوف کی نگاہ و نظر کسی عمل کے ظاہر تک محدود نہیں ہوتی بلکہ عمل کی ظاہری صورت سے بڑھ کر عمل کی روح پیدا کرنے تک ہوتی ہے اور جب تک یہ روح پیدا نہ ہو سالک عمل کو لگاتار کرتا رہتا ہے' اور عمل کی کثرت سے عمل کی روح جب پیدا ہوتی ہے تو اس وقت اس کے نزدیک عمل کی قیمت ہوتی ہے اور عمل کا احترام اس درجہ سے پہلے اس کے نزدیک ظاہراً کوئی کتنا اچھا دکھائی دے اس کے لئے اس کی قیمت نہیں۔

ذکر

یہ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کو پنج وقتہ اذان کے بعد پڑھنے کو کافی سمجھتا بلکہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللّٰہ کے دوام ذکر سے اپنے سینہ میں نور دیکھنا چاہتا ہے اور جب تک یہ نور قلبی پیدا نہ ہو جائے صرف ذکر کی کوئی قیمت اس کے نزدیک نہیں۔

نماز

اسی طرح نماز کو پنج وقتہ ادا کر کے اپنی تسلی نہیں پاتا بلکہ کثرت نوافل کی عبادت کو رات دن اپنا وظیفہ خیال کرتا ہے۔ اور جب تک اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی حقیقت اس کے سامنے نہیں آتی یہ اپنی نماز کو نماز نہیں خیال کرتا۔

روزہ

ماہ رمضان کے روزے رکھنے سے یہ اپنا فرض ادا ہونا خیال نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کے تزکیہ کے لیے مدتوں روزے رکھتا ہے یہاں تک کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کی شان پیدا ہو جاوے اور اسرار الٰہیہ کی موج سینہ میں لہرانے لگے۔

زکوٰۃ

واجب مال کی زکوٰۃ پر اسے قناعت نہیں بلکہ تمام مال و جان کو راہ مولیٰ میں دینے کو اپنی زکوٰۃ جان و مال خیال کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اولاد کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳ : ۹۲) ہرچہ داری صرف کن در راہ او پر عمل ہوتا ہے اور شان صدیقت کا پورا نمونہ ہونے کی تڑپ رہتی ہے۔

حج

اپنے حج کو اس وقت تک حج نہیں خیال کرتا جب تک اسے حرم کے اندر عرش عظیم پر

خدائی جلوے نظر نہ آئیں اور اپنے آپ کو بارگاہ الٰہیہ کے حرم میں نہ دیکھے۔

ظاہر و باطن

ظاہر و باطن اور لفظ و معنی کو ایک دیکھنا پسند کرتا ہے اور جسم وجان کو اکٹھا جب تک عمل نہ دیکھے اسے منافقت سے تعبیر کرتا ہے۔ اسے صرف شریعت پر قناعت نہیں جب تک طریقت کی حقیقت تک شریعت نہ پہنچے۔ وہ شریعت کو بے حقیقت جانتا ہے' یہ کتاب و سنت کو تزکیہ کے ساتھ لازم سمجھتا ہے۔ اور جب تک تزکیہ نفس پر توجہ نہ ہو کتاب و سنت کو بے معنی و بے روح خیال کرتا ہے۔ الغرض ہر عمل میں ظاہر و باطن کی تمیز اٹھانا اس کا اولین مقصد ہے۔ ایسی صورت میں خود اندازہ لگایئے کہ تصوف کا مقام اسلام میں کس درجہ بلند ہے اور کتنا رفیع' لیکن کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے علم کے زعم میں اسے اسلام سے الگ بنانے پر اپنا پورا زور خرچ کر رہے ہیں اور اپنے اندر نہیں دیکھتے کہ کون سی طوطی ان کے اندر بول رہی ہے اور خیال نہیں فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف شارح اسلام ہو کر تشریف نہیں لائے تھے بلکہ مزکی بھی تھے۔ قرآن حکیم جہاں..... وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ فرماتا ہے' وہیں وہ يُزَكِّيهِمْ کی صفت سے آپ کی شان بڑھاتا ہے۔ کتاب و سنت تزکیہ کے بغیر نہیں اور تزکیہ کتاب و سنت کے سوا کچھ نہیں۔ پھر کیونکر تصوف کو اسلام سے جدا خیال کیا جائے اور کیونکر تصوف کے حقائق کو ویدانت وغیرہ سے تعبیر کیا جائے۔ رومی اسی ورد پر بول اٹھے تھے۔

؎ من ز قرآن مغز را برداشتم
استخوان پیش سگاں انداختم [1]۔

قرن اولیٰ میں کتاب و سنت اور تزکیہ الگ الگ نہ تھے۔ کتاب و سنت کے مالک پورے اور کامل مزکی ہوتے اور اہل علم اور اہل دل جدا نہ تھے' یک جان و دو قالب کے مطابق اسلام تھا۔ ہر قالب میں دو صفتیں جلوہ گر تھیں۔ لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جوں جوں زمانہ

ا۔ میں نے قرآن کے مغز کو لے لیا ہے اور ہڈیاں کتوں کے آگے ڈال دی ہیں۔

دور ہوتا گیا اور طبائع گرتی گئیں دونوں صفات کو کمال تک پہنچانا بیک وقت مشکل ہو گیا۔ اس لیے اہل اسلام کی پیشوائی اور رہنمائی کے دو طبقے ہو گئے ایک اہل علم کتاب و سنت کا' دوسرا اہل دل صاحب تصوف کا۔ پھر بھی چولی دامن کا ساتھ تھا' صاحب علم صاحب تزکیہ ہوتے تھے اور صاحب تزکیہ صاحب علم۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جنیدؒ یا بایزیدؒ یا شیخ عبدالقادرؒ کتاب و سنت کے عالم نہ تھے یا شافعیؒ اور احمدؒ تزکیہ سے خالی تھے۔ صرف امام فن ایک میں تھے یا تصوف میں یا کتاب و سنت میں۔

لیکن آج عجب معاملہ الٹ گیا ہے۔ اہل تصوف اہل علم کو معیوب جانتے ہیں اور اہل علم اہل تصوف کو بے علم۔ شاید حقیقت موجودہ وقت ایسی ہی ہو لیکن اس وجہ سے اصل تصوف پر حرف نہیں آتا ہے۔ تو متصوفین پر لے دے ہو تو کچھ معنی بھی ہو گا۔ لیکن اصل تصوف پر لے دے کرنا ہمارے نزدیک خود اسلام پر لے دے کرنا ہے اور بس۔

جبکہ خود تصوف بذاتہ "ویزکیھم" (ان کا تزکیہ فرماتے) کی تفسیر و تعبیر اور اس کے ذرائع و وسائل کے سوا کچھ نہیں۔ مقصود تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ہے خواہ کچھ ادھر ادھر بھٹک کر ہی پہنچیں۔ سیدھی راہ چلنے سے اگر منزل مقصود پر دھیان ہی نہ رکھیں تو پھر وہ کیونکر پہنچیں گے۔ جو راہی راہ کی بھول بھلیاں کو سیر جانتا ہوں وہ کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچتا۔ موجودہ وقت کا علم بھول بھلیاں کے سوا کچھ نہیں اور اسی بھول بھلیاں میں تماشائی رہنا عقل کے خلاف ہے۔

؎ صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے خود را جانب دلدار کن [1]

یہ ہے تصوف جس کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

اہل علم ہمیشہ علم کے نقطہ نگاہ سے حقائق قرآنی کو حل فرمانے کی کوشش فرماتے رہے لیکن

؎ پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

۱۔ سینکڑوں کتابیں اور اوراق آگ میں ڈال' اپنا رخ محبوب کی جانب موڑ دے۔

(اہل عقل کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں اور لکڑی کے پاؤں بہت ہی کمزور ہوتے ہیں) اور اس حل کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ اور حقائق قرآنی کے عقلی حل دلوں میں نہ بیٹھے نہ بیٹھیں گے۔ لیکن اہل دل نے اپنی ایک پاک نظراور اپنی ایک پاک توجہ سے ایک آن کی آن میں یکدم تمام شکوک کو رفع کر دیا اور ان کی عقل کا اندھاپن ان کے سامنے کر دیا' شک گیا اور یقین بیٹھ گیا۔

یہی حقیقت کبریٰ "کہ دنیا دھوکے کا سامان ہے" کس علم والے کے دل پر بیٹھی ہے اور کون صاحب علم ہے کہ اپنے استدلال سے کسی انسانی ذہن پر یقین کا حال پیدا کر دے۔ لیکن دنیا میں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں مزکی (صاحب نظر) کی ایک نگاہ غلط انداز سے دنیا کا صحیح نقشہ فنا سامنے آگیا اور پھر مرتے دم تک آنکھوں سے اوجھل نہ ہوا۔ یہ ہے فقراور یہ ہیں اس کی کرشمہ سازیاں۔ باوجودیکہ آج نام ہی نام فقر و تصوف کا رہ گیا پھر بھی طبائع اپنی پیاس بجھانے کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں دیکھتیں کہ کسی کے در دولت پر جاکر مریں کہ بامراد مریں گے۔ آخر کوئی حقیقت تو تھی اور کوئی حقیقت ہے ورنہ آج کی دہری دنیا ایک سنانے میں دس سناتی ہے۔ استدلال پر استدلال ہے یہاں تک کہ وقت نکل جاتا ہے اور طبیعت اکھڑ جاتی ہے اور بے مزہ ہو کر اپنا اپنا راستہ لیتی ہے۔ آج بھی نظرو قلب سے مسلمان کام لیں گے تو کام چلتا رہے گا' ورنہ علم سے جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

"بس ہو چکی نماز مصلیٰ اٹھایئے" کے نعرے ہر طرف بلند ہیں اور بس۔

افادیت نظریہ حیات

یوں تو مختلف مواقع پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن زیادہ واضح کرنے کے لیے عنوان ھذا کے زیر اتنا اور لکھا جاتا ہے کہ اس نظریہ حیات نے مسلمانوں کو بے کار نہیں بنایا بلکہ باکار' انہیں بے کاری کی موت نہیں سلایا بلکہ باکاری سے ان کے لیے حیات ابدی کے سرچشمے کھول دیے۔ موت و زندگی ان کے سامنے برابر ہو گئی۔ موت ان کے لیے جام شہادت ہو کر پیش ہوتی رہی اور ہر حصہ زندگی میں دنیائے علم سے پیش پیش ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ عالم کے فاتح ہو کر نکلے اور

جہانبانی اور جہانداری کے وہ انوکھے طریقے دنیا میں دکھائے جس سے دنیا پہلے روشناس نہ تھی۔ وہ بے سامانی کو سامان سمجھنے لگے۔ طارق ؒ نے اپنے ساز و سامان فتح کو آگ لگا کر دنیا کو بتلا دیا کہ بے سامانی زندہ اقوام کے لیے خود سامان ہے۔ اور اسلام کی نظر میں سامان پر بھروسہ نہیں' صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔

ایک طرف جہاد (جنگ) کے لیے مجاہد کمر کستے تھے' دوسری طرف اپنی بے ساز و سامانی پر نظر رکھتے ہوئے جام شہادت کے منتظر ہو بیٹھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تاریک زندگی چھوڑ کر ایک پاک زندگی میں داخل ہوویں جہاں دنیاوی مال و متاع کے سوا وہ سب کچھ ہو گا جو آنکھ نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا ہے۔

دنیاداری کا یہ بڑا مغالطہ ہے کہ دنیا ہیچ سمجھنے میں بیکاروں کی دنیا ہو جائے گی' کتنا بڑا مغالطہ ہے۔ کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک جاہل کہہ دیتا ہے کہ دنیا کو پڑھا کر دنیا کو بیکار بنانے کی پالیسی ہے۔ لیکن اس جاہل کا کیا قصور اس نے واقعی ایسے دیکھا کیونکہ تھوڑا پڑھ کر جب بچے نہ تو کام کرتے ہیں اور نہ ہی نوکری کے قابل ہوتے ہیں' تو وہ کیوں نہ ایسا کہے۔ لیکن وہ نہیں دیکھتا کہ جو پڑھ گئے اور دنیا میں بڑھ گئے۔ اعلیٰ مناصب پر جا پہنچے اور اعلیٰ تجارت کے مالک ہو کر دنیا کے خزانے جمع کر رہے ہیں اور اعلیٰ کاشتکاری کے اصولوں پر کاشتکاری سے لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔

یہی حالت پست قوم کی ہے کہ وہ نہیں دیکھتے دنیا میں وہی ممتاز ہوئے جو قوم کے لیے اپنے آپ سے نکل کر اپنی قوم کے لیے مرمٹے۔ اور یہاں حالت اس سے بھی بلند ہے کہ قوم کے لیے نہیں' آخرت کی زندگی کے لیے اور مولیٰ کریم کی رضا کے لیے۔ جس کی رضا دین و دنیا کی فلاح ہے' جس کے اندر کبھی گھاٹا نہ ہو گا۔

قرآن کریم نے جہاں دنیاوی زندگی کی بے اعتباری کا نقشہ پیش کیا' وہیں آخرت کی حیات کے ثمرات پیش کیے۔ اسی آیت زیر نظر وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [1] (۳ : ۱۸۵) کے بعد

۱۔ دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

فرماتے ہیں سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (۵۷ : ۲۱) **لوگو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف لپکو' اور نیز بہشت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ (اتنا) ہے جیسے آسمان و زمین (ملا کر) دونوں کا پھیلاؤ اور تیار کرائی گئی ہے ان کے لیے جو خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔**

۱۔ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ [1] (۶ : ۳۲)

۲۔ وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا [2] (۶ : ۷۰)

۳۔ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا [3] (۷ : ۵۱)

۴۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ [4] (۲۹ : ۶۴)

۵۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا [5] (۳۱ : ۳۳)

۶۔ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ [6] (۳۵ : ۵)

۷۔ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ۔ [7] (۴۰ : ۳۹)

اہل تصوف

کوئی سالک جب اپنے فرمودۂ شیخ پر کثرت ذکر اور کثرت عبادت پر اتر آتا ہے اور متواتر روزوں (بھوک) سے سینہ پاک کر لیتا ہے تو انفاق فی سبیل اللہ کے جذبہ سے معمور ہو کر اپنا مال

۱۔ یہ چند روز زندگی کھیل کود کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بہترین زندگی صرف اور صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو متقی ہیں۔

۲۔ چھوڑ دو ان لوگوں کو جنھوں نے تمہارے دین کو کھیل کو سمجھ رکھا ہے۔ اور دنیا کی زندگی نے (انہیں) دھوکہ میں ڈالدیا ہے۔

۳۔ وہ لوگ جنھوں نے تمہارے دین کو کھیل کود سمجھا۔ انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال دیا۔

۴۔ اور نہیں ہے۔ یہ دنیا کی زندگی سوائے کھیل کود کے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچ ہے۔ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔

۶۔ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔

۷۔ اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تھوڑے نفع کی چیز ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

و دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے تو اللہ کریم اس کے اعمال میں نورانیت پیدا فرما دیتے ہیں اور یہ نورانیت قلب سالک کو منور فرمانا شروع کر دیتی ہے یہاں تک کہ دنیا سے کامل بیزاری ہو جاتی ہے اور دنیا اسے بری معلوم ہونے لگتی ہے اور جو مولا کریم نے خیانت دنیا کی تعریف کا بیان فرمایا ہے اس سے پار نکل جاتا ہے اور الدنیا جیفة و طالبها کلاب [1] کی حقیقت اس کے سامنے آ جاتی ہے۔ تو اس وقت وہ تمام علائق دنیا اور دنیا سے الگ ہو کر جلوہ الٰہی اور دیدار کی تڑپ میں گنگناتا ہے۔

؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش پر آتی ہے اور اپنے جلوے قلب سالک پر ڈالنے شروع کر دیتی ہے۔ لِیْ مَعَ اللّٰهِ وِقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ [۲] (حدیث) کے مطابق ہمہ تن جلوہ ہائے الٰہی میں غرق ہو جاتا ہے تو اس وقت سالک یا صوفی نمونہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بلغ العلی بکماله توحید کے انتہا تک پہنچتا ہے' کشف الدجی بجماله پھر اس کے چہرے مہرے کے انوار سے کفر و ضلالت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں' حسنت جمیع خصاله اور اس کی تمام عادتیں اور خصلتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں' صلوا علیه و آله تو ساری دنیا اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے سلامتی اور رحمتیں اللہ تعالیٰ سے طلب کرتی ہے۔ آیت نور جس کی تفسیر میں اہل علم حیران نظر آتے ہیں اور جس کی تفسیر و تاویل میں عقلیں عاجز ہیں صوفی بعینہ اس کی تفسیر حیاتی ہو نکلتا ہے' ہوبہو نورالٰہی کی طرح دنیا پر نورالٰہی کے انوار ڈالتا ہے اور دنیا اس کے مشعل قلب و بشرے (چہرے) سے ہدایت پاتی ہے اور نورالٰہی کی طرف دوڑتی ہے۔"

۱۔ دنیا مردار کی مانند ہے۔ اور اس کا طالب کتا ہوتا ہے۔

۲۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص وقت ہے۔ جس میں مقرب فرشتے اور نبی مرسل شامل نہیں ہوتے۔

۵۔ ادارہ تصوف کا قیام اور ماہنامہ "سلسبیل"

اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کے دو ہی طریقے ہیں ایک تقریر اور دوسرا تحریر۔ تقریر اگرچہ تحریر سے زیادہ مؤثر ہے لیکن وہ نسبتاً محدود ہے۔ اس دور میں طباعت اور اشاعت نے جو مقام حاصل کر لیا ہے' اس کے پیش نظر عوام کی رہنمائی کے لیے اس طریقہ کا سہارا لینا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ محبوب الٰہی قطب العالم حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ان خیالات کی وسیع تر اشاعت اور تصوف اسلام کے دفاع اور وکالت کے لیے اس مؤثر ذریعہ اظہار کو بروئے کار لانے کے لیے اپنے احباب کے ساتھ مشورہ کے بعد ادارہ تصوف کے قیام اور اس کے تحت ایک ایسے مجلّہ کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا جو تصوف اسلامی کا علمبردار ہو۔ نیز اس ادارہ کے تحت تصوف کے موضوع پر دیگر اہم کتب کی اشاعت کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ مجلّہ سلسبیل کے پہلے شمارے میں ادارہ تصوف کے قیام اور مجلّہ کے اجراء کے مقاصد کے سلسلے میں مدیر اعلیٰ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"صوفیاء کی مساعی قیام حق اور اعلائے کلمتہ اللہ اور مسلمانوں میں ایمانیات اور عبادات قائم رکھنے کے سلسلے میں قابل ہزار تحسین ہیں۔ لیکن داد کی بجائے بیداد ہے کہ ان کے اخلاص و عمل کو اسلام کے سوا کچھ اور کہا جائے۔ چونکہ یہ دور تصنیف و تالیف کا دور ہے اور اشاعت و طباعت کتب کے ذریعے نہایت وسیع پیمانے پر تبلیغ دین بھی ہو سکتی ہے اور اصلاح احوال بھی' اس لیے ہمارے قبلہ و کعبہ قطب العالم مرشدنا حضرت محمد عمر صاحب بیربل شریف ضلع سرگودھا نے جن کے مقدس اور مبارک دل کو اپنوں کی سردمہری اور غیروں کی دیدہ دلیری ہمیشہ دکھ دیتی ہے' حکم دیا کہ احباب ایک ادارہ قائم کریں جو تصوف کی کتابیں کثرت سے شائع کرے۔ اور ادارہ کے افراد بھی ہر طرح اپنا اچھا نمونہ دکھائیں جس سے دنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ تصوف کے خلاف لکھ کر اور بول کر خود اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک سہ ماہی رسالہ سلسبیل پیش خدمت ہے۔ ان شاء اللہ رسالہ تصوف کی خدمت میں اپنے کسی سابق مجلّہ سے پیچھے نہیں رہے گا۔ اس رسالے سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ تصوف کی صحیح خدمت کی جائے' تصوف کے حق میں اعلیٰ درجے کے مضامین شائع کیے جائیں' متقدمین کی معیاری کتابوں

کے تراجم شائع کیے جائیں تاکہ پڑھی لکھی دنیا اپنے سابقین الاولین سے روشناس ہو کہ ان کا اسلام کیا تھا اور اب ہمارا اسلام کیا ہے؟ [1]

ماہنامہ سلسبیل کی فائیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ تصوف کا قیام اور سلسبیل کا اجراء اکتوبر ۱۹۶۲ء میں عمل میں آیا۔ ابتداً مجلّہ سہ ماہی رکھا گیا اور اس کے پانچ شمارے سہ ماہی شائع ہوئے۔ جولائی ۱۹۶۴ء میں اسے ماہنامہ کر دیا گیا۔ مجلس ادارت میں تبدیلی عمل میں لائی گئی۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد رحمتہ اللہ علیہ کو مدیر اعلیٰ' حضرت صوفی محمد اقبال صاحب کو مدیر اور ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم کو مدیر انتظامیہ بنایا گیا۔ مجلس ادارت میں چوہدری محمد افضل خان صاحب' چوہدری محمد صدیق صاحب' شیخ محمد امین صاحب مرحوم اور ایم آر شاہد شامل کیے گئے۔ اس کا دفتر بھی نظام بلڈنگ موہنی روڈ سے اردو بازار منتقل کر دیا گیا اور صوفی محمد اقبال مرحوم کل وقتی دفتر میں کام کرنے پر معمور کیے گئے۔ بعض وجوہات کی بنا پر یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور صوفی محمد اقبال صاحب غالباً ۱۹۶۵ء کے اوائل میں رسالہ سے الگ ہو گئے اور رسالہ کا دفتر دوبارہ نظام بلڈنگ موہنی روڈ منتقل ہو گیا جس کے نتیجے میں رسالہ کی ساری ذمہ داری حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب نے سنبھال لی۔ آپ حضرت قبلہ و کعبہ مرشدنا حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کے عاشق صادق تھے اور اپنے مرشد کی خوشنودی کو ہر حال مقدم رکھتے تھے۔ انہیں جناب محمد صدیق الماس رقم مرحوم کے خاندان کا تعاون حاصل تھا۔ تقریباً ۳۳ سال یہ رسالہ ان کی ادارت میں باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ ان کے وصال کو تین چار سال ہو گئے ہیں تاہم یہ ماہنامہ اب بھی اپنی ابتدائی آب و تاب کے ساتھ نہ سہی پھر بھی باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور اب اس کی طبعی عمر کو اٹھتیس سال مکمل ہونے کو ہیں۔ مادیت کے اس دور میں کسی دینی رسالے کا اتنا طویل سفر بذات خود ایک حیرت انگیز بات ہے کیونکہ دین سے محبت رکھنے والے اور دین کا مطالعہ کرنے والے اس گئے گزرے زمانے میں بہت کم لوگ ہیں۔

۱۔ سلسبیل اکتوبر ۱۹۶۲ء ص۱۔ ۷

قبلہ عالم محبوب الٰہی مرشدنا حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ نے جن اعلیٰ مقاصد کے لیے اس رسالہ کے اجراء کا اہتمام فرمایا ان کا ذکر کرتے ہوئے ماہنامہ سلسبیل کے مدیر کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"فطری میلان رکھنے والے پیاسے آب حیات کے لیے جنگل بیلے اور رات کی تاریکی جھیلتے ہیں لیکن وہ بہت کم۔ اس لیے ضرورت ہے کہ موجودہ وقت میں آب حیات کے چند قطرے ہی کیوں نہ ہوں کسی کے لب خشک تک پہنچائے جائیں۔ دینی رسالے بہت ہیں اور لکھنے والے بھی بہت ہیں اور پڑھنے اور سمجھنے والے کم۔ لیکن جس ذوق توحید کو پیدا کرنے کے لیے ہم رسالہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے لکھنے والے کم اور پڑھنے والے بھی بہت کم۔ اس لیے جس اخلاص سے یہ کام شروع کیا جا رہا ہے خدا کرے یہ اخلاص جب تک رسالہ جاری ہے ہم میں قائم رہے اور کوئی دنیاوی لالچ یا کوئی تعصب مجازی آڑے نہ آئے' یہ دونوں چیزیں ہمارے رسالے کے مفاد کے خلاف ہیں۔ ہمارا مقصد نہایت اعلیٰ و ارفع ہے اس لیے ہمیں بلند اور اعلیٰ طریقہ پر نہایت وسیع النظری سے چلنا چاہئے اور وہ کچھ پیش کرنا چاہئے جو محبت اور اخلاص سے بھرپور ہو۔ رسمی تصوف اور فقر قید ہو چکا ہے۔ ہمیں وہ فقر پسند ہے جو کتاب و سنت کے اندر انوار الٰہیہ کے ساتھ چمکتا ہو اور جس کے دیکھنے سے دل کو سکون اور خلق اللہ کے ساتھ محبت پیدا ہو اور نفرت و اختلاف دور ہو۔ ہماری صراط مستقیم ایک ہے اور وہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۳ : ۵۱) قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (۶ : ۱۶۲' ۱۶۳)

ترجمہ:۔ بیشک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ کہہ دو کہ میری عبادت' میرا جینا اور مرنا سب خدائے رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔" [1]

۱۔ سلسبیل اکتوبر ۱۹۶۲ء ص۔ ۸' ۹

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ رسالہ اپنے بانی کے ارفع و اعلیٰ مقاصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب رہا تو جیسے دیگر دینی اصلاحی تحریکوں کے تاریخی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر سوفیصد کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی ہیں لیکن ان تحریکوں کے ذیلی اثرات اور دوررس نتائج بہت حوصلہ افزاء رہے ہیں۔ ماہنامہ سلسبیل کا ابتدائی سالوں میں جو معیار رہا اس کے نتیجے میں بہت جلد اس رسالے نے دینی رسالوں میں اپنا ایک مقام حاصل کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محکمہ پنجاب نے اپنے آئمہ مساجد' لائبریوں اور مکتبوں کے لیے اسے منظور کر لیا اور اس طرح دو ہزار کاپیاں ہر ماہ خریدنے کا بندوبست ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ کافی سالوں تک چلتا رہا جس سے اس کی اشاعت میں کافی مدد ملی۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی اشاعت و طباعت پر کڑی نظر رکھی۔ مجلس ادارت کو مفید ہدایات اور مشوروں سے نوازتے رہے۔ اس بات کا آپ کو ہمیشہ خیال رہا کہ آپ کی تمام تحریریں ایک ایک کر کے شائع ہونی چاہئیں تاکہ اس کے اجراء کا اصل مقصد پورا ہو۔

ادارہ تصوف کے زیراہتمام جو دوسرا کام سرانجام پایا وہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے دیگر مقالات تھے جنہیں وقتاً فوقتاً کتابی صورتوں میں شائع کیا گیا ان میں بعض مختصر پمفلٹ کی صورت میں ہیں اور بعض کتابی صورت میں شائع کی گئیں۔ اس سلسلے میں "انقلاب الحقیقت" کی دوبارہ اشاعت کے علاوہ جو کتابیں ادارہ تصوف نے شائع کیں ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) قرآنی نظریہ حیات (۲) الھویٰ (۳) صراط مستقیم (۴) سلوک اور مقصد سلوک (۵) طریقت کی حقیقت قرآنی الفاظ میں وغیرہ۔

اگلے صفحات میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی تمام تصانیف پر ایک مختصر ریویو پیش کیا گیا ہے۔

تصوف اسلام کی علمی خدمات

تصوف کسی علم کا نام نہیں بلکہ یہ سراسر حال ہے۔ اور حال حال سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ علم سے' حال پیدا کرنے کے لیے صاحب حال کی ضرورت ہے۔ علم کی انتہائی منازل بھی وہ حال پیدا نہیں کر سکتیں جو ایک صاحب حال کی نگاہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرفان الٰہی کی

کیفیات اور معارف بجائے علمی صورت کے سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچیں۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ علمی دنیا نے طریقت کو اپنے سے الگ سمجھنا شروع کیا تو اس بات کی ضرورت پیدا ہوئی کہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں صوفیائے کرام نے تصوف کی کیفیات اور معارف کو الفاظ کا جامہ پہنایا تاکہ ایک طرف تو اپنے مشرب کا دفاع ہو اور دوسری طرف علمی دنیا تحریرات سے مستفیض ہو۔ لیکن اس صفت کے چند ایک بزرگ ایسے ہوئے جنہوں نے اس سلسلہ میں اپنے مشاہدات اور واردات قلبی کا اظہار تحریرات کی صورت میں کیا۔ بعض حضرات بالعموم اپنے حال میں اتنے مست اور متوجہ الی اللہ ہوئے ہیں کہ اس علمی شغف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ البتہ جو حضرات ان کیفیات کے ساتھ ساتھ اس طرف متوجہ ہوئے ان کا مقام بہت بلند ہے۔ صوفیاء سلف کو چھوڑ کر حضرت مجدد الف ثانی کو ہی لیجئے۔ انہوں نے اپنے مکتوبات شریف میں معرفت الٰہیہ کے جو اسرار و رموز کھولے ان سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے بعد صاحب حال لوگ تو بہت ہوئے جو اپنے حال سے دنیا میں حال پیدا کرتے رہے اور طریقت کے سلاسل میں جان پڑتی رہی۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جو تقاضائے وقت کے ساتھ ساتھ تصوف پر کوئی ایسی کتاب پیش کرتے جو فی زمانہ حال و قال کی جنگ کو صلح کل کا پیغام دیتی۔ پھر اسی نقشبندی شجرے سے ایک شاخ ثمربار پھوٹی جس نے حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ کی صورت میں اپنے حال کے لحاظ سے سرزمین پنجاب میں غلغلہ پیدا کر دیا اور اپنے جلال و جمال کے حسین امتزاج سے کروڑوں کی دنیا بدل ڈالی۔ پھر حضرت میاں صاحب کی نظر انتخاب میں ایک ایسا پھول (حضرت قبلہ صاحبزادہ محمد عمر صاحبؒ) آیا جو صاحب حال ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کی ضرورت کے مطابق تصوف اسلام کا ترجمان بھی تھا۔ راقم الحروف بیربل شریف میں حضور قبلہ مرشدم حضرت صاحبزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ تو اس وقت اسی موضوع پر بحث کے دوران آپ نے فرمایا کہ "حضرت میاں صاحب (شرقپوری) کے خلفاء میں ہر ایک یگانہ صفات کے مالک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی یہ صفت یگانہ عطا فرمائی۔"

چنانچہ آپ نے تصوف اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات اپنے مقالات میں پیش

کئے اور معارف الٰہیہ کو جس حسن و خوبی سے اپنی تحریرات میں بیان کیا ہے اس پر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مکتوبات امام ربانیؒ کے بعد تصوف اسلام میں آپ کی تحریرات کا دوسرا نمبر ہے۔ زیر نظر مضمون میں راقم الحروف نے آپؒ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریرات کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ امید ہے قارئین دلچسپی سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

ا۔ انقلاب الحقیقت

جس زمانے میں صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری مرحوم حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ کی سوانح حیات "خزینہ معرفت" لکھ رہے تھے' اس وقت انہوں نے حضور قبلہ اقدس کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ بھی کچھ حالات لکھ کر ارسال فرمائیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"بندہ کچھ دن تو متردد رہا۔ آخر چار و ناچار ایک دن قلم لے کر مختصر یادداشت (نوٹ) لکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن جوں جوں قلم کی نوک مڑتی میرے دل اور دماغ کے پردے کھلتے جاتے تھے۔ صفحوں کے صفحے لکھے گئے لیکن تمہید ختم نہ ہوئی۔ اب حیران تھا کہ کیا کروں۔ نہ اختصار سے کام چلتا ہے اور نہ تفصیل سے۔ اختصار کرتا ہوں تو سمندر کوزے میں سما نہیں سکتا' تفصیل سے لکھتاہوں تو ایک الگ ضخیم کتاب تیار ہو رہی ہے۔ لیکن میں اسی شش و پنج میں لکھتا گیا تاآنکہ حصہ اول (تربیت) سے پار نکل گیا۔"[1]

زیر نظر تحریر سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ انقلاب الحقیقت حادثاتی صورت میں لکھی گئی۔ یعنی نہ تو پہلے فاضل مصنف کا خیال تھا کہ کوئی ایسی کتاب لکھوں اور نہ ہی اس ارادے سے اس کے لکھنے کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے دیباچہ کے شروع میں آپؒ لکھتے ہیں۔

"یہ میری کتاب انقلاب الحقیقت نہ تو سوانحات کے زمرے میں شامل ہونے کے لائق ہے نہ تذکروں میں اور نہ ہی تصوف کی کوئی مستقل کتاب بلکہ ایک معجون مرکب ہے۔"[2]

ا۔ انقلاب الحقیقت۔ ص۔ ۲' ۳

۲۔ انقلاب الحقیقت ص۔ ۲

ظاہر ہے ایسی معجون مرکب کئی امراض کا مداوا ہو سکتی ہے جس کے نسخہ کو ایک روحانی حکیم نے مرتب فرمایا ہو۔ حقیقت میں انقلاب الحقیقت کی مقبولیت کی وجہ ہی اس کی جامعیت ہے۔ جہاں حضرت قبلہ و کعبہ شیر محمد شرقپوریؒ کے طریقہ تربیت، معمولات اور حالات موجود ہیں وہاں مسائل تصوف پر بھی سیر حاصل بحث موجود ہے اور اس پر طرہ یہ کہ فاضل مصنف کے اپنے حالات زندگی بھی موجود ہیں۔ انقلاب الحقیقت پہلی مرتبہ تقسیم ہند سے پہلے ۱۳۴۹ھ میں امرتسر میں شائع ہوئی۔ اس وقت اس کا پہلا حصہ ۲۰۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"انقلاب الحقیقت کے طبع اول کے وقت فقر غالب تھا فقر نے ہی جو کچھ لکھوایا لکھوایا۔ میں خود نہ تھا اور ظاہری حال بھی فقر سے پر تھا یعنی تنگ دستی اور تہی دستی، ہر طرف قرض ہی قرض تھا لہٰذا اپنی اہلیہ کے زیور بیچ کر طبع کرائی گئی۔"[1]

پہلا حصہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے جس میں حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ کے معمولات اور طریقہ تربیت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو تربیت عملی و روحانی، ذہنی و کتابی، جلالی و جمالی اور ذاتی صفاتی کے عنوانات پر مشتمل ہے۔ آپ کی تحریر کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ ہر بات کو واقعاتی اور مشاہداتی مطابقت سے مترشح فرمایا ہے اور ہر باب تصوف کی معلومات کا خزانہ ہے۔

دوسرا حصہ نتائج پر مشتمل ہے لیکن اس کے ساتھ تین اور چھوٹے چھوٹے عنوان خلافت منصب ولایت اور سجادہ نشینی بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر دل محمد قریشی صاحب انقلاب الحقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "کہ یہ حصہ نتائج حصہ اول کے تقریباً چھ سال بعد طبع ہوا۔ حصہ دوم کو حصہ اول سے وہی تعلق ہی جو پھل کو درخت سے۔ فاضل مصنف نے اپنے مشاہدات راہ سلوک کو عام فہم انداز میں تحریر فرمایا ہے اور تصوف کے رازہائے سربستہ اسی حصہ میں کھولے گئے ہیں اور ایک سالک کے لیے اس میں بیش بہا اشارے موجود ہیں۔ یہ حصہ حقائق اور معارف کا ایک گلدستہ اور

۱۔ انقلاب الحقیقت ص۔ ۱۴

علم تصوف کا ایک جامع ذخیرہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس حصہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر لفظ سوز و گداز سے بھرپور ہے اور ساری کتاب میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مبتدی اور منتہی کے لیے یکساں مفید ہے۔ جہاں یہ ایک صوفی کے لیے رہنمائی کا کام دیتی ہے وہاں ایک فلسفی طبیعت کے لئے دلیل مبین بھی ہے۔" [1]

انقلاب الحقیقت کا دوسرا ایڈیشن حضورؒ کے وصال کے بعد ادارہ تصوف لاہور نے شائع کیا۔ اگرچہ ایڈیشن کی کتابت آپ کی زندگی میں ہو چکی تھی لیکن طباعت کے اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے حضور قبلہ اقدس اس دیدہ زیب ایڈیشن کو دیکھ نہ سکے۔ ادارہ تصوف کے لیے یہ حسرت ہمیشہ رہے گی۔ اس ایڈیشن میں دونوں حصوں کو یکجا کر کے تصوف کی اصطلاحات کی تشریح حاشیہ پر کر دی گئی ہے۔ اس کے کل صفحات ۲۷۲ ہیں۔

۲۔ زنبیل عمر

اس کا صرف ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ کتاب کے دیباچہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختلف قسم کے بکھرے ہوئے پھول ہیں جن کو مولوی غلام سرور صاحب (چک رامداس والے) کے ایما پر حضرت قبلہ اقدسؒ نے جمع کر کے گلدستہ بنایا۔ اس میں بعض مضامین طویل ہیں جن میں سے اکثر سلسبیل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اگر ساری کتاب کا بغور مطالعہ کیاجائے تو ہر مضمون کی نوعیت الگ ہے۔ غالباً اسی لیے اس کا نام زنبیل عمر رکھا گیا ہے۔ بعض مضامین میں مزاح اور تنقید کا ایسا حسین امتزاج ہے کہ پڑھنے والا ختم کیے بغیر چھوڑتا ہی نہیں اور اس پر طرہ یہ کہ وقت کے تقاضے کے مطابق معاشرہ کا ایک نقشہ کھینچا ہے کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ جو کچھ میں پڑھ رہا ہوں یہ سب کچھ میرے سامنے ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ لطیف مزاح' الفاظ اور ترکیبات کی برجستگی نے عجیب سماں پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں عنوان ''فقر و فقیری'' کی مثال

۱۔ سلسبیل۔ اگست ۱۹۶۴ء ص۔ ۵۷

پیش کی جا سکتی ہے۔ اس مضمون میں موجودہ دور کی فقر و فقیری اور سجادہ نشینی کا نہایت قریب سے جائزہ لیا گیا ہے اور تصوف اسلام کو بدنام کرنے والے پیروں کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح اپنے آباؤ اجداد کے نام پر روٹی کھا رہے ہیں۔ بعض مضامین میں علمی دنیا کے متنازعہ فیہ مسائل کے جواب دیے گئے ہیں۔ بعض مضامین میں مغربی تہذیب کے معاشرہ پر پڑتے ہوئے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ بعض ایسے منفرد عنوانات لیے گئے ہیں جو بظاہر آسان ہیں لیکن ان پر چند الفاظ کہنا مشکل۔ مثلاً عقل' عبرت اور حسن وغیرہ کی تشریح جس انداز سے کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بعض ایسے عجیب عنوانات لیے گئے ہیں جن کا نام پڑھنے سے مضمون پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً عید کی باسی کھیر' عرشوں لتھیاں چار کتاباں' مولویت فرنگی لباس میں وغیرہ۔ بعض عنوانات ضرب المثل ہیں لیکن ان کی تشریح کا انداز اچھوتا ہے جس سے قاری محظوظ ہوتا چلا جاتا ہے۔

۳۔ طریقت کی حقیقت

کل صفحات ۱۵۶ ہیں۔ یہ ادارہ تصوف کے قیام کے ساتھ ہی شائع ہوئی۔ اس میں سورہ کہف کے آٹھویں اور نویں رکوع کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس حصہ میں سور کہف کی پہلے اور آخری حصہ سے حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت آیات کی تفسیری وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے متعلق دیباچہ میں حضور" فرماتے ہیں۔

"امید ہے آپ فرقہ اور مسلک سے بلند ہو کر اس حصہ کے اوراق کا مطالعہ کریں گے اور بعض امور کو نیا پائیں گے جو پہلے مفسرین کی توضیحات میں نہیں مل سکتے۔ ہاں بعض آخری دور کے مفسرین مثلاً مولانا آزاد وغیرہ کے تفسیری نوٹوں میں بعض اشارات پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تسلسل جو ہماری تفسیری وضاحت میں آپ پائیں گے کہیں اور نہیں پائیں گے' تفسیر قدیم ہو یا جدید۔"

بات دراصل یہ ہے کہ اہل تصوف جو قرآن حکیم کی صحیح تفسیر تصوف کے آئینے میں کر سکتے ہیں وہ تو اس علمی شغف میں توجہ نہیں دیتے اور ہر وقت اپنے حال میں مست' برعکس اس کے

علمائے کرام ایسے مقامات تصوف اور معرفت کے اسرار و رموز بیان کرنے سے قاصر رہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ' اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ یہ سب شواہد تصوف میں سے ہیں۔ لیکن مفسرین نے ان واقعات سے کوئی نتائج واضح نہیں کیے۔ فاضل مصنف نے ایک نبی اور غیر نبی کے تشریعی اور تکوینی علم کی وضاحت فرمائی ہے۔ یعنی اس حصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریعی اور حضرت خضر علیہ السلام کے تکوینی علم کی وضاحت کی گئی ہے کہ خضرؑ غیر نبی ہونے کے باوجود علم لدنی سے واقف تھے جس کو سیکھنے کے لیے ایک مقرب نبی کو بھی ضرورت پڑی اور یہی وہ علم طریقت ہے۔ لیکن نبی کا اپنا مقام الگ ہے اور اس طرح دوسرے واقعات (اصحاب کہف و ذوالقرنین) کو بھی اسی نہج پر دیکھا گیا ہے۔ آخر میں تصوف کے بارے میں چند ہدایات اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ اور کچھ ذکر کے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

۴۔ قرآنی نظریہ حیات

کل صفحات ۵۶ ہیں۔ ادارہ تصوف کے ابتدائی زمانہ میں طبع ہوئی۔ دراصل یہ کتابچہ دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ پہلے مقالہ میں تصوف اسلام کے متعلق شکوک و شبہات دور کیے گئے ہیں۔ قرآنی آیات پیش کر کے دنیا کی بے ثباتی اور اخروی زندگی کا تصور جو قرآن پیش کرتا ہے اس کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ تصوف پر کیے گے اعتراضات کے جوابات پیش کیے ہیں اور خصوصاً اہل علم کا یہ تصور کہ 'تصوف کوئی الگ چیز ہے' کے لیے علماء اور صوفیا سلف کی مثالیں پیش کی گئی ہیں کہ وہ بیک وقت علم اور تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے اور اسی طرح صوفیاء تقویٰ کے ساتھ ساتھ علم سے بے بہرہ نہیں تھے۔ تصوف کا مقام اور اس کی عظمت اس طرح پیش کی گئی ہے کہ تصوف ہی اصل قرآنی حقیقتوں پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہی ایک ایسا راستہ ہے جس سے دنیا اور آخرت کی زندگی میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے حصے میں خانقاہی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مدرسہ و خانقاہ کا موازنہ قرآنی استدلال اور اولیاء کرام کی عملی زندگی سے کیا گیا ہے۔ حال و قال کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

"حال کا منبع خانقاہ اور قال کا معدن مدرسہ ہے۔ گویا یہ دونوں چیزیں باہم مربوط ہیں لیکن موجودہ وقت میں ان کو الگ سمجھا گیا ہے۔" اس کے جواب میں فاضل مصنف نے نہایت محققانہ انداز میں بحث کی ہے اور فرماتے ہیں کہ خانقاہ کے بنیادی اصول ہی حال پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ اور عقاید قرآنی کو حال میں ڈھالنے کا نام تصوف اور فقر ہے۔ پھر تصوف کے مدارج پر بحث کی ہے اور ہر ایک اصطلاح مثلاً صوفی، سالک، غوث، قطب کی تشریح بہت عمدہ ہے اور اس کے لیے بھی قرآنی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

۵۔ سلوک اور مقصد سلوک

سلطان احمد صاحب بی اے جو پہلے ملٹری اکاؤنٹ میں ملازم تھے پھر ڈنگہ ضلع گجرات کے ایک بزرگ سے بیعت کی۔ بعدازاں وہ خلاف شرع عادات پر اتر آئے اور ملازمت چھوڑ دی۔ حضرت قبلہ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور خط و کتابت بھی رہی جس کے جواب میں حضور قبلہ اقدس نے اس کی طرف گرامی نامے لکھے۔ چونکہ ان خطوط میں سلوک اور اس کی غرض و غایت بیان کی گئی تھی اور خصوصاً فرقہ ملامتیہ کی تشریح نہایت عمدہ ہے کیونکہ مکتوب الیہ پر یہی کیفیت غالب تھی اس لیے احباب ادارہ تصوف نے عام لوگوں کے فائدہ کے لیے اس کی بھی طباعت کروائی۔ ان میں سے بعض مکتوب لمبے اور بعض چھوٹے ہیں جن کی کل تعداد سات اور صفحات ۲۷ ہیں۔ یہ کتاب چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ چلی گئی۔ اب "زاویہ" والوں نے اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

۶۔ صراط مستقیم

۶۳ء میں شائع ہوئی، کتابی سائز میں ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک طویل خط پر مشتمل ہے جو چوہدری نورعالم صاحب ضلع گجرات کے نام لکھا گیا۔ اس میں زیادہ تر ترتیل قرآن اور تدبر قرآن پر اظہار خیال فرمایا گیا ہے اور ساتھ ساتھ عرفان کے مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف علوم شرعیہ پر ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ اس میں معرفت الٰہیہ کے

مسائل کو بھی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ الھویٰ

یہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ ہے جس میں الھویٰ یعنی خواہش پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ایک طبقہ کا جو خیال ہے کہ خواہش سے زندگی ہے اور خواہشات پر ہی کارخانہ حیات کا مدار ہے۔ برعکس اس کے صوفیاء کا خیال ہے کہ خواہش کے ختم کرنے سے اصل مقصد پورا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اٹھارہ سے زائد قرآنی آیات نہایت محققانہ انداز میں جمع فرما کر ان کی تشریح بیان کی ہے کہ قرآن حکیم خواہش کے ختم کرنے پر کتنا زور دیتا ہے۔ پھر آخر میں تقاضائے فطرت یعنی کھانا پینا اور دوسرے ضروری لوازمات کا موازنہ خواہش سے کیا ہے کہ "جب لوازمات زندگی میں کیسی ہو، کتنی ہو، اور کس طرح ہو" کا احساس پیدا ہوتا ہے تو یہ خواہش بن جاتی ہے۔

۸۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰؒ

حضور قبلہ عالم نے اپنے جد امجد حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کی کئی اقساط ماہنامہ سلسبیل میں شائع ہوئیں۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ انکو کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ آپ کی زندگی میں تو اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی البتہ آپ کے وصال کے بعد راقم الحروف کے ایماء پر جناب قاضی محمد رضا صاحب رحمتہ اللہ علیہ (نلی شریف) نے اس کی طباعت کا ذمہ لیا جس کی ترتیب و تدوین کی سعادت اس ناچیز کو حاصل ہوئی۔ ۱۱۶ صفحات پر مشتمل یہ سوانح حیات قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دارالعلوم عطائیہ نلی ضلع خوشاب کی طرف سے ۱۹۸۷ء میں شائع کی۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے جس میں حضرت اعلیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی، اوصاف، معمولات، تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں، مساجد کے ساتھ انس، خلق اللہ کے ساتھ برتاؤ اور خلفاء و خدام کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے۔

۹۔ تقاریظ

تصنیف و تالیف کے میدان میں کتاب کے دیباچے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عرض حال' پیش لفظ' دیباچہ یا مقدمہ یا تقریظ جسے مختلف ناموں سے کسی صاحب فن سے رجوع کر کے لکھوایا جاتا ہے۔ جس سے کتاب کی افادیت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے فن تصوف کی تین کتابوں کے مقدمے تحریر کیے۔ ان میں ایک حضرت شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی پہلی سوانح حیات ''خزینہ معرفت'' ہے اور دوسری حضرت محبوب عالم صاحب سیدا شریف کی سوانح حیات ''ذکر محبوب'' شامل ہے۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب کی سیرت کی کتاب ''انوارالہدیٰ'' کا مقدمہ بھی آپؒ نے تحریر فرمایا تھا۔ اپنی دیگر تحریروں کی طرح ان میں بھی آپؒ نے مسائل تصوف کی توضیح و تشریح کو موضوع بنایا ہے۔

۱۰۔ نایاب کتاب

حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ ایک اور کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے بعد آپؒ نے اپنے مخصوص انداز میں شیعہ پر محققانہ کتاب لکھی۔ جس میں مناظرانہ خشونت اور مولویانہ تشدد کی بجائے علمی رنگ میں ان کی تردید کی ہے۔ آپ کا اندازبیاں بھی ایسا تھا کہ باوجود کامل تحقیق کوئی دل آزارانہ فقرہ تحریر نہیں فرمایا۔ حکمت الٰہی کہ ایسی مفید کتاب کی طباعت کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں ہوا۔''

مذکورہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری اور نہ ہی اس کا حلقہ احباب میں ذکر سنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان ایام میں لکھی گئی جس وقت اس علاقے میں شیعت زور پکڑ رہی تھی۔ البتہ اس کی تائید ''خزینہ معرفت'' کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

''چھ ماہ کے بعد جب مسودہ اٹھانے کی فرصت ہوئی تو شیعت کی عالمگیر وباء نے ضلع بھر بلکہ پنجاب بھر میں سر اٹھایا' طبیعت نے غیرت کھائی چنانچہ کئی سو صفحات اس بارے لکھنے پڑے۔''[1]

۱۔ خزینہ معرفت' ص ۵

۱۲۔ مکتوبات

تصوف کے ادب میں بزرگان دین کے مکتوبات کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ کسی بزرگ کی سوانح حیات اٹھا کر دیکھ لیجئے اس کا ایک آدھ باب مکتوبات پر مشتمل ہو گا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات کی اشاعت کے بعد مکتوبات نے تصوف کے ادب میں ایک باقاعدہ صنف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ہمارے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے سینکڑوں مکتوبات اپنے دوستوں اور متوسلین کو لکھے جن کو یکجا کرنے کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ دیگر تحریروں کو جمع کرنے کی افادیت ہے۔ اس سلسلے میں کافی وقت بیت چکا ہے اور بہت سے انمول موتی ضائع ہو چکے ہیں۔ اس افادیت کے پیش نظر چند سال پہلے حضرت صاحبزادہ مطلوب الرسول سجادہ نشین آستانہ عالیہ لِلّٰہ شریف نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ "گوہر عمر" کے نام سے شائع کیا جسے جناب ارشاد احمد ہاشمی مرحوم نے ترتیب دیا۔ یہ مجموعہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں چھوٹے بڑے ۶۷ مکتوبات شامل ہیں۔

* * * * * *

باب ٦

نگارشات کا ادبی مقام

حضرت قبلہ عالم مرشدنا و مولانا صاحبزادہ محمد عمر صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے عہد کے ایک صاحب طرز ادیب اور منفرد نثرنگار تھے۔ ہر ادیب کے طرز تحریر میں کوئی ایسا وصف ہوتا ہے جو اسے دوسرے ادیبوں سے منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ تحریر کے مختلف زاویے جیسے ادب' تحقیق' روایت' منظرنگاری اور پلاٹ وغیرہ اس کی انفرادیت کی پہچان بنتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی تحریروں میں ادب اور تحقیق کا ایک حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ الفاظ کے موزوں انتخاب کے ساتھ عبارت کی شستگی اور برجستگی بڑی موزوں ہوتی ہے۔ البتہ کہیں کہیں سلاست اور روانی میں کمی کا احساس ہوتا ہے لیکن معنویت کی گہرائی' الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی اثرانگیزی اس کمی کو محسوس نہیں ہونے دیتی۔ ہر صاحب فکر ادیب کا وقت کی نبض پر ہاتھ ہوتا ہے اور وہ اپنے معاشرتی مطالعے اور گہرے مشاہدے کی روشنی میں لکھتے وقت اپنے پورے ماحول کو اپنے ساتھ ساتھ لیے چلتا ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی تحریروں میں یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ جس فرد یا چیز کا ذکر فرماتے ہیں اس کے تمام پہلوؤں کو مختصر جملوں میں اس طرح سمیٹتے چلے جاتے ہیں جیسے آپ" یہ بات کسی مجلس میں بیان کر رہے ہیں۔ فکر و نظر کی وسعت اور حقائق کی ترجمانی آپ" کی تحریروں کا خصوصی وصف ہے اور لطف یہ ہے کہ آپ" دقیق سے دقیق مسائل کو نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں حل فرما دیتے ہیں۔

جن لوگوں نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی مجالس میں بیٹھ کر گفتگو سنی ہے وہ آپ کی ان تحریروں کو آپ" کی مجلس کا قائم مقام پائیں گے۔ حیرت یہ ہے کہ تحریر میں مجلس کی چاشنی موجود ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو اس رمز کا گہرا احساس تھا اور ہمیشہ یہ خواہش بھی رہی کہ لوگ آپ" کی تحریریں غور سے پڑھیں اور سمجھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"کہ لوگ تیرتی نگاہ سے اخبارات کی طرح فن کی کتابیں پڑھتے ہیں' صاحب فن بھی اس

طرح پورے معنی اخذ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ طالب فن۔ میری تحریریں باربار پڑھیں' تحریریں خود آپ سے ہم کلام ہوں گی اور اپنا مفہوم خود پیش کریں گی۔"

۱۔ میری تحریریں (اپنا نقطہ نظر)

اپنی نگارشات کے بارے میں حضور قبلہ عالمؒ نے ایک الگ مضمون میں اپنا نقطہ نظر بالوضاحت پیش کیا ہے۔ یہ مضمون جولائی ۱۹۷۰ء کے سلسبیل کے شمارے میں "میری تحریریں" کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں اپنی تحریروں پر تبصرہ کرنے کے ساتھ حضرت صاجزادہ محبوب الرسول رحمتہ اللہ علیہ کی ایک تقریظ شامل کی گئی ہے جسے بلا تبصرہ شامل کیا جاتا ہے:۔

"عنوان بالا پر کچھ لکھنے کا ارادہ تھا کیونکہ جب تک میری تحریرات کا پس منظر سامنے نہ ہو میری تحریرات کے اصل نقطہ نظر پر سوچنا مشکل ہو جاتا ہے' خصوصاً جبکہ ناظرین کی توجہ بھی کم ہو۔ حلقہ صوفیت کو فطرتاً" گونگا بہرا ہونا چاہئے کیونکہ چشم بندی و لب بندی کے بغیر جادہ سلوک طے نہیں ہوتا۔ یہ آسمانی جلوے اندھیرے گھپ میں اپنے چہرہائے درخشانی دکھانے کے عادی چلے آتے ہیں۔ لیکن موجودہ وقت میں صوفیت ختم ہو رہی ہے اور نشان منزل گم ہو رہے ہیں اور علمی دور کی چستی و چالاکی متواتر حملہ آور ہو رہی ہے۔ مٹتے نقوش کے مٹانے کی پوری فکر ملت و قوم پر غالب ہے۔ تو ایسے حال میں جب کوئی پرانے نقوش کو ابھارنے کی کوشش بھی کرے تو کہاں تک کامیاب ہو سکتا ہے' خصوصاً ایسے وقت جبکہ خود اہل تصوف اپنی روایات اور اپنے حالات سے بے خبر ہو چکے ہوں اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے ناواقف اور نابلد ہوں۔

تقریباً ایک صدی سے تصوف بالکلیہ خاموش ہو چکا ہے اور علمی میدان میں کوئی شاہکار پیش نہیں ہو سکا۔ گو صوفیت خود بعض مقامات پر اپنی نیم جانی کے ساتھ زندہ ہے لیکن اتنی جان نہیں کہ اپنی زندگی سے دنیا کو زندہ کر سکے۔ ایسے حال میں میری مدھم آواز کہاں تک اپنی بے کس حقیقت سے تصوف کی حقیقت کی طرف توجہ دلانے میں کامیاب ہو سکتی ہے اور اپنی آواز پر کسی کو راغب کر سکتی ہے۔

جب کبھی سوز اندرونی نے مجبور کیا' چند اوراق قلم سے نکل گئے۔ پھر کسی طاق میں پڑے

پڑے سیاہ ہو کر خاکستر میں مل گئے۔ گاہے کوئی مل گیا تو اس کے سامنے کر دیے گئے لیکن ظاہری نظر سے ورق الٹتے گئے اور میں چہرے پر نظر رکھے دیکھتا رہا کہ کہاں تک میری تحریر کی حقیقت تک پہنچے۔ لیکن ہر چہرے نے یہی ظاہر کیا کہ اس نے حقیقت نہیں پائی کیونکہ جب کوئی کسی اجنبے کو دیکھ پاتا ہے تو مسرت سے اس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور پیشانی کھل جاتی ہے۔ تاہم بعض ادیبوں کو میری تحریرات پڑھنے کا موقع ملا اور وہ اس حقیقت پر پہنچے جس حقیقت کے انکشاف کے لیے وہ تحریر لکھی گئی تھی تو بے ساختہ ان کے قلم سے وہ کچھ نکل گیا جس کے نکلنے کی توقعات میری تحریر لیے بیٹھی تھی۔

آج کی صحبت میں ایک ایسی ہی تحریر حضرت قبلہ جناب صاحبزادہ محبوب الرسول للّٰہی" کی پیش کی جاتی ہے جو علمی ذوق کے ساتھ طبع سلیم اور معلومات وسیع رکھتے ہیں اور ہر مکتب فکر کے کتب کے مطالعہ سے ان کا علمی استفادہ لبریز ہے اور تصوف خاندانی ورثہ ہونے کے علاوہ خود جادہ سلوک کے رہنما ہیں اور ایک خلق اللہ کے پیشوا۔

میری تحریرات سے آپ کو بڑا شغف ہے اور ہر تحریر کو کئی بار پڑھتے ہیں اور بار بار نیا لطف اٹھاتے ہیں۔ غرض ان کا تاثر آپ کے سامنے ہے اور آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ کس انداز فکر سے وہ میری تحریرات کا مطالعہ فرماتے ہیں۔ اس تاثر کے پیش کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ ناظرین کرام غور سے میری تحریریں پڑھا کریں اور اس نقطہ نظر پر پہنچنے کے لیے دماغ کو لڑائیں جس کے لیے وہ تحریر وجود میں آئی۔ انشاء اللہ گاہ گاہ میں بھی ان کی چہرہ کشائی اور ان کے بے نقاب کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ عرض کرتا رہوں گا۔

متن تقریظ حضرت قبلہ صاحبزادہ صاحب بہ پیرایہ مکتوب شریف۔

پیمان	وفا	بہ	یار	بستم
غافل	ز	مآل	عشق	خوباں
عیسم	مکن	ارچہ	خود	پرستم
چوں	نیست	غیر	خشم	جاناں

ﮯ اے یار رخ ترا پرستم
اما بہ تصورات پنہاں
چوں دست نہ مے دہد وصالت
دست من و دامن خیالت [۱]

حضرت مولیٰ الجلیل الاعز متع اللہ المسلمین بطول حیاتکم السلام علیک و رحمتہ اللہ و برکاتہ' آپ کے تشریف لے جانے کے بعد رسالوں کا مطالعہ کیا ستمبر اور اکتوبر کے رسالے آپ کے مضامین سے لبریز تھے۔ ان کو بنظر غائر پڑھا انا بشر مثلکم کی تفسیر جب خاص انداز میں پڑھی تو کیا عرض کروں کہ کیا کیفیت طاری ہوئی' باربار پڑھتا اور جس انداز اور انوکھے نقطہ خیال سے لکھی گئی وہ دل میں پیوست ہو رہی تھی۔ زبان پر بے ساختہ جاری ہوا۔

ﮯ یارب کجاست محرم راز کہ یک زماں
دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہ شنید [۲]

یہ انداز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص ہے۔ لکھنا تو درکنا ابناء زمانہ اس کے سمجھنے اور اس کی تہ تک پہنچنے سے بھی قاصر ہیں' مگر یہاں طلب عمل و استفادہ ہے دادو تحسین نہیں۔

ﮯ از رو وہم قبول تو فارغ نشستہ ایم
اے آں کہ خوب ما نہ شناسی ززشت ما [۳]

۱۔ میں نے اپنے یار کے ساتھ پیمان وفا باندھ لیا ہے اور یہ کام عشق محبوب کے انجام سے غافل ہو کر کیا ہے۔ میرے عیب نہ نکال اگرچہ میں خود پرست ہوں کیونکہ محبوب کی آنکھوں میں یہ برائی نہیں ہے۔ اے محبوب! میں چھپے ہوئے تصورات میں ترے رخ کی پرستش کرتا ہوں۔ چونکہ آپ مجھے وصل کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن میرا ہاتھ تیرے دامن خیال ہی میں رہتا ہے۔

۲۔ اے میرے رب کہاں ہے وہ محرم راز کہ وہ ایک ہی وقت میں مجھے ایسا انشراح قلب دے کہ دیکھنے اور سننے کی حاجت نہ رہے۔

۳۔ اے میرے وہ محبوب جو میری خوبیوں اور برائیوں کو نہیں پہچانتا ہے۔ میں تری قبولیت کے وہم سے بے کار بیٹھا ہوں۔

بار بار خیال آیا کہ جناب نے مکاتیب' مقالات اور مضامین کی شکل میں اپنے خیالات کے انبار لگا دیے اور جس وادی میں رہوار قلم چلا اپنا جدا راستہ اور جدا اسلوب کے ان مٹ نقوش چھوڑتا گیا۔ مگر کہاں ہیں قدردان جو ان کو محفوظ رکھیں۔ زمانہ کے ناقدر شناس ہاتھوں سے وہ ضائع ہو رہے ہیں اور ہو جائیں گے۔ زباں پر بے ساختہ آ رہا ہے۔

؎ سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ نہ آید [1]

پھر جب آگے بڑھا تو "قصور" کا عنوان اور آپ کا اسم گرامی پڑھا۔ جب وہ مضمون پڑھا تو عرض نہیں کر سکتا کہ کیا کیفیت طاری ہوئی۔ جس خاص ذوق میں لکھا گیا تھا اس خاص ذوق میں کئی بار پڑھا۔ قصور کے نام نے کئی بھولی ہوئی داستانیں سامنے کھول دیں۔ جیسے آپ قصور کا نام ایک کتابچہ پر دیکھ کر وارفتہ ہو گئے اسی طرح اس عاجز پر کیفیت طاری ہوئی۔ طائر تصور نے قصور کی تاریخ کے کئی ورق سامنے الٹ دیئے۔ وہ حال کا قصور اور اب قال کا قصور سبحان اللہ! اس دنیائے نابکار میں کسی چیز کو بقاء نہیں مگر اول ایام کی سُنتہ اللہ ہر جگہ کام کر رہی ہے۔ اس مضمون نے تو مجھے بالکل ہی مخمور کر دیا۔ معلوم نہیں کیسا وقت تھا جس میں یہ لکھا گیا۔ ایک فقرہ بعینہ ایسا آیا جیسے میاں فیض محمد صاحب (للہی) روایت کیا کرتے تھے کہ ایک زمانہ تھا کہ للہ کی ہر مجلس میں قصور شریف کا تذکرہ ہوتا اور اس تذکرہ سے کوئی وقت خالی نہ تھا مگر اب کوئی نام لیوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ذوق کو مع صحت برقرار رکھے تاکہ کچھ اور جواہرات رول سکیں۔

؎ مشاطہ بگو کہ بر اسباب حسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد [2] ۔

اب معلوم نہیں کہ جناب کس قدر اس طرف متوجہ رہ سکتے ہیں اور قدرت کو کیا منظور ہے۔

۱۔ اس فقیر کی وجہ سے ایک زمانے کا راز کھل گیا۔ شاید کوئی دوسرا اس جیسا آئے یا نہ آئے۔

۲۔ سنگار کرنے والے کو کہو کہ وہ یار کے حسن کے لوازمات میں اضافہ کرے تاکہ اس کے اثرات مجھ تک پہنچیں۔

سہ فرصت دیدن گل آہ بسیار کم است
و آرزوئے دل مرغان چمن بسیار است [1]

مجھے تو ان مضامین میں اس قدر حظ آیا اور اس سے افراط و تفریط کے حدود ایسے نمایاں ہوئے جو قید تحریر میں نہیں لا سکتا۔

سہ آں کسے است اہل بصیرت کہ اشارت داند
نکتہ ہا است بسے محرم اسرار کجاست [2]

۳۔ نگارشات کا تنقیدی جائزہ

محدود معنوں میں ادبی جائزہ یا تنقید کا مطلب کسی ادب پارے کی خوبیوں اور کمزوریوں کا مطالعہ ہے۔ وسیع تر معنوں میں تنقیدی اصولوں کی روشنی میں جائزہ لینا شامل ہے۔ تنقید بذات خود ایک فلسفیانہ عمل ہے' اس لیے اس میں فلسفہ کا عمل دخل بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جب ہم کسی صاحب طرز ادیب کے کسی ادب پارے پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسلوب یا طرز مصنف کی شخصیت کا عکس ہے جو الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسلوب مصنف کے ذہن اور جذباتی تجربے کا خارجی روپ ہے جس میں مصنف کے باطن اور نفس کی پوری تصویر نمودار ہو جاتی ہے۔ ادیب کے تجربات الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور یہ جذبات ان تجربات میں یوں جذب ہو کر ظاہر کرتے ہیں جس طرح شراب میں مستی' پھول میں رنگ اور خوشبو۔ ان کا باہمی تعلق وہی ہوتا ہے جو رگ و پوست کو انسان سے ہوتا ہے۔ غرضیکہ اسلوب تحریر کی کسی ایک صفت کا نام نہیں بلکہ درحقیقت وہ مصنف کی پوری ذات کا عکس اور نقش ہوتا ہے۔

۱۔ افسوس کہ پھول دیکھنے کے لئے وقت بہت کم ہے۔ اور مرغان چمن کی آرزوئیں بہت زیادہ ہیں۔

۲۔ اہل بصارت میں وہ شخص کون ہی جو صرف اشارات سے سمجھ جاتا ہے۔ بہت سے نکات موجود ہیں لیکن افسوس کہ کوئی محرم راز نہیں ہے۔

قطب العالم محبوب الٰہی حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نگارشات کو مقدار اور کمیت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بہت وسیع ہے جس میں کتابیں' مضامین' تقاریظ اور سینکڑوں ہزاروں مکاتیب شامل ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تحریرات کی علمی افادیت کیا ہے؟ آپ کی نگارشات کا مقصد تصوف اسلام اور اس کی وسیع تر اشاعت اور دفاع کرنا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے مقالات اور مضامین کو ان خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ انہوں نے محض عشق الٰہی کی بجھی آگ کو پھر سے سینوں میں سلگانے کے لیے تحریر کا سہارا لیا۔ چنانچہ تصوف کے میدان میں آپ ؒ کی نگارشات طالبان حق کے لیے نشان راہ بنیں اور اپنے ہم عصر علماء اور پیران طریقت سے خوب داد تحسین وصول کی۔ افادہ اور اہمیت کے لحاظ سے پرکھا جائے تو پیران پیر حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے خطبات شریف اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف کی طرح یکساں مفید ہیں۔ آپ کی تحریر کے بارے میں جناب ارشاد احمد ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں۔

حضور قبلہ عالم ؒ مضامین قلم برداشتہ لکھتے ہیں۔ کوئی جذبہ تھا جو ان سے لکھواتا تھا۔ اس لیے تصنع اور بناوٹ کو دخل نہ تھا۔ تحریر سراسر الہامی تھی۔

ع آتے ہیں غیب ہی سے مضامیں خیال میں

کے مصداق خیالات خود بخود الفاظ کا جامہ پہن کر صفحہ قرطاس پر منتقل ہو جاتے۔

انقلاب الحقیقت کے دیباچہ میں حضور عالم رحمتہ اللہ علیہ خود اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"ایک دن قلم لے کر مختصر یادداشت (نوٹ) لکھنے کا ارادہ کیا لیکن جوں جوں قلم کی نوک مڑتی دل و دماغ کے پردے کھلتے جاتے' صفحوں کے صفحے لکھے گئے لیکن تمہید ختم نہ ہوئی۔"

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی تحریروں کے ادبی مقام اور مرتبہ کو پرکھنے کے لیے ایک ماہر نقاد کی ضرورت ہے جو جدید اصول تنقید سے واقف ہونے کے ساتھ گہرے دینی مطالعے اور فن تصوف سے مکمل آشنائی رکھتا ہو۔ ہمارے ایک مکرم دوست جناب ارشاد احمد ہاشمی ایم اے مرحوم (جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے) جن کا تعلق درس و تدریس کے پیشے سے رہا' اردو ادب کے ماہر نقاد تھے۔ ان کو بزرگان دین سے بڑی محبت تھی اور بالخصوص حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی تحریروں سے بڑے متاثر تھے۔ انہوں نے آپ ؒ کی تحریروں کا اسی نگاہ سے جائزہ لیا جس کو معمولی ترمیم اور تلخیص کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

جناب ارشاد احمد ہاشمی نے آپ" کی تحریروں کی درجہ بندی کرتے ہوئے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے' اور ساتھ مثالیں بھی دی ہیں۔

ان کے مطابق حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مضامین کی ایک قسم ایسے مضامین کی ہے جن میں اپنی شخصیت کو بھرپور انداز میں شامل کر کے آپ بیتی کے رنگ میں دلچسپ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے اور تصوف کے نازک گوشوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً "اچھا نغمہ" (سلسبیل جولائی ۱۹۶۴ء) "اچھا قاری" (سلسبیل جنوری ۱۹۶۴ء) "اے خدا مجھے مسلمان بنا" (جولائی ۱۹۶۴ء) "اعلائے کلمتہ الحق" (جولائی ۱۹۶۵ء)۔

۲۔ دوسری قسم وضاحتی مضامین کی ہے جن میں مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں۔ صراط مستقیم (اپریل ۶۴ء) توحید بحیثیت ظہور (اکتوبر ۶۴ء) توحید بحیثیت کیفیات (اکتوبر ۶۳ء) معجزات کے جنازے (اکتوبر ۶۳ء) تقدیر اور تدبیر کے غلط سہارے (سلسبیل دسمبر ۶۴ء)۔

۳۔ تیسری قسم کی تحریریں شذرات گفتی اداریے قسم کی وقتی چیزیں ہیں جن میں رسالہ (سلسبیل) کی پالیسی' شخصیات کا تعارف اور مضامین پر تنقید وغیرہ شامل ہیں۔

بہرحال مضمون کسی قسم کا ہو' عنوان کوئی ہو ادیب کے ادبی محاسن کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی ادبی نگارشات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

ا۔ اچھوتے عنوان

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے بھی بعض ایسے مفرد الفاظ اور اسماء کا بطور عنوان انتخاب کیا ہے جو بظاہر بہت آسان لیکن ان پر پورا مضمون لکھنا مشکل مثلاً محبت' عقل' عبرت' حسن وغیرہ۔ لیکن ان کی تشریح جس انداز سے کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ بعض ایسے شستہ اور عجیب عنوانات کا انتخاب کیا گیا ہے کہ جن کا نام ہی قاری کو دعوت مطالعہ دیتا ہے جیسے "عید کی باسی کھیر" "مولویت فرنگی لباس میں" "عرشوں لتھیاں چار کتاباں" اور "فقر و فقیری" وغیرہ مزاح اور تنقید کا حسین امتزاج لیے ہوئے مضامین ہیں۔ لیکن حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی بعض خالص

سنجیدہ تحریروں میں بھی عنوانات کے انتخاب میں یہی پہلو نمایاں نظر آتا ہی مثلاً "اچھا نغمہ" "اچھا قاری" "اقبال کا ایک شعر اور میرے تاثرات" "اے خدا مجھے مسلمان بنا" "احساس" "الھویٰ" "معجزات کے جنازے" "تقدیر اور تدبیر کے غلط سہارے" وغیرہ۔ حضورؒ کے ایسے ہی ادب پاروں کے متعلق حضرت صاجزادہ محبوب رسول للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"آپ کی بعض تحریریں خالص علمی رنگ میں ہوتی تھیں اور ان میں ادب عالیہ کی چاشنی بدرجہ اتم ہوتی تھی۔ ان میں بعض مضامین ادب کی جان اور لطیف ظرافت لیے ہوتے ہیں۔ وہ ایسی دلچسپ ظرافت ہے جو ایک سنجیدہ اور متین بزرگ کے شان شایان ہے۔"[1]

۲۔ افسانوی انداز

بہت سے مضامین ایسے ہیں جن کا آغاز افسانوی سا ہے۔ خصوصاً وہ تحریریں جن میں ذاتی تجربات اور واقعات پیش کیے گئے ہیں وہ بغیر کسی لمبی تمہید کے اچانک شروع ہوتی ہیں۔ پہلے تو قاری کا ذہن واقعات میں آنے والے افراد اور کرداروں کے بارے میں سوچتا رہتا ہے جس سے اس کا تجسس بڑھ جاتا ہے لیکن ایک پیرا پڑھنے کے بعد واقعات خود ہی متعلقہ افراد کا تعارف کراتے جاتے ہیں' ملاحظہ کریں۔

> "اکتوبر کا واقع ہے کہ شام کی نماز کے بعد جب فارغ ہو کر مسجد میں بیٹھا تھا حافظ بدرالدین صاحب بھی موجود تھے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ قرآن حکیم کی چند آیات مجھے سنائیں۔"

(سلسبیل۔ جنوری ۹۴' ص ۶۵)

یہ آغاز اپنا رنگ یوں اختیار کرتا ہے:۔

> "ان کی دعا ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ سبحان اللہ سننے والے محو ہو گئے۔ نہ حافظ جی کا پتہ اور نہ اپنا پتہ۔ آواز ہے تو ابراہیمی اور سننے والے

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر اگست ستمبر ۱۹۶۸ء۔ ص ۵۵

ہیں تو حضرت رب العزت ——— پھر کیا تھا ایک طرف دعا کے کلمے نکل رہے تھے' ایک طرف یہ محسوس ہوتا تھا کہ قبولیت عامہ کا جواب دے رہی ہے۔

(اچھا قاری' سلسبیل۔ جنوری ۶۴ء)

یہی مضمون کا نقطہ ارتقاء (Climax) ہے جس نے تاثر کو کئی گنا بڑھا دیا۔ "اچھا نغمہ" کی ابتدا ملاحظہ فرمایئے۔

"سات چیت کا واقعہ ہے کہ میں اپنی طویل علالت کی وجہ سے نڈھال تھا اور طبیعت مردہ ہو چکی تھی' مذہبی احساسات ختم ہو چکے تھے' تصور پاک کے نقوش دھندلے ہو رہے تھے۔ اس دن اخویم مولانا فخر الدین ؒ کے عرس کی تقریب تھی حسب معمول آٹھ بجے کے قریب باہر آیا تو دو نعت خواں آ گئے اور کہا کہ کچھ سنائیں؟"

(اچھا نغمہ' سلسبیل۔ جولائی ۶۴ء)

چیت کا مہینہ (موسم بہار) طویل علالت سے رہائی' نعت خواں کا کچھ سنانے کو اصرار' نامعلوم کیا سنایا جائے گا' بعد میں نتیجہ کیا ہو گا یہ سب کچھ قاری کے تجسس میں اضافہ کر کے اس کی دلچسپی بڑھاتے ہیں۔ مضمون قاری کو اپنے ساتھ ساتھ لیے چلتا ہے یہاں تک کہ اس کا اصل نتیجہ اور صحیح نقطہ ظاہر ہوتا ہے۔ "اچھا قاری" میں مصنف فرماتے ہیں کہ

"جب انسان شخصی تقاضوں سے نکل کر تقاضائے انسانیت میں آ جاتا ہے بلکہ انسانی تقاضوں سے بھی بلند ہو کر رضائے مولا کریم کا طالب ہو جاتا ہے تو رحمت الہیہ اس پر برس پڑتی ہے اور جو چاہتا ہے وہی دلایا جاتا ہے۔"

(اچھا قاری ص ۶۷ سلسبیل جنوری ۶۴ء)

"اچھا نغمہ" میں مضمون کا نقطہ ارتقاء ملاحظہ فرمایئے۔

لیکن یہ ضرورت کی چیز ہے کہ جب بھوک لگے کھایا جائے۔ ہر وقت کھانے والا پیٹ کی بیماری سے مرتا ہے ایسے ہی سماع اپنے آپ پر لازم کرنے والا سالک جب ہمیشہ اپنے لیے سماع

لازم کرلیتا ہے تو فائدہ کے بجائے بڑا نقصان اٹھاتا ہے۔

غرض یا تو خود سالک صاحب حال ہو تو سنے یا کسی صاحب حال کی صدارت میں کچھ سنے۔ آج قوالیوں کی کیا کمی ہے مناسب یا غیرمناسب موقع پر ہو رہی ہیں لیکن خالی جذب ووجد تو کیا ہلکی سی جنبش قلب بھی پیدا نہیں ہوتی۔

("اچھا نغمہ" سلسبیل جولائی ۶۹ء)

انقلاب الحقیقت کا آغاز دیکھیے:۔

"اگرچہ جو کچھ اب میں لکھنا چاہتا ہوں وہ اسرار ہیں اور اسرار کے ظاہر کرنے کا انجام بھی وہی ہے جو منصور علیہ الرحمتہ کا ہوا۔"

انقلاب الحقیقت کا ہر پیرا بظاہر نمبروار اچانک سا شروع ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تطابق نہیں لیکن جب غور کریں تو سبھی چیزیں واضح ہو جاتی ہیں' بظاہر بے تعلقی کے باوصف ایک دوسرے سے ملی ہوئی اور تمثیلی انداز بھی۔

۳۔ گہرا مشاہدہ

"مومن کی فرست سے ڈرو' مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے" کے مصداق حضورؒ کی نظر دوررس تھی۔ اس نظر نے نہ صرف مادی کائنات کا ہی مشاہدہ کیا تھا بلکہ خدائے واحد تک رسائی بھی حاصل کر چکی تھی۔ اس لیے آپؒ کے مضامین میں مثالیں' حالات و واقعات کے گہرے مشاہدہ کی دلیل ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

"جوانو سے پوچھو۔ اسلام کیا ہے؟ وہ' داڑھی مونچھیں کٹوانا' عیش و عشرت کے سامانوں سے کھیلنا' ناول پڑھنا' بے حیاؤں کے ناچ دیکھنا' دکھانا' اسلام بتائیں گے' اور بوڑھوں سے پوچھو گے تو زر کمانا' دھوکا دینا' لالچ کرنا اور ہر حیلے کو استعمال کرنا جس سے ان کی بات بنے اور پیسہ کمایا جائے۔ اس پر بس نہیں قائدین ملت اپنی سٹیجوں پر قوم کو للکارتے ہیں کہ وہ سب کچھ اختیار کرو جو یورپ کی اقوام نے اختیار کر رکھا ہے' اور جیسے مذہب ان کی زبان پر ہے' ایسے ہی مذہب کی تسلیم زبان پر ہونی چاہئے۔ زبان تو اسلام کے نام سے پر ہو اور اندر وہ سیکڑ لیا جائے جو سراسر

مخالف اسلام ہے' اور جو اسلام کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔" (سلسبیل جولائی ۶۴ء)

پورے معاشرہ کی تصویر پیش کر دی گئی ہے۔ نوجوان' بوڑھے اور قائدین ملت سبھی آ گئے۔ پھران کی سرگرمیاں اور نفسیات سلجھے انداز میں پیش کرنا گہری نظر' فراست دین' اور دقت نظر کا نتیجہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ:-

"طریقت کے اندر خداشناسی نہ ہونے کی وجہ سے ایک قسم کی مرعوبیت پیدا ہو گئی ہے' جس کی وجہ سے طریقت کے عقائد میں تزلزل پیدا ہو گیا ہے اور صوفی اپنے اصولوں سے ہٹ رہے ہیں۔"

"مثلاً ذکر فکر طریقت کے اولیات میں سے ہے اور قرآن کریم کی آیات سے محکم بلکہ محکم تر۔ لیکن علمائے کرام کی متواتر تنقیدوں سے اب کوئی صوفی اپنے اس عقیدہ سے (کہ ذکر کے سوا اس راہ میں وصول ناممکن ہے) ہٹ گیا ہے' اور عملاً قدیم سلسلے کی روایات نسبتاً بہت کم ہیں۔ بچپن میں دیکھتا تھا کہ ہر گاؤں میں ذاکرین تھے' اور وہ بھی چشتی سلسلہ کے عام ہونے کی وجہ سے سرشام اور صبح سویرے ذکر کی لے چل جاتی تھی۔ گاؤں کے ایک ایک فرد تک لا الٰہ الا اللہ' یا اللہ' یا اللہ' اللہ ھو' اللہ ھو کی آوازیں کان تک پہنچتی تھیں' اور دنیا و عالم کو بیدار کرتی تھیں۔ اور یہ آواز اتنی پراثر ہوتی تھی کہ کافر و ملحد بھی رام رام کرنے پر بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن اب سالوں گزر جاتے ہیں کسی طرف سے یہ دلربا آواز کہیں سنائی نہیں دیتی۔ پھر اگر کوئی عمل اس کی جگہ نعم البدل چھوڑ صرف بدل بھی پیدا ہو جاتا' تو شاید طریقت اپنا دم نہ توڑتی' لیکن اصولی طور پر کوئی بدل یا نعم البدل پیدا نہیں کیا گیا' جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ لوگوں میں عام غفلت پیدا ہو رہی ہے۔"

(مرعوبیت۔ سلسبیل اکتوبر ۶۴ء)

بیسویں صدی کے سائنسی اور خالص خولی تصوف پر کتنا بڑا چپت ہے۔ واقعی یہ انسانیت کی کتنی بڑی ٹریجڈی ہے جو حضرت مصنف کی عمیق نظروں نے محسوس کی۔ موجودہ کاہلی انسانوں کی بے عملی کا سبب تقدیر کا غلط سہارا بھی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:-

"قرونِ اولیٰ میں یہی تقدیر اگر دولت' سلطنت' عزت آبرو' جفاکشی اور محنت و
استقلال کا باعث تھی تو دورِ حاضر میں یہ ہی نکبت' افلاس' غلامی' کاہلی و آرام
طلبی وغیرہ رذائل کا سبب نظر آتی ہے۔"

(سلسبیل دسمبر ۶۴ء)

عارف باللہ ماحول کی اصلاح بھی کرتا ہے' یہ اسی وقت ممکن ہے کہ معاشرتی برائیوں پر اس کی نظر ہو۔ یہی معاشی ناسور جہاں بین اور روشن آنکھ نے دیکھے اور ان کی نشان دہی سلجھے انداز سے فرمائی۔ ان کا یہ انداز اتنا مؤثر' پروقار اور دل نشین ہے کہ قاری بغیر کسی تکلف کے معلوم کر جاتا ہے کہ یہ نقائص تو خود اسی کے اندر ہی ہیں۔ ان خامیوں کا ڈیرہ اس کا دل ہے۔ یہ آنحضور" کے گہرے مشاہدہ' دقتِ نظر اور دوربین نگاہ کا فیض ہے۔

خواجہ حسن نظامی نے گہرے مشاہدہ اور افسانوی انداز سے کام لے کر نتیجہ خیز مضامین لکھے۔ ان کا مختصر مضمون "من کہ ایک دھوبی" میں دھوبی سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ تم نے کپڑے تو صاف کر ہی دیئے' لیکن میرے دل کی میل تو نہ دھو سکے' دل کی میل تو یثرب نگر (مدینہ شریف) کے دھونے والے نے دھو دی' وہی ہے کہ اب بھی مدد فرمائیں۔ اسی طرح ان کا مضمون "کوڑا موڑ" مطبوعہ "آستانہ" میں بھی یہی سبق ہے۔

ایسا ہی انداز حضرت مصنف" کا بھی تھا۔ انہوں نے بظاہر معمولی چیزوں سے اچھے نتائج نکالے ہیں۔ مشاہدہ اور اندازِ بیان کے زور سے تعمیری لیکن لافانی شاہکار پیش کیے۔

۴۔ وسیع النظری

حضور" کے مشرب میں بلا کی وسعت تھی اور دل دریا تھا۔ ان کے ہاں غیر متشرع آدمی بھی اسی طرح باریاب ہوتا جیسے متشرع۔ پتلون' کوٹ' ٹائی وغیرہ میں ملبوس' ٹیڈی نوجوان ہو یا شلوار' قمیص' پگڑی سے مزین صوفی' سبھی کو اجازت تھی کہ ملے اور تبادلہ خیالات کرے۔

یہی رنگ ان کے تصوفانہ مسلک میں بھی ہے۔ انہوں نے محض مسجد میں بیٹھ کر محدود سا علم حاصل نہ کیا تھا کہ تنگ نظری پیدا ہو' صرف انگریزی کا مطالعہ بھی نہ تھا کہ مذہب سے

بغاوت ہوتی۔ آپؒ ایک ایسی جامع شخصیت تھے جس میں سبھی علوم کے محاسن جمع ہو چکے تھے۔ انگریزی نے ان کے دل و دماغ میں وسعت پیدا کی تو مطالعہ' جہاں گردی اور شخصیتوں سے ملاقات وغیرہ نے مشاہدے میں جلا بخشی۔ اعلیٰ پایہ کے مادرزادولی (حضرت غلام مرتضیٰؒ) کے پوتے ہونے کے باعث تصوف کے بلند معیار پر فائز تھے۔ یہ صلاحیت حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ کے پاس جا کر اور بھی اجاگر ہوئی جس سے شرح صدر ہو کر سبھی کچھ آپ کے اندر سما گیا۔ اس کی تفصیل ان کی زبان سے بھی سنئے۔

"بفضلہٖ تعالیٰ طبع آزاد پائی اور ہر مشرب سے کچھ نہ کچھ سیکھا اور ذوق پایا اور ہر مکتب فکر میں بیٹھنا نصیب ہوا۔ طریقت کی گود سے نکل کر مدرسہ کے صحن میں گئے اور مدارس سے نکلنے کے بعد مغربی افکار کی جولا نگاہوں کی سیر سالوں میسر رہی اور ہر انسانیت سے واسطہ پڑا۔ مطالعہ کے لیے لائبریریاں موجود تھیں' اخبار و رسالے دیکھے لیکن جتنا کسی کو بلند دیکھا اتنا ہی اندر سے کمزور پایا۔ آخر پھر پلٹے اور طریقت کے دربار میں حاضر ہوئے لیکن جتنا سنا تھا اس سے بڑھ کر اس کو حقیقت پایا۔ قبلہ میاں صاحب شرقپوریؒ کی طریقت ندی نالہ کی طرح نہ تھی ایک بحرِ ذخار کی طرح موجیں مار رہی تھی۔ تھکا ماندہ مسافر جب چشمہ حیات دیکھتا ہے اور اس پر سایہ بھی نہ ہو تو وہیں ڈیرہ ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی زندگی کی تھکن دور کرنے کے لیے آخری ڈیرہ طریقت کے چشمہ پر لگا دیا چند گھونٹ پانی نصیب تھا پی کر ہمیشہ کے لیے اس دربار عالیہ پر معتکف ہو بیٹھے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں

(گفتنی سلسبیل مئی جون ۶۴ء)

ایسی شخصیت طریقت میں نئی روح کیوں نہ پھونکتی' قوم کے عروق مردہ میں گرم زندگی کی لہر کیوں نہ دوڑاتی؟ آج کسی کو چند سورتیں آتی ہیں تو مطالعہ غائب۔ انگریزی آتی ہے تو دوسرے علم ٹھپ۔ یہاں سب کچھ تھا' علم بھی سبھی شعبوں کا' مگر چوٹی کا۔ طریقت کا میدان ورثہ میں ملا ہی تھا' لیکن اس کو میاں صاحبؒ کی صحبت نے اور نکھارا۔ ایسے حالات میں ان کے اندر وسیع المشربی کیوں نہ آتی؟

نقشبندی سلسلہ میں نغمہ کو کسی قیمت میں راہ نہیں دی جاتی۔ داڑھی صاف کرانا اور انگریزی پڑھنا برداشت نہیں کیا جاتا۔ لیکن دیکھئے حضرت" کے ارادت مندوں میں کتنے ہی لوگ ہیں جو انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور انگریزی لباس میں رہتے ہیں۔ ان پر بھی کرم ہے' وہ بھی اتنے چہیتے ہیں جتنے دوسرے۔ "اچھا نغمہ" میں اپنا ہی واقعہ پیش فرمایا ہے۔ حضور" نے نعت سنی' غزلیں سنیں' صاحب حال تھے' توحید کے اور قریب ہو گئے۔

"اچھا نغمہ" میں حضور" نے صاف فرما دیا کہ سماع کبھی کبھار ہو یا تو سننے والا خود صاحب حال ہو یا کوئی صاحب حال زینت مجلس ہو' فرماتے ہیں۔

"لیکن ضرورت کی چیز ہے کہ جب بھوک لگے تو کھایا جائے۔ ہر وقت کھانے والا پیٹ کی بیماری سے مرتا ہے' ایسے ہی سماع اپنے آپ پر لازم کرنے والا سالک جب ہمیشہ اپنے لیے سماع لازم کر لیتا ہے تو فائدہ کے بجائے بہت نقصان اٹھاتا ہے۔"

"یا تو خود سالک صاحب حال ہو یا کسی صاحب حال کی صدارت میں کچھ سنے۔ آج قوالیوں کی کیا کمی ہے۔ مناسب یا غیر مناسب موقع پر ہو رہی ہیں لیکن خالی جذب و وجد تو کیا ہلکی سی جنبش قلب بھی پیدا نہیں ہوئی۔"

"اچھا نغمہ سلسبیل جولائی ۶۴ء' ص ۴۸"

۵۔ اخفا اور کسر نفسی

حضور" سب کچھ ہونے کے باوصف اپنے آپ کو اخفا میں رکھے رہے۔ کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ شخصیت جنید وقت اور قطب دوراں ہے۔ عربی' فارسی' اردو اور انگریزی کے عالم ہونے کے علاوہ شیخ الطریقت بھی ہیں۔ لباس' انداز' گفتگو سبھی سادہ—— حاجی فضل احمد صاحب" انقلاب الحقیقت کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔ اخفا کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی زبان سے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ دعویٰ تو کیا ہمیشہ کسر نفسی کے الفاظ سے رطب اللسان رہے۔ یہی کسر نفسی اور دید قصور اعمال ان کی تحریروں میں بھی جھلکتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک کامل ولی اللہ اور عالم باعمل کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے گنہگار کی شکل میں پیش کرتے ہیں جس کی ساری عمر ہی گناہ میں بسر ہوئی۔

"ایک دعا" نامی مضمون میں فرماتے ہیں۔

"پھر میں نے سوچا دن میں سب کچھ ہوں۔ مولوی ہوں' پیر ہوں' حاکم ہوں' زمیندار ہوں' رئیس ہوں اور سب کچھ ہوں۔ لیکن رات کو جب میں سونے کے لیے تیار ہو جاتا ہوں اور دنیا مجھ سے الگ ہو جاتی ہے' خادم چلے جاتے ہیں۔ رشتے الگ ہو جاتے ہیں' تو اس وقت میں کیا ہوتا ہوں' صرف ایک عاجز' ایک ناتواں' میں کا پتہ نہیں' غرور' تکبر' ہستی و پندار اور سب غائب ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہیں جب میں اٹھتا ہوں' نیم خوابی میں دیکھتا ہوں کہ میری حقیقت ایک ہوا کے جھونکے سے بڑھ کر نہیں بلکہ میں کچھ بھی نہیں۔ ایک احساس ہے اور بس کہ ہوں۔" (ایک دعا۔ سلسبیل جولائی ۶۴ء)

کسر نفسی اتنی کہ مضمون کا آغاز بھی موجودہ مسلمانوں کے عمومی کردار پر تبصرہ کر کے نہیں کیا بلکہ اپنی شخصیت کو مضمون کا نمایاں حصہ بلکہ ہیرو بنایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"رات کو اٹھا بیماری کی وجہ سے تیمم کیا' نماز بیٹھے گزارنے لگا۔ جوں جوں میں قرآن پاک اور تسبیحات کو پڑھتا جاتا تھا' اس کے معانی میرے اندر آتے جاتے تھے لیکن میں دیکھتا رہا کہ جو کچھ زبان پر ہے وہ دل میں نہیں۔ باربار میں توجہ کرتا تھا کہ میرے دل کے اندر یہ حقائق بیٹھیں اور دل تصدیق ہی نہ کرے بلکہ دل کے جذبات ہی منہ سے ادا ہوں۔ لیکن تمام نماز گزار دی یہ بات پیدا نہ ہو سکی اور جب میں سلام پر آیا اور نماز سے نکلا تو میرے منہ سے یہ الفاظ باربار نکلے کہ "اللہ مجھے مسلمان بنا۔""

(ایک دعا۔ سلسبیل جولائی ۶۴ء)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"جہاں تک دیکھا گیا یہی حال عوام و خواص کا ہے اور ماشاء اللہ میں خود اسی ورطہ میں پھنسا ہوا ہوں۔ ایسی دینداری پسند ہے جس کے اندر دنیا کی چمک موجود ہو اور جس کا لباس دنیاوی ہو۔ پھر کہتا ہوں بے شک ایسے ہو لیکن اصل روح دین ہو اور کام دنیا کا ہو نہ کہ جسم دین ہو اور روح دنیا کی ہو۔"

(حقیقت ایمان صفحہ ۱۲۔ سلسبیل اگست ۶۴)

درویشی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
"درویشی چٹائی پر بیٹھی نظر آتی ہے لیکن اس کی نظریں عرش بریں سے بھی پار ہوتی ہیں"
(جواہر ریزے صفحہ ۱۱۴ اپریل ۶۳ء)
واقعی آپ ہمیں چٹائی پر بیٹھے نظر آئے لیکن چشم بینا نہ ہونے کے باعث ان کا مقام پہچان نہ سکے۔ حقیقتاً وہ عرش کے پار تھے۔ رحمان بابا کے پشتو کلام میں ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ میں نے درویش کی رفتار دیکھی ہے۔ اس کا ایک قدم زمیں پر ہوتا ہے دوسرا عرش پر ہوتا ہے۔
علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی وضاحت میں فرماتے ہیں۔

؎ یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

______"خیر علامہ موصوف ترجمان حقیقت تھے لیکن بندہ جی کو کیا سوجھی کہ مجھ جیسے کو بیدار کرنے کے لیے خودی کا حقیقت آموز شعر لکھ کر سوال کر دیا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ کوئی کچھ کہے میں نے یہی سمجھا کہ میرے غافل دل کے لیے اس نے لکھ دیا۔ خدا تعالیٰ میری خودی کو زندہ فرمائیں اور میں ایک مسلمان ہو کر اس کے دربار میں حاضر ہوں۔"
(صفحہ ۹۳ سلسبیل اپریل ۶۳ء)
دیکھیے یہاں پر بھی اپنی شخصیت کو مضمون کا حصہ بنایا اور خودی زندہ ہونے کی دعا فرمائی۔
حد ہے کسر نفسی کی حضرت نوشہ گنج بخش صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ستر چھپے تو عارف ہو" آپؒ نے سب کچھ چھپایا سفر در وطن' خلوت در انجمن کی مثال بنے رہے اور

ع شمع محفل کی طرح سب سے جدا' سب کا رفیق

ایک اور خط کے جواب میں دیر سے جواب لکھنے کی وجہ کے ساتھ اپنی بلکہ ہم سب کی عالمگیر بیماری کی نشان دہی یوں فرماتے ہیں:۔
"جواب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ میں عرصہ سے بیمار ہوں۔ دمہ' زکام اور بخار کی شکایت رہی۔ جیسے آپ مریض ہیں اس سے بڑھ کر میں مریض

ہوں۔ آپ" صرف جسمانی مریض ہیں اور میں جسمانی مریض بھی ہوں اور روحانی بھی اللہ تعالیٰ ہمیں شفاء بخشے۔"

اس میں ہمارے مرض کی نسبت اپنا مرض بڑھا گئے حالانکہ آپ کو مرض کیا ہونا تھا وہ تو ہزاروں روحانی مریضوں کے خود معالج تھے۔

صاحبزادہ محبوبؒ الرسول کے نام خط میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

لیکن دل ہے کہ اپنی جگہ مست' حرص و ہوا سے پر' ایک گھڑی بھی گناہ نہیں چھوڑتا' ایسی حالت میں مریں گے تو کیا مریں گے' جئیں گے تو کیا جئیں گے' اللہ کا فرمان وما ابری نفسی ——— (الآیت پارہ ۱۳) دعا فرمایئے اللہ نیک انجام سے سرفراز فرمائے' اور دنیاوی حرص و گناہ سے بچائے' اور اپنی محبت صادق عنایت فرمائے۔ جو کچھ میں تھا وہ تو لکھ دیا اب آپ کی کرم نوازی اور بزرگانہ الطاف کا منتظر ہوں کہ اللہ تعالیٰ نیک انجام فرمائے۔ آخر ایک دن جانا ہے کب تک بھاگیں گے۔"

(اگست' ستمبر۶۸ء شیخ الطریقت نمبر)

یہاں بھی اخفاء اور کسر نفسی کی حد ہی ہو گئی۔

٦۔ پیراگراف

آپ" مضمون مناسب پیراگرافوں میں لکھتے اور ہر پیرا کا مرکزی خیال وہ ذیلی سرخی ہوتی جو آپ" نے اس کے لیے مقرر فرمائی ہے۔ ذیلی عنوان کے علاوہ پیرا کسی اور مواد سے متعلق نہ ہوتا۔ بعض اوقات پیرا کا پہلا فقرہ ہی سارے ٹکڑے کا خلاصہ ہوتا ہے۔ انگریزی میں لکھے ہوئے مضامین بھی اسی طریق کے ہوتے ہیں۔ آپ" نے ذیلی سرخیوں کی تقسیم کر کے مضمون میں درجہ بندی قائم کی۔ توحید کا معرکتہ الآرا مضمون ان ذیلی سرخیوں میں منقسم ہے:۔

جیسے "تمہید"۔ "توحید بحیثیت ظہور" "توحیدی" "مقام"۔ "خیال اپنا اپنا"۔ "قبرپرستی"۔ "تعظیم کیا ہوتی ہے؟" "خیرو شر کا تلاظم"۔ "اسلامی توحید کا بلند مقام"۔ "زندگی کیا ہے"۔ "بقا

و فنا نعمت ہے"۔ "اصل موحد یا اولیاء اللہ راضی برضا"۔ "توضیح تمثیلات"۔ "قوت مدافعت الٰہیہ"۔ (صفحہ ۵۱ توحید نمبر سلسبیل جون' جولائی ۶۴ء)

"قرآنی حقائق تصوف کے آئینہ میں" بعض سرخیاں یوں ہیں۔

"شریعت اور طریقت کا فرق"۔ "طریقت بلند استعداد لوگوں کے لیے ہے"۔ "طریقت کے لیے عفت ضروری ہے"۔ "طریقت باطنی مشاہدے کا دوام ہے"۔

اور پھر "تزکیہ نفس مقدم ہے"۔ "تزکیہ نفس کی طرف بے توجہی"۔ "نجات کا مدار تزکیہ پر ہے" "تزکیہ نفس صاحب تزکیہ کا فن ہے"۔

پیراگراف میں تقسیم ہونے سے نہ صرف مصنف کے سلیقہ کا اظہار ہوتا ہے بلکہ قاری مطالعہ کرنے کے بعد سرخیوں کو ذہن میں رکھ کر سارا مضمون دماغ میں محفوظ کر سکتا ہے۔

سرخیوں کا یہی انداز مضامین میں بھی قائم ہے' جو کسی معترض کے جواب میں بھی لکھے گئے ہیں:-

"تمہید"—— "مجھے گناہ زندہ کیے ہوئے ہیں"—— "واہمہ جذبات"—— "مغفرت کی اذن عام"——

(شان غفاری سلسبیل جولائی ۶۳ء)

"حقیقت توحید" میں چھوٹی سرخی "توحید بحیثیت کیفیات ہے"۔ اسے پانچ پیراگرافوں میں پھیلایا گیا ہے۔ پہلا پیرا "توحید قلبی" دوسرا "اس کی عکوس و ظلال" "تیسرا عقلی توحید" چوتھا "عقلی توحید کے عکوس و ظلال" اور پانچواں "رسمی توحید" پر مشتمل ہے۔

ذرا ان پیراگرفوں کے ابتدائی فقرات (topical sentences) ملاحظہ فرمایئے۔ انہی کے گرد سارا پیرا ہے۔ گویا وہی فقرہ اس ٹکڑہ کا خلاصہ ہے۔

(۱) "سب سے اعلیٰ توحید قلبی ہے جو مشاہدات غیبی سے پیدا ہوتی ہے۔"

(۲) "اس کے بعد اس توحید کے عکوس و ظلال ہیں' جو ان نفوس قدسیہ سے دوسرے قلوب انسانی پر وارد ہوتے ہیں۔"

(۳) "تیسرے درجہ پر عقلی توحید ہے۔ یہ عقل صحیح سے پیدا ہوتی ہے۔"

(۴) ''چوتھے درجہ پر عقلی توحید کے عکوس و ظلال ہوتے ہیں' جو علمائے کرام کی خدمت میں بیٹھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔''

(۵) ''موجودہ وقت میں ایک اور توحید رسمی پیدا ہو گئی ہے جو پہلے نہ تھی۔ صرف زبان پر توحید ہے' قلب متاثر ہے نہ عقل متاثر۔''

(سلسبیل اکتوبر ۶۲ء۔ صفحہ ۴۳)

اس طرح ''کیفیات'' میں ہر پیرا کا پہلا فقرہ (topical فقرہ) ہے' جس کے گرد سارا فقرہ گھومتا ہے۔ اسے اس ٹکڑا کا عنوان سمجھئے۔

(۱) ''کیفیت اسی حال کا نام ہے جو کسی محفل سے خاص قسم کا حال پیدا ہو۔''

(۲) ''محبت کوئی بھی ہو وہ سوز و ساز سے خالی نہیں ہوتی اور بعض اوقات یہ سوز و ساز جنون کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جس انسان کے دل میں محبت نہیں وہ انسان ہی نہیں۔''

(کیفیات صفحہ ۷۶۔ سلسبیل اکتوبر ۶۲ء)

سرخیوں والا یہی انداز دیباچوں میں بھی قائم ہے اور گفتنی کے تمام شذرات اور بعض خطوط پر بھی حاوی ہے۔

۷۔ تمثیلی انداز

تقریباً سبھی مضامین میں مثالیں دے کر آخر میں ایک اصول استقرائی طریق سے نکالا گیا ہے۔ مثالیں ہمارے گرد و پیش کے ماحول اور گوشت پوست کے انہی دنیاوی انسانوں سے متعلق ہیں۔ مشکل مضامین میں بھی یہی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ ان کا یہ انداز ایسا موثر اور نتیجہ خیز ہے کہ مشکل سے مشکل مسائل بھی آسان ہو گئے۔

''تقدیر اور تدبیر کے غلط سہارے'' میں ارشاد ہے کہ

''تقدیر کے مسئلہ نے قرون اولیٰ کی مسلم ہستی کا قالب' شجاع دلیری' سخاوت' اولوالعزمی اور دیگر فضائل میں بے مثل کر دیا تھا۔ گنتی کے آدمی ہزاروں کو جواب دے بیٹھتے اور جس میدان میں اترتے کامیاب ہو کر نکلتے۔

لیکن دور حاضر میں جتنے نقائص اور کمزوریاں ہوتی جا رہی ہیں یہ بھی اس تقدیر کے مسئلہ کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ جب تسخیر قسطنطنیہ اور فتح مکہ غیراقوام نے کر لیے تو پاک ہستیوں نے جذبہ مدافعت اور انتقام پیدا کر کے اسلامی ممالک کو واپس دلانے کی تحریک جاری کی لیکن صدائے بازگشت کے سوا کچھ نہ نکلا کیونکہ جہلا سے لے کر علماء نامدار تک بیک زبان تقدیر کا آئینہ لے کر ٹس سے مس نہ ہوئے کہ ایسا ہی ہونا تھا' اب کیا چارہ ہے بلکہ قرون اولیٰ میں یہ ہی تقدیر اگر دولت' ملک' سلطنت' عزت آبرو' جفاکشی اور محنت و استقلال کا باعث تھی تو دورحاضرہ میں یہ ہی نکبت' افلاس' غلامی' کاہلی' آرام طلبی' وغیرہ وغیرہ رذائل کا سبب نظر آتی ہے۔"

"اصل میں ہر ایک مسئلہ ہر ایک خیال بلکہ ہر ایک ہنر مختلف نتائج پیدا کرتا ہے' مثلاً انفاق ایک اللہ کے واسطے خرچ کرتا ہے تو دوسرا شہرت کے واسطے۔ چونکہ دونوں کی الگ الگ غرض ہے اس لیے اس کی حیثیات بھی بدل جائیں گی اور حیثیات پر نتائج اغراض کے مطابق پیدا ہوں گے۔"

"ایک شخص مزار پر دیا اس غرض سے جلاتا ہے کہ قرآن مجید پڑھا جا سکے دوسرا اس لیے کہ فقیر کی روح خوشنود ہو اور تیسرے نے اس لیے شمع جلائی کہ یار لوگ آ کر قمار کی مجلسیں رچائیں۔ حیثیات کے بدلنے سے اسی روشنی کے نتائج بدل گئے۔ پہلے کو ثواب' دوسرے کو بعض کے نزدیک ثواب اور بعض کے نزدیک بے فائدہ اور عبث' تیسرے کو عذاب۔ اب دیکھئے فعل بھی ایک' مقام بھی ایک' وقت بھی ایک لیکن حیثیات نے نتائج الگ الگ کر دکھائے۔

اسی طرح شارح علیہ الصلوۃ و السلام نے جس حیثیت و غرض سے یہ مسئلہ تقدیر پیش کیا تھا اس کی اب وہ غرض نہیں جس کی وجہ سے الٹے نتائج (رذائل) قوم میں پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ غلطی صرف ملا کی بے پروائی کی وجہ سے ہوئی کہ تقدیر کے مسئلہ کو علی العوام پیش کر کے ان کی طبیعتوں کو ایسا راسخ کیا کہ جب کہیں کوئی برا کام یا برا نتیجہ پیدا ہو وہاں یہ مسئلہ سب کے لیے فیصلہ کن اور خاموش کن ہو یا طبیعت کمزور ہونے کی وجہ سے بہانہ جو طبیعت نے خود حیثیت بھر لی۔

(سلسبیل دسمبر ۶۴ء)

پہلے عمومی چیز پیش کی اس کے بعد مثالیں پیش کیں اور نتیجہ نکالا کہ تقدیر کے نام پر بے عملی اور کاہلی کا سبق عوام کو دیا جا رہا ہے۔

"اقبال" کا ایک شعر اور میرے تاثرات" میں فرماتے ہیں کہ

۱۔ صوفی وہی ہے جو خواہشات کو ذبح کر کے اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی اس کی رضا میں صرف کرے ورنہ اس میں اور ایک عام آدمی میں کیا فرق ہے۔ ایک ایک خواہش انسان کے دل کو ڈستی ہے اور بے قراری بڑھتی جاتی ہے۔

۲۔ لیکن اگر خواہشات کے طورمار کو لا الٰہ کی نفی سے اڑا دیا جائے تو الا اللہ کے اثبات میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی اور جب اثبات الا اللہ ہو جاتا ہے تو پھر کیا کسی چیز کی کمی رہ جاتی ہے؟

۳۔ محمود نے جشن اور رنگارنگ لباس چنوا دیے اور کہا لوٹ لو۔ ایاز بھاگا بھاگا آیا اور محمود سے لپٹ گیا۔ بادشاہ نے کہا دولت لٹ رہی ہے ایاز وقت ہے کچھ لوٹ لو۔ کہا جہاں پناہ سے بڑھ کر کیا لوٹ لوں۔ سرکار کو پا لیا تو سارے جہاں کو پا لیا۔ جس نے خدائے قدوس کو اپنے اندر سمو لیا اس کو پھر کس دولت اور کس خواہش کی تڑپ باقی رہ جاتی ہے۔

کیسی مثال پیش کی۔ ایک بڑی چیز کے انتخاب نے سبھی فانی اور معمولی چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔ بعض اوقات حضور" کے مضامین مثالوں کے باعث طویل ہو جاتے ہیں پھر بھی ان میں حقائق کی تکرار نہیں ہوتی بے جا مواد نہیں' مسالہ مضمون سے متعلق' انداز بیان صاف' مثالیں اس کو جامع اور آسان بناتی ہیں' بھرتی کا کہیں نام و نشان ہی نہیں۔

"انعکاس" خالص تمثیلی مضمون ہے' اگرچہ محض ایک صفحہ ہے لیکن کتب پر حاوی۔ فرماتے ہیں۔

> "جس طرح آئینہ دار کمرے کی اندر سے باہر اور باہر سے اندر روشنی دکھائی دیتی ہے اسی طرح ٹھیک ترے ظاہر کی باطن اور باطن کی ظاہر پر روشنی پڑتی ہے۔ باطن صاف رکھ کہ ظاہر صاف نظر آئے اور ظاہر پاک بنا کہ باطن پاک ہو۔ تیری ظاہری حالت تیرے باطن کو بتلا رہی ہے اور تیری باطنی نیت تیرے ظاہر پر عیاں۔ اس کے سوا اگر کچھ تو زبان سے کہتا تو وہ جھوٹ بے معنی

ہے۔"

"تو اپنے ماحول اور گردوپیش کے لوازمات کو خوش منظر بنا کر اپنے باطن میں خوش منظری پیدا نہیں کر سکتا ورنہ تو کبھی مغموم نہ ہوتا۔ تو اپنے اندر باغ لگا کہ تیری نظارگی ہمیشہ تازہ رہے اور تو خوش۔ تیرے ماحول کو تیرے اندر سے کچھ واسطہ نہیں اور تیرا باطن تیرے ماحول سے بے نیاز۔ کبھی تو صحرائے لق ودق میں خوش اور کبھی تو گلستان نوبہار میں محزون اور مغموم۔"

دونوں پیراگرافوں میں مثالیں ہیں۔ پہلے کی ابتدا ہی مثال سے ہوتی ہے۔ اب نتیجہ دیکھیے کوئی بھی صرف لفاظی بے معنی کو پسند نہیں کرتا خواہ کتنے ہی مقفی ہوں اور نہ ہی معنی جلوہ گر ہو سکتا ہے جب تک الفاظ نہ ہوں۔ اس لیے تیرے اعمال کے لیے تیری نیت پاک اور خیالات بلند درکار ہیں اور تیری پاک نیت اور بلند خیالات کے لیے تیرے اعمال نہایت ضروری ورنہ تو ہیچ۔

(صفحہ ۱۰۳' سلسبیل اکتوبر ۶۳ء)

"قرآنی حقائق تصوف کے آئینہ میں" کے دیباچہ میں ارشاد ہے کہ

۵۔ اصل میں ریڈیو اسٹیشن سینکڑوں ہیں' لیکن اپنا ریڈیو سٹیشن وہی آواز پکڑتا ہے جس کے لیے ہمیں خواہش ہو اور اس کے ساتھ دل بستگی ہو۔"

.بعینہ یہی حال ہے کتاب و سنت کا' جسے جس چیز کی طلب ہے وہ اس سے چھانٹ لیتا ہے اور دوسرے علوم و معارف کی طرف توجہ نہیں دیتا۔"

مثال ریڈیو کی دی پھر نتیجہ اخذ کیا کہ ذہنی رجحان کے مطابق ہی کام کیا جاتا ہے۔ کل حزب بمالديهم فرحون

پھر فرماتے ہیں:۔

"ریڈیو کے والو جب بجلی کی گرمی سے روشن ہو جاتے ہیں اور گرمی سے ان میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے تو ریڈیو سٹیشنوں کی آواز پکڑنے لگ جاتے ہیں اور ہر سمت کی آواز کو الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔ .عینہ جب انسانی (والو) لطائف کو ذکر و اذکار کی گرمی سے روشن کر لیا جاتا ہے تو وحدت مطلقہ کے نشریے سنائی دیتے ہیں اور لطائف میں جتنی قوت زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی آواز صاف اور

بلند ہوتی ہے۔"

(صفحہ ۹۔ ۱۰ جون، سلسبیل جولائی ۶۶ء)

مثال اور تشبیہات دیکھیے پھر نتیجہ ریڈیو کے والو کی گرمی اور لطائف کا کھلنا مثال سے مطلب کتنا واضح ہو گیا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

——— "گو یہ ناممکن ہے کہ کسی غیر مرئی چیز کو دیکھا جا سکے اور پہچانا جا سکے لیکن غیر مرئی شے کے اثرات اور اس کی صفات سے اس کی وجودیت تو بہرحال تسلیم ہو جاتی ہے۔ بجلی دیکھی نہیں جا سکتی لیکن اس کی تار کو چھوتا کوئی نہیں اور جب کوئی چھوتا ہے تو فوراً جھٹکا لگ جاتا ہے۔"

ذات صفات کی وضاحت بجلی کے تار کی مثال سے ہو گئی ورنہ محض یہ لکھ دینا کہ خدا کسی نے نہ دیکھا اپنے صفات سے پہچانا جاتا ہے کافی نہ تھا۔

"توحید بہ حیثیت ظہور" میں توضیحی تمثیلات کے عنوان سے سلسبیل اپریل ۶۳ء کے صفحہ ۱۹ پر مثالیں پیش کی ہیں۔ یہ محض مثالیں نہیں ذاتی تجربات، مشاہدات اور کیفیات ہیں۔ مثالیں پیش ہونے سے پہلے افتتاحیہ جملوں پر غور فرمایئے:۔

"قبروں کے فیوض سے چور ولی ہو گئے اور ان کی برکات سے بگڑے سنور گئے اور مرے اٹھ بیٹھے، سوئے جاگ اٹھے، بے دین دیندار ہو کر کلمتہ الحق کے بلند کرنے میں سرفراز ہو بیٹھے۔ ایک نہیں سینکڑوں اور ہزاروں واقعات دنیا میں دیکھے اور سنے جاتے ہیں ان کو جھٹلانا تاریخی واقعات کو جھٹلانا ہے۔"

(صفحہ ۱۹۔ سلسبیل اپریل ۶۳ء)

ہاں تو افتتاحیہ جملوں کے بعد توضیحی مثالیں اور واقعات و مشاہدات ہیں اب نتیجہ ملاحظہ فرمایئے۔

"علماء جو کچھ فرماتے ہیں صحیح فرماتے ہیں لیکن جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ بھی

ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کے لیے دنیا سرگرداں ہے۔ اگر دولت مجھے مٹی سے مل جائے تو فرمایئے میں اس مٹی کے مزار پر کیوں نہ جاؤں؟"

(صفحہ ۲۰۔ سلسبیل اپریل ۶۳ء)

علماء کا فرمانا لیکن انہوں نے اس کو دیکھا کیا نری گفتار دید کے مقابل ہو سکتی ہے؟ یہاں مثالیں نہیں بلکہ مشاہدۂ ذاتی کا ذکر ہے۔

۸۔ سنجیدہ مزاح

حضورؒ کے مزاج میں مزاح کی چاشنی بھی تھی جو تبسم زیرلب محدود تھی۔ قبلہ عالمؒ کی مجلس کا نقشہ حاجی فضل احمد صاحبؒ کی زبان سے سنئے:۔

"حضورؒ کی مجلس کا انداز بالکل نرالا تھا۔ حاضرین کی طبع گویا آپ کی طبع ہوتی۔ نہایت لطیف ظرافت تھی۔ خود تبسم زیرلب ہو کر بات میں ایسی لطافت پیدا فرما دیتے کہ سننے والے ان کلمات سے جہاں خوش ہوتے وہاں حکمت کے موتی بھی رولتے۔"

(انقلاب الحقیقت صفحہ ۱۱)

ان تحریروں میں بھی اس کی گہری چھاپ ہے۔ مضامین میں مزاح فرماتے ہیں اور نہایت لطیف انداز میں حکمت و تصوف کے نکات پیش کرتے ہیں۔

اپنے مشہور مضمون "تقدیر اور تدبیر کے غلط سہارے" میں فرماتے ہیں:۔

"بیربل میں طاعون پھوٹنے پر میں نے گجرات کے علاقہ میں جانے کا ارادہ کیا جہاں سے مجھے پہلے ہی آنے کی دعوت اور وبائی اثر نہ ہونے کی خبر پہنچ گئی تھی۔ رات اپنے سٹیشن پر گزر رہی تھی۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ شکر ہے کہ ہم لوگ وباء زدہ مقام سے نکل کر جا رہے ہیں اور فکر و تردد کی کوئی وجہ نہیں۔ جب سٹیشن آہلہ پر اترے تو سواریاں موجود تھیں۔

مقام شب کی بابت دریافت کیا اور تسلی بخش جواب پانے پر ہم سوار ہو کر پہنچ گئے۔ لیکن شام کو جو لڑکا ہمیں لینے گیا اور اچھا خاصا عزیز تھا اس کی ران میں

درد اور گلٹی نمودار ہو گئی اور زور کا بخار چڑھ گیا۔ گو گھر والوں نے ظاہر نہ کیا
لیکن آخر راز کھل گیا۔ اس پر مزہ یہ کہ لڑکا میرے بغیر آرام نہ کرے۔ جب
بے ہوشی میں اسے گھر لے جائیں تو ہوش آنے پر دوڑ کر مسجد میں میرے
پاس آوراز ہو۔ پہلے تو میرے اوسان بھی خطا ہوئے کہ دو تین آدمیوں کے
ہمراہ ہم تو اس بلا سے بچنے کے لیے نکلے تھے لیکن پھر یہ غائب سے موجود۔ یہ
وقت ایسا تھا کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ پیرجی پھنسے مگر الٹے پھنسے مگر
آخر فوراً تسلی ہو گئی کہ تقدیر سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو۔"

(صفحہ ۱۴۔ سلسبیل دسمبر ۶۴ء)

سطور بالا کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں اور اس سے جو سبق سیکھا وہ بھی فرما دیا۔
حضورؒ کا قلم اس وقت زیادہ باغ و بہار بن جاتا جب وہ اپنی شخصیت کو مضمون میں شمولیت کا
شرف بخشتے ہیں۔ یہاں تمثیلی انداز میں مزاح دیکھیے' طرز ادا رومانی سی ہے لیکن نتیجہ خیز۔
——— "لیکن ایسے عشاق کہاں جو روئے جاناں کے سوا کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔
اب تو بیوفا معشوقوں کی طرح عشاق کی آنکھ بھی ادھر ادھر پھرتی رہتی ہے اور ہر آن طبیعت بدلتی
رہتی ہے۔
ایک آنکھ میں دس معشوق بستے نظر آتے ہیں۔ یہی حال ہماری خدائیت کا ہے۔ گو زبان پر ایک خدا
ہے لیکن عملاً ہر خواہش ایک خدا ہے جس کے لیے جان و دل قربان ہو رہے ہوتے ہیں۔"
(سلسبیل جون ۶۴ء ص۔ ۹' ۱۰)
نتیجہ خیز مزاح بھی اور انداز بھی جو انگریزی ادب کا طرہ امتیاز ہے' اردو میں اس کی مثالیں
بہت کم ہیں۔
جیسے کوئی واقعہ پیش آیا ویسے ہی بیان کر دیا۔ بظاہر کبھی تکلیف بھی پہنچتی تو اسے تکلیف
خیال نہ کرتے اور اس کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں فرما دیتے۔ ایک بار بیربل شریف میں سیلاب آیا۔
اس کی کیفیت بھی اسی انداز میں "قال و حال" دیباچہ "خزینہ معرفت" میں لکھتے ہیں:۔
"تذکرہ کا مسودہ مجھے گذشتہ سے پیوستہ سال عرس کے موقعہ پر دیا گیا تاکہ میں

اسے ترتیب دے کر پیش کروں لیکن واقعات اور حادثات نے مجھے اتنی فرصت نہ دی کہ احباب سے سرخرو ہو سکتا۔

سب سے پہلے سیلاب عظیم کی قیامت خیزبلا سے واسطہ پڑا اور کئی ماہ تک اس کے غارت کردہ مکانات اور ساز سامان کی مرمت رہی لیکن ابھی یہ معیبت نہ ٹلی تھی کہ موسمی بخار نے آگھیرا اور تمام کے تمام چارپائیوں کے اوپر سوار ہو گئے۔ چھ ماہ کے بعد جب مسودہ اٹھانے کی فرصت ہوئی تو تشیع اور فرقہ پرستی کی عالمگیر وباء نے ضلع بھر بلکہ پنجاب بھر میں سر اٹھایا۔ طبیعت نے غیرت کھائی چنانچہ کئی سو صفحے اس بارے میں لکھنے پڑے۔"

ہم لوگ اسے معیبت ہی خیال کرتے ہیں لیکن مرد قلندر آزمائش سمجھ کر اس کا استقبال کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے لفظ "گزشتہ سے پیوستہ سال میں جتنا لطف ہے وہ "آج سے دو سال پیشتر" میں نہ ہوتا۔"

۹۔ تنقیدی نظر

خالص ادبی موضوعات آپ کے لکھنے کا میدان نہ تھا لیکن جن کتب پر آپؒ نے تقاریظ اور دیباچے لکھے ہیں ان سے آپ کی تنقیدی نظر اور ذہنی معیار کا پتہ چلتا ہے۔

"ذکر محبوب" کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"سوانح میں سب سے پہلی بات یہ دیکھنا ہوتی ہے کہ صاحب حالات پہلے کس ماحول میں تھے۔ اس کے بعد ان حالات نے کس طرح پلٹا کھا کر دوسری طرف رخ کیا وہ کس طرح دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس سے متنفر رہے اور

سفر در وطن ——— خلوت در انجمن

کی عملی تصویر بن کر خالق کائنات کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر اس کے اثرات کیا ہوئے۔ اس کے بعد مجاہدہ سالک پر نظر پڑتی ہے۔ اس سے سبق حاصل ہوتا ہے سالکین کو جس سے ان کی ہمت بڑھتی ہے۔ پھر محبت پیر و مرشد دیکھنے کی چیز ہے۔ زاں بعد مسند ارشاد اور تربیت

مریدین سے راہنمائی حاصل کرنی ہوتی ہے۔ آخر میں تصرفات اور کیفیات کو دکھانا ہے تاکہ صاحب سوانح کی ولایت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

اگرچہ موجودہ تالیف "ذکر محبوب" آپ کے سامنے آگئی لیکن باب سیرت کی یہ آخری کڑی نہیں، ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ اسے صرف جلدی کا ناشتہ سمجھئے۔ اگر قارئین کی دلچسپی قائم رہی تو شاید اس کو دوبارہ حاصل کرنے میں پوری کوشش ہو سکے اور وہ سب کچھ تحریر میں آجائے جو اس کتابچہ میں نہیں آیا۔"

(دیباچہ ذکر محبوب صفحہ ۱۹، ۲۰)

"خزینہ معرفت" پر کیسے منصفانہ انداز میں محاکمہ فرماتے ہیں۔ بے لاگ اور سلجھے طریق کی ایسی تنقید تو پیشہ ور ناقدین کے یہاں بھی مفقود ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"کتاب ہذا کا گو ظاہراً مقصد یہی قرار دیا گیا ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت قبلہ مرشدم میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات طیبہ ہے لیکن درحقیقت یہ ایسا نہیں بلکہ تصوف حقیقی اور اسلام مجازی کا خاکہ دیا گیا ہے یا بالفاظ دیگر یہ 'خزینۃ التصوف' کہلانے کا مستحق ہے۔"

"حضرت مؤلف نے زیادہ زور اپنا اسی میں صرف فرمایا کہ حضرت قبلہ کے حالات کیفیات کو دیگر حضرات متقدمین کے ساتھ وابستہ کر کے دکھایا جائے اور احادیث نبوی سے ان کی تفسیر کی جائے۔ اگرچہ کتاب حقیقی معنوں میں نہایت مفید اور کامیاب تصنیف ہے لیکن حق یہ ہے کہ اصل میں جس غرض اور مقصد کے لیے قلم اٹھایا گیا تھا اس میں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔"

جس جامعیت اور کمال کی آپ کی ذات بابرکات تھی اس حیثیت کی سوانح کا لکھا نہ جانا باعث افسوس ضرور ہے۔

یوں متعدد کتب آپ کے حالات میں لکھی جا رہی ہیں اور لکھی جائیں گی لیکن ہمارے دل کی پیاس تو اس وقت بجھے گی جبکہ آپ کا حال ایک ایک عمل بلکہ ایک حرکت و جنبش اوراق کے اندر ضبط ہو کر ہماری بینائی کا باعث ہو گی۔

کسی کو آپ کے حالات و کیفیت کے جوڑتوڑ، تعلق و بے تعلقی، سلف اور خلف علیہم الرحمتہ کے ساتھ دیکھنے کا شوق ہو تو ہوا کرے لیکن ہمیں تو صرف عشق و محبت ہے تو آپ کے حالات سے آپ کی کیفیات سے۔"

(دیباچہ خزینہ معرفت۔ ص ۷)

۱۰۔ ایک روحانی رپورتاژ

حضورؒ کا ایک خط ہے جس میں ایک سفر کے کچھ حالات درج ہیں۔ حضور قبلہ عالمؒ کا یہ خط ایسا منظر پیش کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی حضور کی ہمراہی کے شرف سے مشرف ہیں اور اکابر صلحاؒ کے یہاں حاضری دے رہے ہیں۔ اردو میں رپورتاژ کی صنف موجود ہے جس میں سفر کی تفصیلات گرد و پیش کے معلومات پیش ہوتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق تصاویر سے بھی کام لیا جاتا ہے لیکن وہ محض ایک سفرنامہ ہوتا ہے۔

آنحضورؒ کے والانامہ میں ہمیں شہروں کے نام ہی نہیں ملتے بلکہ ان کی مقدس ہستیوں سے بھی تعارف ہوتا ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ سارا خط نقل کروں لیکن طوالت کے خوف سے ایسا نہیں کر پایا۔

(۱۰ / ۴ / ۱۹۶۳ء (دس تاریخ) کو سرگودھا سے روانہ ہوئے۔ اس وقت نفری تقریباً سترہ افراد کی تھی۔ عصر سے پہلے سیال شریف پہنچ گئے۔ فاتحہ پڑھا۔ سجادہ نشین صاحب موجود نہ تھے۔ ان کے بھائی اور چچا صاحب سے ملاقات ہوئی اور وہ بہت خوش تھے۔ چائے پلائی اور ہم نے رخصت طلب کی۔ رات جھامرہ رہے جو وہاں سے ۱۸ میل تھا۔ اپنے ایک دوست عبدالقادر کے ہاں رات بسر کی اور صبح چائے پی کر روانہ ہوئے اور تقریباً ۲ بجے سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو گئے لیکن سجادہ نشین وہاں بھی موجود تھے اور نہ ہی حاجی سلطان عبدالحمید صاحب تھے۔ قرآن مجید کا ختم پڑھ کر ہدیہ پیش کیا گیا۔ دعائیں کی گئیں اپنے لیے اپنے اقرباء کے لیے اور خصوصاً تمام

اہل سلاسل کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنی برکتیں نازل فرمائے اور ان میں طریقت جاری و ساری رکھے۔"

پھر فرماتے ہیں کہ

"ایک گاڑی میں ساڑھے آٹھ بجے موقع مل گیا اور تمام دوست بیٹھ گئے۔ تقریباً گیارہ بجے تونسہ شریف پہنچ گئے دریائے سندھ کے پل سے گذرے' فاتحہ پڑھا۔ روضہ شریف کا گنبد اور فقر کے شاہانہ ٹھاٹھ دیکھ کر حیرت میں آ گئے۔ کیا کہیں کتنا بڑا وسیع روضہ' تمام فرش سنگ مرمر اور تمام مزارات سنگ مرمر کے تھے۔ برآمدہ اور تسبیح خانہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ کیا ذکر کروں لیکن مسجد اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹی تھی بلکہ وہی نقشہ تھا جو خواجہ اللہ بخش صاحب نے بنیاداً رکھا تھا۔ تعارف سے ایک بہت بڑا مکان مل گیا اور کھانا بھی لنگر شریف سے پہنچ گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد سجادہ نشین سیال شریف بھی پہنچ گئے۔ ان سے نیاز حاصل کی۔ وہ بہت خوش ہوئے ملاقات کا بدل ہو گیا۔ ختم کلام اللہ پڑھا پھر دعائیں کیں خصوصاً یاران طریقت کے لیے پھر فارغ ہوئے۔"

(صفحہ ۹۵ شیخ الطریقت نمبر سلسبیل)

معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی مبارک سفر میں ساتھ ہیں۔ الفاظ نے سبھی تفصیلات کا نقشہ کتنے اچھے انداز سے پیش کیا ہے۔ اس منظر کشی کے بعد جو کیفیت دل کی ہوئی وہ ہمارے لیے بھی سبق آموز ہے۔

"——— غرض اپنا بھی کھایا' پرایا بھی کھایا' کچھ دیکھا' کچھ دکھایا' لیکن طریقت کی درماندگی ہر جگہ نظر آئی' شاخیں پھوٹ رہی ہیں' لیکن تنے کمزور ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں نئی زندگی عطا فرمائے۔

یُحْیِی الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیمٌ (۳۶ : ۸۷) قدرت یہی ہے کہ از سرِ نو زندگی بخشتی ہے اور نونہالان طریقت اپنے آپ کو سمجھا لیں کتنا دکھ ہوتا ہے کہ مقدس

مسندوں پر وہ بیٹھے ہیں جو اس کے اہل نہیں ہیں۔ ان کو خود شرم آتی ہے کہ ہم کس منہ سے بیٹھے ہیں' اس کا احساس میں نے ہر جگہ پایا۔ اللہ ہم پر ان پر اور تمام مخلوقات پر رحم فرمائے اور اپنے دین کو زندہ فرمائے اور ہمارے دلوں میں ایمان و یقین بڑھے اور ہمیں حسن خاتمہ سے سرفراز فرمائے رَبَّنَا اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكَافِرِيۡنَ۔" (۲: ۲۵۰)

۱۱۔ خاکہ نگاری

جون ۱۹۶۴ء کے سلسبیل کی گفتنی میں رسالہ کے نئے نظام سے تعارف کراتے ہوئے دفتر انچارج کی قلمی تصویر کھینچتے ہیں:۔

"جاتے ہی ایک نوجوان لمبے قد اور گورے رنگ' صوفیانہ صورت' تبسم زیرلب' نظر آتا ہے جس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی ادارہ تصوف کا دفتر ہے اور جس طرح کے وہ سوالات کرتا ہے' صوفی صاحب اس کا جواب نہایت متانت سے دیتے ہیں' پریشانی کا نام و نشان تک چہرے پر نہیں آتا اور سراسر سکون ہوتے ہی ادارہ کے خط وخال زائر کے دماغ پر اصل صورت میں نقوش ہونے لگتے ہیں ادارہ کی ضرورت و حقیقت سامنے آجاتی ہے۔"

ان چند سطروں میں صوفی اقبال صاحب" کا سراپا لکھ دیا' کیسا سلجھا ہوا انداز ہے' اس شخصی تعارف کے ساتھ رسالے کے نئے دفتر کی عمارت کا تعارف ملاحظہ فرمائیے۔ مکان سے لامکان کا موازنہ ہو رہا ہے۔ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِيۡ شَاۡنٍ (۵۵: ۲۹) (ہر آن وہ ایک نئی آن میں ہے) –

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت
رفت منزل بدیگرے پرداخت

الٹ پلٹ' ہیرپھیر' زندگی' موت' یہ کیا ہے؟ سرمدی انقلاب یا سرمدگی زندگی متواتر چل رہی ہے جس کی ابتدا نامعلوم جس کی انتہا نامعلوم' ختم ہو گا یا نہ ہو گا۔ مذہب بتلاتا ہے قیامت پر ختم ہو گا لیکن ہمارے نزدیک وہ بھی اسی سلسلہ

کی ایک کڑی ہے جس کو قیامت یا فنا کا نام دیا جائے گا کیونکہ حشر کا نام ہی بتلاتا ہے کہ یہ زندگی ہے۔

تبدیلی (فرد کی) اور نقل مکانی (دفتر کی) کیسے ستھرے انداز سے پیش کی کہ سب کچھ نظر کے سامنے آ گیا۔

خاکہ نگاری کی بات چل نکلی تو اپنے ایک دوست صوفی محمد رمضان صاحب" کے متعلق لکھے گئے چند جملے ملاحظہ فرمایئے۔

"میرے محترم دوست صوفی محمد رمضان صاحب عرصہ گذرا وہ اس علاقے میں انسپکٹر ڈاک خانہ جات کی حیثیت سے دورہ پر آئے اور ان سے ملاقات ہوئی۔ جسم اچھا خاصا بھاری اور چہرہ گول' اور سرخ آنکھیں عمدہ' ریش مبارک گھنی اور لمبی سینہ پر ہے اور اپنا تعلق جناب حضرت پیرو مرشد مولانا و مرشدنا میاں شیر محمد صاحب شرقپوری" کا بتلایا۔"

بمصداق ارشاد "حضور" "جب کبھی سوز دل نے مجبور کیا چند اوراق قلم سے نکل گئے" جذبہ ان سے تحریریں لکھواتا اور یہی سوزدل تحریر کی راہ قاری کے دل پر بھی اثر کرتا ہے۔

"سید کل حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے مضمون کی ابتدا ان فقروں سے ہوتی ہے۔

عالم ایجاد کے سردار دعائے خلیل کی اجابت' شجر آدم کے پھول' نخل حیات کے ثمر' جلوہ الٰہی کے آئینہ دار' ہستی آدم کے قمر' برج نبوت کے بدر منیر پر قربان جاؤں کہ سب سے آخر پھول کی طرح آیا تو کس ٹھاٹھ سے کثرت کو وحدت میں تبدیل کر گیا' ظلمت کو نور میں' بت پرستی' مٹی اور اوہام پرستی کافور ہوئی۔ کوئی مانے نہ مانے لیکن ذرا دل سے دیکھ لے کہ وہ کیا تھے اور کیا کر گزرے۔ دوسروں کا ان سے کیا مقابلہ۔" (صفحہ ۳۲' سلسبیل اکتوبر ۶۲)

نثر میں رومانوی انداز ملاحظہ ہو لیکن کتنا بامقصد پرمغز اور بامعنی۔

"نماز میں کلمات دعائیہ آپ زبان سے پڑھتے ہیں لیکن رکوع و سجود کیوں کیا جاتا ہے اس لیے کہ صرف پڑھنے میں وہ لطف نہیں جو پڑھنے کے ساتھ رکوع و سجود و قیام میں ہے۔ محبوب سے باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن باتوں باتوں میں آنکھیں بھی دوچار ہو جائیں اور ہاتھ میں ہاتھ آجائے یا جسم کے کسی حصہ کا لمس (چھونا) ہو جائے تو پھر عشق و مستی کا کیف دوبالا ہو جاتا ہے اور دنیا و مافیہا سب بھول جاتے ہیں۔"

(صفحہ ۵۱' سلسبیل اکتوبر ۶۲ء)

۱۲۔ جامعیت

حضور قبلہ عالمؒ کی تحریر میں مختصر جملے مگر جامعیت کے لحاظ سے اپنے اندر سمندروں جیسی گہرائی لیے ہوتے ہیں۔ تصوف کی چند اصطلاحات کی وضاحت ملاحظہ کیجئے۔

درویشی | درویشی چٹائی پر بیٹھی نظر آتی ہے لیکن اس کی نظر عرش بریں سے بھی پار ہوتی ہے۔

(صفحہ ۱۳' سلسبیل اپریل ۶۳ء)

ولی اللہ کیا ہوتے ہیں؟ | ہمارے جیسے انسان' ہماری جیسی صورت' لیکن جب ان کے دل میں محبت الہیہ اپنا گھر بناتی ہے تو ان کے جسم و صورت میں ایسی خاص جذب و کشش پیدا ہو جاتی ہے جو ہر دیکھنے والے پر محبت الہیہ کی ایک کیفیت وارد ہو جاتی ہے۔

حسن فطرت کے نظارے اور اس کے غمزے ہر ایک کی قسمت میں کہاں' کسی صاحب قسمت' بلند ہمت پر اگر کچھ نقاب کشائی اور جلوہ ریزی ہو جائے تو زہے قسمت وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ۔ (۲:۱۰۵) اور اللہ اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے۔

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند
ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

(صفحہ ۲۴' سلسبیل اپریل ۷۰ء)

مذہب کا سرچشمہ | مذہب کا سرچشمہ توحید اور عرفان ہے اور توحید و عرفان اس وقت تک حاصل نہیں ہوتے جب تک مجاہدہ کی بھٹی کے اندر سالک مدتوں اپنے نفس کو صاف نہیں کرتا اور بشریت کے اوصاف رذیلہ دور کر کے اوصاف ملکوتی سے متصف نہیں ہوتا۔"

(صراط مستقیم صفحہ ۲۲ - ۲۳)

حضور قبلہ عالمؒ کی تحریروں سے مختصر مگر جامع کی ایسی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۴۔ ماحصل

حضور والاؒ مضامین' مقالات اور مکتوبات وغیرہ کی شکل میں متعدد موتی چھوڑ گئے ہیں جن کی آب و تاب وقتی نہیں بلکہ لازوال ہے اور پھر خوبی یہ ہے کہ ان کی تحریریں عام فہم بھی ہیں' ایک متوسط قابلیت کا انسان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے' محض تھوڑا سا غور و فکر درکار ہے۔

سلسبیل جولائی ۶۳ء کی گفتنی میں خود فرماتے ہیں۔

> "مضامین سلسبیل بے شک اچھوتے اور بلند' معیار کے لحاظ سے بہت اچھے' لیکن ابھی پڑھنے والوں کی کمی ہے' جو احباب خریدتے ہیں وہ کار ثواب سمجھ کر یا کسی دوست کے کہنے پر خریدتے ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے ہمارے خریداروں میں چند آدمی بھی ایسے نہیں آئے جو ہمارے مضامین کی حقیقت تک پہنچے ہوں۔
>
> یہ مضامین دو طرح کے آدمی پڑھ سکتے ہیں یا تو وہ جو اس راہ تصوف میں پڑے ہوں اور راہ سلوک میں قدم زن ہوں اور ذوق سلیم رکھتے ہوں۔ دوسرے وہ اہل علم جن کو علمیت کے ساتھ فطری ذوق ہے' ہر لفظ اور ہر جملہ کو غور سے پڑھنے کے عادی ہیں۔ سرسری نگاہ سے دیکھنے والے ہمارے سلسبیل سے اتنا ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جتنا کہ دیگر عام رسائل سے اٹھایا جا سکتا ہے۔"

الغرض تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مقصدی ادب میں تحریر کے اعلیٰ معیار کے سارے تقاضے پورے کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ لیکن حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے مقصد پیش نظر ہونے کے باوجود ادب عالیہ کی بعض خصوصیات کو اجاگر کیا۔ آپ "کوئی پیشہ ور ادیب بھی نہ تھے" باوجود اس کے اپنی ذاتی قابلیت اور شرح صدر کے نتیجے میں اور تصوف کے دائرے میں رہتے ہوئے اردو ادب کو بہت کچھ دیا۔

* * * * * *

باب ۷

مذہبی افکار اور خدمات

اسلام دین فطرت ہے۔ جس کا ایک پہلو تو معاشرتی زندگی پر محیط ہے اور دوسرا عبادات اور اعتقادات کا سرچشمہ ہے جسے مذہب کہا جاتا ہے۔ اس لئے اسلام دین بھی ہے اور مذہب بھی۔ ہر مذہب کی بنیاد غیب پر ہے یعنی ظاہر پر نہیں بلکہ باطن پر ہے۔ یومنون بالغیب اسی امر کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس جو سراسر غیب (پوشیدہ) ہے' اس کی ذات حقہ کو تسلیم کرنا اور اس کے احکام غیب (مذہبی کتب) پر عمل کرنا' وحی' الہام' تعلیم و ارشاد جس کا تعلق کسی خارجی ذی شعور کے ساتھ نہیں بلکہ غیر مشاہدہ ذات کے ساتھ ہے اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں بلکہ وہ ذات آنکھوں کو پالیتی ہے۔ یہ سب کچھ غیب کے زمرے میں آتا ہے۔

مذہب کے تمام اعمال کا مدار اعتقادات پر ہوتا ہے کیونکہ اعتقادات ایک قسم کا اعمال کا سانچہ ہوتا ہے اور مذہب کا ہر عمل اس میں ڈھل سکتا ہے۔ اگر اعتقادات کمزور پڑ جائیں تو اعمال کی شکل و صورت بھی کمزور پڑ جاتی ہے اور مذہب جو اس معاشرے کے قیام کی بنیاد فراہم کرتا ہے اعمال کے صحیح اور موزوں نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ کی دیواریں مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اعتقادات کا جزو اپنی اپنی جگہ پورے کامل یقین اور ایمان کا درجہ رکھتا ہو اور اس میں کوئی لچک نہ ہو۔

مذہب انسان اور معاشرے کی کیا خدمت سرانجام دیتا ہے؟ یہ ایک فلسفیانہ قسم کا سوال ہے جس کا مجملاً جواب یہ ہے کہ مذہب انسانیت کی روح و رواں ہے۔ مذہب ذہنی کشمکش کو دور کرتا ہے۔ طبقات انسانی کو اتحاد' مساوات اور اخوت کا سبق ہی نہیں دیتا بلکہ عملاً ایک کر دیتا ہے اور معاشرہ کو یکجہتی اور یک رنگی کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ یہ نفرت و غرور کو مٹاتا ہے۔ حسد اور رقابت کو دور کرتا ہے۔ اتحاد محکم کی دیوار سے معاشرے کا قلعہ تعمیر کرتا ہے۔ انسانی ذہن کی فطرت ہے کہ وہ اختلاف پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلمتہ الحق لا الہٰ الا اللہ کے ذریعے وحدت

انسانیت کا سبق دیا جاتا ہے۔ اقتدار اور اختلاف کو اس کلمہ پاک سے مٹایا جاتا ہے۔ پھر اس کے تخم سے اعمال اور ثمرات کو یکسانیت ملتی ہے۔ جس کے نتیجے میں پوری انسانیت ایک لڑی میں منسلک نظر آتی ہے۔

مذہب کا یہ اساسی کردار جس کا تعین حضور قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی جودت فکر کا نتیجہ ہے۔ اس کی روشنی میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ جیسے عظیم مفکر اور فلسفی' عالم باعمل اور کامل ولی اللہ کے مذہبی افکار کا جائزہ لینا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ ایک ایسی ہستی جس کی تعلیم و تربیت علمی اور روحانی ماحول میں ہوئی ہو اور جسے اپنے عہد کے دو عظیم المرتبت اولیاء اللہ' حضرت خواجہ غلام مرتضٰی بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی ہو' ان کے عقائد و نظریات کی بنیاد قرآن و سنت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری رحمتہ علیہ اللہ کے سوانح نگار نے آپ کی پہلی سوانح حیات 'خزینہ معرفت' میں آپ" کے عقائد پر باقاعدہ ایک باب لکھا ہے اور لکھا ہے کہ۔

"آپ" حنفی المذہب تھے۔ طریقت میں آپ" کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے تھا۔ عقائد بھی آپ کے وہی تھے جو امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے تھے۔" (۱)

حضرت قبلہ عالم حضرت خواجہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ اپنے سلف صالحین اور اکابر طریقت کی روش کے مطابق اسی مذہب اہل سنت و جماعت کی حقانیت کے قائل تھے۔ تاہم آپ" بزرگوں کی روحانی تربیت اور علمی تبحر کی وجہ سے اپنا ایک منفرد اور فلسفیانہ انداز فکر رکھتے تھے اور عقائد میں اعتدال کو ملحوظ نظر رکھتے تھے۔ لہٰذا آپ" نے اسلامی عقائد و نظریات کی توضیح و تشریح کے لئے بہت کچھ بڑے منفرد انداز میں لکھا اور بالخصوص تصوف اسلام کے ادب میں گرانقدر اضافہ کیا۔ ذیل کی سطور میں ہم ان کا جائزہ لینے کی سعی کریں گے۔

۱۔ ماہنامہ سلسبیل "سیرۃ المصطفیٰ ﷺ نمبر: ص۔ ۲۱

۱۔ تصور توحید

عقیدہ توحید اسلامی ایمانیات کا پہلا زینہ ہے۔ وحدانیت' اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ اسلامی نظام زندگی میں توحید' روح و رواں ہے۔ توحید اہل ایمان اور اسلام کی بنیادی اصطلاح ہے۔ جس طرح توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اسی طرح اسی کی توضیح و تشریح بھی بڑی اہمیت اور افادیت کی متقاضی ہے۔ آپ" ہمیشہ اس بات کے شاکی رہے کہ ہمارے علمائے کرام اور مفسرین نے قرآن حکیم کے حقائق پر بہت کچھ لکھا لیکن وہ توحید کے موضوع کی کماحقہ' وضاحت نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں آپ" لکھتے ہیں۔

"میرا مقصد یہ ہے کہ علمائے کرام کے ہر طبقہ نے بہت کچھ قرآن حکیم کے حقائق اور معانی پر تفاسیر لکھی ہیں لیکن بلاتردد آپ ان آیات کا مطالعہ فرمایئے جن کا تعلق توحید کے ساتھ ہے تو یہ بالکل صحیح پائیں گے کہ تمام مفسرین ان آیات کو چھوڑ کر ایسے بھاگے اور ایک حرف تک اس بارے میں نہیں لکھا۔ مثلاً ان آیات کا مطالعہ فرمایئے جن کو بطور عنوان دیا گیا ہے۔ [1] ایک ایک لفظ تمام تفاسیر اور تراجم کا دیکھئے۔ لفظی ترجمہ کے سوا آپ کچھ لکھا ہوا نہ پائیں گے۔ دور کیوں جاتے ہیں۔ موجودہ وقت تک ہزاروں دینی رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ ہر ایک ملک سے شائع ہوتے ہیں لیکن دیکھئے کسی میں توحید مطلقہ پر کچھ نظر نہ آئے گا۔ رسالت پر مضامین ملتے ہیں۔ دین اور اس کے اجزاء متعلقہ پر مقالے نظر آتے ہیں۔ غرض ہر ہر جزو دین پر مضامین کے انبار نظر آتے ہیں لیکن ہاتھ کچھ نہیں آتا' توحید پر ایک لفظ بھی پڑھنے کو نہیں ملے گا ـــــــ ہمارے علمائے کرام جو اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں سینکڑوں کتابیں لکھ چکے ہیں لیکن اگر آپ ان کا مطالعہ کریں گے تو ان میں توحید کے میدان کا ایک حرف بھی سامنے نہیں آئے گا۔ آئے گا تو کیا؟ احکام توحید' کہ یہ شرک ہے' وہ شرک ہے یعنی یہ اعمال مشرکانہ ہیں لیکن شرک سے بچانے کے لئے کوئی اصل صورت توحید پیش نہیں کرتا۔ غور فرمایئے جب وہ (ذات اقدس) سامنے آ

۱۔ سورہ حشر کی آخری آیات جن میں ذات و صفات الہیہ کا ایک جگہ مفصل ذکر مجتمع کر دیا گیا ہے۔ ھو اللہ الذی ـــــ الاخرۃ۔

جائے تو پھر شرک کی کیا مجال۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب جلوہ آرائی ہوئی تو بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر آگیا اشہد ان لا الہ الا اللّٰہ واشہد ان محمد اعبدہ و رسولہ۔ ایک طرف خدائی تصور سامنے آگیا اور دوسری طرف اپنی رسالت کی حقیقت اور اپنے منصب کی اہلیت سامنے آگئی۔ اللہ اکبر' رسالت کے حاضر و ناظر ہونے کا جھگڑا ہے لیکن ذات اقدس کے حاضر و ناظر ہونے کا دھیان تک نہیں۔ فریقین خاموش ہیں' اور زبانی اقرار کے سوا کوئی فعل موحدین کا نظر نہیں آتا جس سے یہ معلوم ہو کہ امت اسے حاضر و ناظر خیال کرتی ہے اور یقین کرتی ہے کہ ہمارے ہر فعل کو وہ دیکھ رہا ہے۔"[1]

ماہنامہ سلسبیل کے جون جولائی ۱۹۶۶ء کے "توحید نمبر" میں چار اہم مضامین توحید' توحید بحیثیت ظہور' حال و قال اور 'وحدت الوجود' شامل کیے گئے۔ اس شمارے کے اداریے (گفتنی) میں آپؒ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا ذات اقدس دیکھنے میں آتی ہے یا کہ نہیں۔ اگر وہ دیکھنے اور سمجھنے میں نہیں آتا تو کروڑوں اربوں انسان اس کے قدموں پر سجدہ ریز کیسے ہو سکتے ہیں اور نبی اور ولی کا دوسرے انسانوں سے امتیاز کیا معنی رکھتا ہے۔ دانستن اور شناختن کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جاننے اور پہچاننے' میں بڑا فرق ہے۔ جاننے میں وہ یقین نہیں جو پہچاننے میں ہے۔ علم 'جاننا' خواہ کتنا وسیع ہو پھر بھی شناخت کے ادنیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ کسی شہر یا کسی انسان کی بابت کتنا بھی کوئی علم حاصل کر لے لیکن جب اسے دیکھیں گے تو اس کے دیکھنے کے اندر ایک شوق ایک محبت ابھرتی چلی جائے گی اور مشاہدہ سے پہلے علم کی بے مائیگی نظر آئے گی۔ لیکن اس علم یعنی صرف' جاننے' میں یہ محبت یہ شوق کیسے پیدا ہو سکے گا۔ معرفت الہیہ کا صرف جاننا کسی کے نزدیک معرفت نہیں۔ اہل علم سو دلائل سے اسے جانیں لیکن نہ جاننے کے برابر ہے۔ معرفت صرف شناختن کے اندر موجود ہے —— اس گئے گزرے زمانے میں مذہب کی جو لو روشن ہے وہ صرف علمی روایات کی وجہ سے نہیں بلکہ مشاہدات روحی کے ساتھ یقین کی وجہ

ا۔ ماہنامہ سلسبیل 'گفتنی۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۶۵ء ص: ۴' ۵

سے سرچشمۂ مذہبی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ جب شناخت الٰہیہ ختم ہو گی تو مذہب ختم ہو جائے گا۔" [۱]

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ توحید کے ادراک کے سلسلے میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے 'علم' اور مشاہدہ کو بنیاد بنایا ہے۔ آپ ؒ کے نقطۂ نظر کے مطابق علمی توحید صرف افکار اور استدلال ہیں اور یہ بے یقینی' پریشانی اور بے عملی کے سوا کچھ نہیں جبکہ ذوقی یا حالی توحید جو مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے سراسر یقین' اطمینان' ذوق اور محبت سے اور عمل سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس سلسلے کا طویل مضمون 'توحید' ہے جس میں آپ ؒ نے وجود باری تعالیٰ پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اور فلاسفہ کے علمی استدلال پر قائم توحید کے تصور کو ستم ظریفی خیال کیا ہے۔ اور اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ صفات الٰہیہ کے ظہورات اتنے عام اور واضح ہیں اور فطرت مقدسہ اپنی بے تابی جلوہ سے معمور ہو کر اپنے ظہور کے لیے ہمہ وقت بے تاب ہے اور اپنی شناخت کے لئے ہر لحہ مائل بہ کرم ہے۔ تو اس کو دیکھنے اور پہچاننے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات' قدرتی مناظر کی رنگا رنگی اور تخلیق کے دوسرے عوامل سب صفات الٰہیہ کے ظہور کا ذریعہ ہیں۔ آپ ؒ کے نزدیک ان کے مشاہدے سے توحید کا جو ادراک پیدا ہوتا ہے وہی توحید کا اعلیٰ تصور ہے۔

دوسرے مضمون 'توحید بحیثیت ظہور' میں آپ ؒ نے توحیدی تصور کی درجہ بندی کی ہے۔ آپ ؒ کے نزدیک سب سے اعلیٰ توحید قلبی ہے جو مشاہدات غیبی سے پیدا ہوتی ہے اور جس کے ظہور کے بعد کائنات کا ذرہ ذرہ خدائی جلوہ سے معمور نظر آتا ہے۔ اور ہر ذرہ کائنات تسبیح و تقدیس میں مشغول دکھائی دیتا ہے۔ یہ دولت صرف ان پاک نفوس کو حاصل ہوتی ہے جن کی خلقت صرف اسی لئے ہوتی ہے۔ وہ کسی دوسرے کائناتی امور کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اگر یہ رنگ غالب ہو جائے تو مجذوب کی صورت ہو نکلتی ہے' اگر برابر رہتی ہے تو مجذوب سالک کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور یہ سراسر یقین ہوتا ہے۔ دوسرے درجے کی توحید وہ ہے جو اول

۱۔ ماہنامہ "سلسبیل" "توحید نمبر" ص ۸

الذکر توحید کے عکوس اور ظلال ہیں۔ جو ان نفوس قدسیہ کے انوار سے دوسرے قلوب انسانی پر وارد ہوتے ہیں۔ گو عکوس اور ظلال ہوتے ہیں لیکن کیفیت میں یہ بھی ایک گونہ ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے اصل کے مشابہ ہوں۔ بہت کم لوگوں کو اصل اور فرع میں فرق نظر آتا ہے۔ گو اس کے برکات و اثرات بھی پہلے درجے کے برابر ہوتے ہے لیکن ان کے اندر دراڑیں نظر آتی ہیں۔

تیسرے درجے پر عقلی توحید ہے جو عقل صحیح سے پیدا ہوتی ہے اور استدلالی طور پر توحید تسلیم ہوتی ہے۔ ہر امر اگرچہ توحید کے ساتھ جکڑا ہوا نظر آتا ہے لیکن قلبی کیفیات اس سے متاثر نہیں ہوتیں۔ تاہم صاحب توحید احکام توحید کے سامنے سر تسلیم خم کرتا اور عملی توحید سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اس کی زبان میں اتنا زور ہوتا ہے کہ ہر مخاطب کو اس کے سامنے چپ کرنا پڑتا ہے لیکن مخاطب کا دل اثر پذیر نہیں ہوتا۔ چوتھے درجے پر عقلی توحید کے عکوس و ظلال ہوتے ہیں جو علمائے کرام کی خدمت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتے ہیں اور اپنے اصل کے مطابق زور آور ہوتے ہیں لیکن اس کے اندر کوئی قلبی اثر نہیں ہوتا۔ تاہم ایمان کے اندر ایک گونہ پختگی ہوتی ہے۔

موجودہ دور میں ایک توحید رسمی پیدا ہو گئی ہے جو پہلے نہ تھی۔ صرف زبان پر توحید' نہ قلب متاثر' نہ عقل نہ ان کے عکوس و ظلال ہیں۔ بس ایک فرقہ ہونے کی وجہ سے توحیدی فرقوں میں بیٹھے نظر آتے ہیں اور گروہ بندی کی وجہ سے صرف زبان پر شور ہوتا ہے' نہ خود مسلمان نہ مسلمان بننے کی خواہش' ایک وقت میں کچھ دوسرے وقت میں کچھ' ظاہر مسلمان اور باطنا" کافر ہوتے ہیں۔

اسی مضمون میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے موحد اور مشرک کے فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ توحید پرست اور مشرک کے اندر کی کیفیات کا بیان نہ صرف گہرے علمی اور معاشرتی مشاہدے پر دلالت کرتا ہے بلکہ یہ ایک ایسا دل آویز اور عام فہم ہے کہ ہر انسان اپنے آپ میں اس 'مقیاس' کے ذریعے اپنے اندر توحیدی تصور کے معیار اور مقدار کا اندازہ کر سکتا ہے۔

"وحدت یا وحدانیت کے اندر تمام صفات الوہیت جمع ہیں اور جب کوئی اس

وحدت کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی تصدیق کے ساتھ تمام صفات الوہیت بھی اس کی تسلیم کرتا ہے' اس ذات اقدس کے پہلو میں آنے سے تمام ارض و سما کی اشیاء سے بے خوف ہو جاتا ہے اور ڈرتا ہے تو اس سے' خوف کھاتا ہے تو اس سے' محبت ابھرتی ہے تو اس سے۔ کارسازی اس کی ہر جگہ' ہر موقع حاضر و ناظر' ایسی صورت میں ایک موحد بے خوف بے خطر اپنی زندگی گزارتا ہے اور پورے اطمینان سے زندگی بسر کرتا ہے۔ نہ اسے بھوک سے پریشانی ہے نہ پیاس سے خوف' وہ ہر حال میں شاکر رہتا ہے اور جانتا ہے کہ علیم و خبیر ماں باپ سے زیادہ مہربان سر پر ہے۔ اس صورت میں وہ ایسے خیال کرتا ہے جیسے ماں کی گود میں ہر آفت سے محفوظ ہے۔ ہر شر سے پناہ میں' بخلاف ایک مشرک کے کیونکہ شرک کی بنیاد خوف پر ہے اور شرک ہر چیز سے خوف کھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ خائف اپنے من گھڑت نہیں بلکہ ہاتھ گھڑت بت سے پناہ لیتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ اس کے اوسان خطا ہو چکے ہیں اور ذرا سے خوف کھانے پر' وقت گزارنے کے لیے دل میں خدا پر خدا بنائے رکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ پریشان خاطر اور پریشان حال رہتا ہے اور کسی وقت خوف و ہراس اس کے دل سے نہیں اٹھتا۔" (1)

توحید کی اس درجہ بندی (جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے) کے بعد آپؒ نے اسی مضمون یعنی 'توحید بحیثیت ظہور' میں 'توحیدی مقام' کی وضاحت کی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جس طرح بعض قلوب انسانی توحید کے لیے چن لیے جاتے ہیں اسی طرح روئے زمین پر فطرت مقدسہ نے بعض مقامات اپنے لیے چن لیے ہیں اور انہیں اپنے جلوؤں سے معمور کر دیا ہے' جیسے بیت اللہ اور دوسرے شعائر اسلام۔ ایسی مثالیں پیش کر کے توحیدی مقامات مقدسہ کی تجلیات الٰہیہ اور باطنی کیفیات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ساتھ زیارت قبور' تعظیم' خیر و شر کا تلازم' استمداد اور شرک وغیرہ جیسے مسائل کی مدلل تصریح فرمائی ہے۔ اسی مضمون میں ایک جگہ حقیقی موحد کی نشان دہی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ویسے تو ہر موحد کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر بڑا مہربان ہے اور بڑا فضل فرمانے

1۔ ماہنامہ سلسبیل "توحید نمبر"۔ ص: ۴۶' ۴۷

والا ہے لیکن اس کے پر تو اور عکس میں تو صرف وہی لوگ دیکھے جا سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق اور اس کی شان کریمی کے ساتھ خاص مناسبت ہے' اور وہ ہیں اولیائے امت جو دکھ سکھ اور بھوک کو بھی شان کریمی سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر راضی رہتے ہیں اور کسی سخت سے سخت منزل زندگی میں نہیں گھبراتے' ہر رنج و غم کو خوشی اور راحت کی طرح قبول کرتے ہیں۔ نہ کسی دشمن سے بیر ہے نہ ظالم کے ظلم پر چیخ و پکار ہے۔ غرض ہر حال میں خوش ہیں۔ کافر و مسلمان ان کی نگاہ شفقت میں برابر' ملحد اور گبر سے ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے بھائی بھائی سے کرتا ہے۔ ان کے اس حال سے دنیا خود بخود متاثر ہوتی ہے اور خود بخود صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنَ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور کوئی برے سے برا آدمی ان کو برا نہیں کہتا بلکہ ان کی خدمت میں حاضری کو عنایت الٰہیہ سمجھتا ہے اور جو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ اپنے اور بیگانے سے بلند تر ہو کر اس پر عنایت اور شفقت کی نظر رکھتے ہیں اور ہر جاندار ان کو اپنا جانتا ہے بلکہ خلیفۃ اللہ سمجھتے ہوئے ان کے قدموں اور چرنوں میں گرتے ہیں۔ خدا نہیں سمجھتے لیکن خدائے قدوس کا نائب ضرور خیال کرتے ہیں۔

بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ ~~لی یسمع~~ ولی یبصر (مجھ سے سنتے اور مجھ سے دیکھتے ہیں) کا کامل نمونہ دنیا کو دکھائی دیتے ہیں۔"[1]

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کے ساتھ توحید کے تصور کو جس انداز میں پیش کیا ہے ان کا پورا احاطہ کرنا ان صفحات میں ممکن نہیں۔ یہ چند ایک اقتباسات محض نشاندہی کے لیے لکھے گئے ہیں' ورنہ اس تصور کو سمجھنے اور اس سے پورا استفادہ کرنے کے لیے ماہنامہ سلسبیل کے 'توحید نمبر' کے بغور مطالعہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

۲۔ تصور رسالت

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اشرف المخلوقات اور سرتاج کائنات بنا کر زمین میں اپنا نائب و

۱۔ ماہنامہ سلسبیل "توحید نمبر"۔ ص: ۷۷

جانشین بنایا اور اسے بتایا گیا کہ اس کی زندگی کا مقصد خلافت ربانی کا قیام' عبادت الٰہی کا انتظام اور بہتر معاشرتی نظام کے قیام کی تشکیل ہے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے فطرت کاملہ نے جہاں انسان کی جسمانی بالیدگی اور تربیت کے لیے اشیائے کائنات کو پیدا فرمایا اور ان کو انسان کے لیے مسخر فرمایا وہاں اس کی روح کی بالیدگی کے لیے مختلف ذرائع ہدایت کا اہتمام بھی فرمایا۔ حواس' وجدان اور عقل کے علاوہ ہدایت وحی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے تاکہ ماوراء العقل حقائق کے ادراک کے لیے انسان کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ انسانیت کو صراط مستقیم دکھانے کے لیے جو واسطہ اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا اسی کا نام رسالت ہے۔

احکام خداوندی کو عملی جامہ پہنانے اور انسان کے سفلی جبلیات کو راہ راست پر لانے کے لیے خداوند کریم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اس منصب کے لیے منتخب کیا اور انہیں وقتاً فوقتاً انسان کی اصلاح کے لیے نبی اور رسول بنا کر بھیجا تاکہ وہ اسے گمراہی کے راستے سے نکال کر سلامتی کی راہ بتلائیں۔ احکام الٰہی کی اشاعت کے لیے ان پر خود بھی عمل کریں اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی نمونہ ہدایت بنیں۔ رسالت کا یہی مجموعی تصور ہے جس کا تعلق انسانیت کی اصلاح اور تربیت سے ہے اور اس منصب کا اصل مدعا اور مقصد بھی یہی ہے۔

سیرت پر حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ کے دو مضامین اگرچہ بہت مختصر ہیں لیکن ان میں اتنی جامعیت ہے کہ سینکڑوں کتابیں ان پر قربان۔ آپ" نے ان مضامین میں منصب رسالت کو ایک نئے انداز فکر سے دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے ذاتی تعلق کے سب سے بلند درجے کا نام رسالت ہے اور اس سے نچلے درجے کا نام نبوت ہے اور سب سے آخری درجے کو ولایت کے اصطلاحی نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تعلق کسی ظاہری شکل و شباہت' ڈیل ڈول یا کسی اعلیٰ خاندان کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتا بلکہ جسے ذات اقدس عزاسمہ' اپنے لیے واللّٰہ یختص برحمۃ من یشاء کے مطابق چن لے اور جس درجہ پر چن لے اس کے فضل و کرم کی عنایت ہوتی ہے۔ لیکن جب اسے اپنے انتخاب میں لے لیا جاتا ہے تو پھر اس تعلق اور نسبت کی وجہ سے اس کے تمام افعال و حرکات' عادات و اخلاق' افکار و خیالات اتنے بلند ہو جاتے ہیں کہ اس زمانے کا کوئی آدمی ان سے

مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے وہ شمع ہدایت ہوتا ہے۔ اور اس کی ہر حرکت اور ہر فعل' اس کی ہر عادت اور ہر خلق' اس کی ہر فکر اور ہر خیال انسانوں کے لیے کامل نمونہ ہو کر (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳: ۲۱) عوام و خواص کو اپنی پیروی میں جذب کر لیتا ہے اور ایک پوری ملت اس کی تابعداری اور اتباع کو حیات ظاہری و باطنی خیال کرتی ہے اور اپنی نجات دینی و دنیوی اس اتباع میں تصور کرتی ہے ـــــــ صرف اس تعلق الٰہی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ تعلق رگ و ریشہ میں جا کر دل و دماغ کو اتنا روشن کرتا ہے کہ جسم خاکی بھی تمام' نور علیٰ نور نظر آتا ہے۔ کوئی سخت دل انسان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ اس کی بشری صورت خدائی جلوہ گاہی کا نظارہ پیش کر دیتی ہے اور ایک دنیا سر خم کرنے پر فطرتاً مجبور ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تعلق الیہ کا آخری اور بلند ترین درجے کا نمونہ ہیں۔ نہ اتنا تعلق الیہ کسی کو نصیب ہوا بعد کا ذکر ہی کیا جبکہ آپ خاتم النبیین ٹھہرے ـــــــ "آخر آمد بود فخر الاولین" کے شرف کی مہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر دنیا میں لگ چکی اور یہ شرف مخصوص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات انور پر ختم ہو چکا ہے۔"[1]

منصب رسالت کی اس سے بہتر توضیح و تشریح اور کون سی ہو سکتی ہے جس کو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے سطور بالا میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپؒ نے اس عہد کے سیرت نگاروں کے ایک عام رجحان کی نشاندہی کی ہے اور اس رجحان کو مقام رسالت کے شایان شان قرار نہیں دیا ہے۔ آپؒ کے مطابق ہر امت کے پیروکاروں نے اپنے ہادی اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کے حالات لکھنے میں کمی نہیں کی لیکن افضلیت کا جو شرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو اسوہ حسنہ میں ملا کسی دوسرے کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا۔ ہزاروں کی تعداد میں سیرۃ النبی ﷺ پر کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور تاقیامت ہوتی رہیں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا کوئی ایک واقعہ بھی دنیا کی نظروں سے فروگذاشت

۱۔ ماہنامہ سلسبیل "سیرۃ المصطفیٰ ﷺ نمبر"۔ ص: ۲۱' ۲۲

نہیں ہوا۔ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" کے مطابق یہ شرف حاصل کرنے والا ہر شخص اپنے اچھوتے نظریے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور سوانح حیات طیبہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا چلا آیا ہے۔ موجودہ دور سے پہلے تمام کے تمام مؤلفین نے جو کچھ لکھا اس تعلق الیہ کے مطابق لکھا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو نبوت و رسالت کے اسی بلند ترین درجے کی اساس پر لکھا اور اسی نظریہ کو اپنی فکر کا محور بنایا لیکن موجودہ دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک سیرتوں میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہی کچھ ہے جو دنیاوی سیرتوں میں سجایا جاتا ہے۔ یعنی جس اخلاق کو دنیا پسند کرتی ہے نبی ﷺ کے اخلاق کو اس درجے پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب رجحان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کامیاب جرنیل' ایک سیاست دان یا ایک انقلابی لیڈر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کوئی آپ کو بڑا تاجر یا ایک بڑا معلم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دنیاداروں کے دل متوجہ کرنے کے لیے بے شک یہ بھی ایک پسندیدہ کارنامہ ہے لیکن کیا نبوت کی یہی شان ہے؟ کہ نبی آخرالزمان کو اچھا انقلابی یا گڈریا ثابت کرنے میں اپنا زورِ قلم دکھایا جائے جبکہ کسی قسم کی دنیاوی لیڈرشپ خود ہی خود ہوتی ہے' اس کے اندر کسی کا انعکاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بلند افکار سے سب کچھ بنائے اور بگاڑے جبکہ نبوت اور رسالت کے منصب عالیہ میں ایک قدم بھی اپنی مرضی سے نہیں اٹھایا جا سکتا اور نبی اور رسول کا ہر عمل اور فعل حکم خداوندی کی تابعداری میں صرف ہوتا ہے۔ سیرت نگاروں کے اسی رجحان کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"ایسے حالات میں دنیاوی رہنماؤں اور سیاسی پیشواؤں کے ساتھ نبوت کو کھڑا کرنا ایک مسلمان کو کتنا دکھ دینے والی بات ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس تقابل سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو روشن کرنا مقصود ہو۔ پھر جب تک اصل رشتہ الٰہی کو روشن تر کر کے نہ دکھایا جائے یہ تقابل بھی حرام ہے۔ ہمیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ایک فقیر بے نوا کی صورت میں دکھائی دیتی ہے جس کے فقر بے نوا نے شہنشاہیت کے پرخچے اڑا دیئے۔ اور جس کے سایہ ہما پایہ نے دنیا کے ہر خطرے کو امن میں تبدیل کر دیا۔ اور جس کی شیریں کلامی نے دنیا کو ذات الٰہی کی طرف متوجہ کر دیا۔ جس نے دنیا کی

خوبصورتی کو ایک بد صورت بڑھیا سے تعبیر کیا۔ اور جس نے برائی سے بچا کر ہمیں ہر نیکی کی طرف متوجہ فرمایا' کفر سے نکال کر مسلمان بنایا اور اس دنیاوی زندگی سے نکال کر اس پاک زندگی کی راہ دکھائی ہے جو ہمیشہ کی ہے' جو سرور اور خوشی سے پر ہے۔"[1]

اسی رجحان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مقام رسالت کو تعلق الہیہ کے بلند ترین درجے کو ایک اور انداز میں دکھایا ہے۔

"یہ جرنیلی اور لیڈر شپ تو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور کوئی ملک اس سے خالی نہیں لیکن وہ تعلق جو آپ کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا اور جس درجے کا تھا آج تو کیا جب سے آپ گزرے (وصال فرمایا) کوئی دوسرا دکھا سکتا ہے۔ معجزات' ہمکلامی' وغیرہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے اس تعلق الہیہ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے وہ اپنی جگہ سب بلند درجے کے تعلقات ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو کر ہمکلامی کا شرف حاصل ہونا یہ آخری اور بلند ترین عرفان کسی کو نصیب نہیں ہوا اور 'فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی' (۵۳:۱۰) کے پاک الفاظ تو اس درجے بلندی پر لے گئے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ما اوحی میں جو کچھ راز درون خانہ (حرم قدس) سے آشنا فرمایا گیا اور اپنے علوم سرمدیہ سے کس درجے تک نوازا گیا تا آنکہ یہ بھی فرمانے کی ضرورت محسوس ہوئی مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی 'لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ (۵۳:۱۷'۱۸) یہ شناسائی یہ معرفت الہیہ آپ ﷺ کے جسم و جان پر اس درجہ غالب ہو گئی کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کے ہر فعل اور ہر حرکت کو ذات الٰہی کی طرف منسوب کیا گیا اور فرمایا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (۵۳:۳) اور دوسری جگہ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (۸:۱۷) فرمایا گیا۔"[2]

مادی زندگی گزارنے اور دنیاوی نظم و نسق چلانے کے لیے اسباب و علل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسباب و علل کے انتظام اور اہتمام میں عقل بڑی کارساز ہے لیکن روح کے اطمینان و آرام کے لیے قلب پاک کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے جسم جان کے بغیر کسی کام کا نہیں ہوتا اسی طرح

۱۔ ماہنامہ سلسبیل "سیرۃ المصطفیٰ ﷺ نمبر"۔ ص: ۲۴

۲۔ ماہنامہ سلسبیل "سیرۃ المصطفیٰ ﷺ ایضاً۔ ص ۲۳

عقل، قلب نظر کے بغیر کسی کام کی نہیں۔ کارخانہ کائنات کو جو ہستی چلا رہی ہے اس کا تعلق مادیت سے نہیں بلکہ روح و جان سے ہے۔ اس لئے کائنات کی روحی زندگی میں نبوت کی روح آبیاری کرتی ہے۔ نبوت و رسالت کے اس تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"خدائے قدوس جو سراسر جان عالم ہے اور ہر مادیت سے پاک ہے اس کو اگر تعلق ہے تو جسم سے، مادیت کے ساتھ نہیں بلکہ روح و جان کے ساتھ ہے۔ روح و جان کا تعلق قلب کے ساتھ اتنا ہے کہ اس کے بغیر زندگی زندگی نہیں رہتی بلکہ موت طاری ہو جاتی ہے۔

نبوت بھی سراسر جان عالم ہوتی ہے۔ اور دنیا کی تمام روحیں کیا انسان کیا حیوان کیا اشجار کیا احجار تمام کی روحی زندگی نبوت کی روح سے آبیاری کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ گو مادی اسباب پر ایمان رکھنے والا اس تخیل پر ایمان نہیں لا سکتا لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے منتخب فرمایا اور جن کو اس راہ محبت میں لگایا اور جن کو اپنی ہستی مطلق کی لو لگائی وہ پورے اطمینان کے ساتھ دنیا کو یہ راستہ دکھانے میں تازہ دم پائے جاتے ہیں (اور بتاتے ہیں) کہ دنیاوی اسباب و علل کے پیچھے ایک ایسی روح مطلق کارفرما ہے کہ جس کی عکاسی کے بغیر دنیا ایک منٹ زندہ نہیں رہ سکتی۔" (۱)

منصب رسالت ﷺ اور مقام محمدی ﷺ سے متعلق حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک نہایت ہی مختصر مضمون "سید کل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے اس کا یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہو گا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے یہ چند الفاظ نہ صرف حیاۃ النبی ﷺ جیسے متنازعہ فیہ مسئلہ کی وضاحت ہیں بلکہ ادب عالیہ کی جان بھی ہیں۔

"عالم کون و ایجاد کے سردار، دعائے خلیل علیہ السلام کی اجابت، شجر آدم علیہ السلام کے پھول، نخل حیات کے ثمر، جلوہ الٰہی کے آئینہ، ہستی آدم علیہ السلام کے قمر، برج نبوت کے بدر منیر

۱۔ دیباچہ۔ انوار الہدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ۔ ص۔ ۹

پر قربان جاؤں کہ سب سے آخر پھول کی طرح آئے اور آئے تو کس ٹھاٹ سے' کثرت کو وحدت میں تبدیل کر گئے' ظلمت کو نور میں بدل دیا' بت پرستی ختم ہوئی اور ادہام پرستی کافور ہوئی۔ کوئی مانے نہ مانے لیکن ذرا دل سے دیکھ لے کہ وہ کیا تھے اور کیا کر گزرے دوسروں کا ان سے کیا مقابلہ؟ کوئی انہیں مردہ خیال کرے تو کرے چودہ سو سال سے ہم تو ان کے نام کا سکہ رواں دیکھتے ہیں۔ اور واحد ولایزال کے ساتھ ان کی شہادت اور پکار' اذان ہو تو ان کی شہادت' کلمہ کہو تو ان کے نام کے بغیر چارہ نہیں' نماز میں نیاز کرو تو انہی پر خاتمہ' غرض ایمان کہتے ہیں توحید کے ساتھ اقرار رسالت کو۔ سب پیغمبر بن کر آئے کوئی کہیں کا اور کوئی کہیں کا' مدت بھی کسی نے کچھ پائی اور کسی نے کچھ۔ یہ آئے تو ساری دنیا کے لیے خاتم النبیین ہو کر۔ بھلا کوئی بادشاہ مرے تو اس کے نام کا سکہ جاری رہ سکتا ہے؟ یہ مر گئے تو پھر ابھی تک سر تسلیم کیوں ان کے سامنے خم رہتا ہے؟ جو انہیں مردہ خیال کرے وہ کوئی دوسرا تلاش کرے۔ ان کے اقوال اور ان کے اعمال' ان کے اسوہ حسنہ پر کیوں قدم زن ہوتا ہے۔ بے دین ہے جو ان کی حیات کا منکر ہوتا ہے ورنہ کسی مذہب و ملت کو اس سے انکار نہیں گو وہ اپنا پیشوا نہ سمجھیں۔" (۱)

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی نگارشات کی روشنی میں ہم نے جن امور کا احاطہ کیا ہے ان میں یہ کہ آپؒ کے نزدیک رسالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے ذاتی تعلق کے بلند ترین درجے کا نام ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا یہ بلند ترین درجہ آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ تا ابد کسی کو نصیب ہو گا۔ دنیا کی کسی لیڈرشپ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے ساتھ تقابل اس لئے ناپسندیدہ عمل ہے کہ پیغمبر خدا کا ہر فعل منشاء اور رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ تمام کائنات کی روحی زندگی نبوت کی روح کی آبیاری کے بغیر زندہ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے پیغمبر کو مردہ تصور کرنا آداب دین کے خلاف ہے۔

۱۔ ماہنامہ سلسبیل "سیرۃ المصطفیٰ ﷺ نمبر" ص۔ ۲۴

۳۔ تصوّرِ طریقت

معرفت الٰہیہ کے حصول کا طریق کار جو صدیوں سے بزرگان دین کے سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے۔ اور جو علوم اور معارف الٰہیہ کی منفرد روایات اور اقدار کا حامل ہے طریقت کہلاتا ہے۔ پچھلے ایک باب میں "تصوف اور مقام تصوف" کے عنوان کے تحت حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مضمون نقل کیا گیا ہے جس میں اسلامی تصوف کے بارے میں آپ" کے نقطہ نظر کی وضاحت موجود ہے۔ یہ مضمون مختلف حلقوں کی طرف سے اقدار تصوف پر کیے گئے اعتراضات اور شبہات کا مدلل جواب ہے۔ آپ" نے تصوف کو اسلام کی روح قرار دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھی گئی ہے اور کسی دوسرے مذہب سے اخذ نہیں کیا گیا۔ پھر مذہب اور طریقت میں کوئی تصادم نہیں بلکہ طریقت ایک گونہ مذہب کی اصلی روح یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے شریعت اسلامی کے تابع اور اس کی مدد و معاون ہے۔ حضور قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے اس نقطہ نظر کی تائید میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مکتوب کی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں آپ طریقت کی تعریف متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وہ راہ جو اللہ تعالیٰ کو پہنچانے والی ہیں دو ہیں۔ ایک وہ راہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتی ہے۔ علیٰ اربابہا الصلوۃ و السلام اور اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے۔ اس راہ سے واصل ہونے والے اصل میں تو انبیاء علیہم الصلوۃ و التسلیمات ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی امتوں ۔سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں۔ اگرچہ وہ تھوڑے ہوئے ہیں' بلکہ بہت تھوڑے ہیں اور اس راہ میں توسط اور حیلولت نہیں۔ جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی وسیلے اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ اور ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب' اوتاد' بدلا' نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی سے عبارت ہے۔ بلکہ متعارض جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اسی راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے۔" (۱)

۱۔ مکتوبات حضرت امام ربانی"۔ مکتوب نمبر ۱۲۳ جلد دوم دفتر سوئم ص۔ ۱۹۲۵

ایک اور مکتوب میں طریقت کے مقصود کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم' عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں ہو پاتی اور جب شریعت متحقق ہو گئی تو حق سبحانہ' و تعالیٰ کی رضاء جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے فائق اور اعلیٰ ہے بھی متحقق ہو گئی۔ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۹ : ۷۲) اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی بھی بہت ہے۔ اس لئے شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن اور کفیل ہے اور کوئی ایسا مطلب اور مقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی محتاجی ہو۔ طریقت و حقیقت جس کے ساتھ صوفیاء ممتاز ہیں دونوں شریعت کی خادم ہیں اور ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جز یعنی اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں سے مقصود بھی شریعت کی تکمیل ہے' نہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔ احوال' مواجید' اور علوم و معارف جو صوفیاء کو اس راستے میں ہاتھ آتے ہیں وہ مقاصد نہیں بلکہ اوہام و خیالات ہیں جن سے اطفال طریقت کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ ان تمام سے گزر کر مقام رضا میں پہنچنا چاہئے جو جذب' سلوک کے مقامات کی انتہا ہے کیونکہ طریقت و حقیقت کے منازل طے کرنے سے اخلاص کا حاصل کرنا مقصود ہے جو رضا کو مستلزم ہے۔" (۱)

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے کم و بیش انہیں خطوط پر تصوف اسلام کے دفاع اور اسے عین شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا جس کی اہمیت حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کئی صدیوں پہلے اپنے مکتوبات اور دوسری تحریروں میں واضح کر چکے تھے۔ آپ" اپنے ایک مضمون "قرآن اور تصوف" مطبوعہ ماہنامہ سلسبیل جون ۱۹۶۵ء میں تصوف کی ماہیت

۱۔ مکتوبات حضرت امام ربانی" مکتوب نمبر ۳۶۔ دفتر اول۔ جلد اول ص۔ ۱۳۶

اور غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تصوف اس حصہ مذہب کا نام ہے جس کے اندر مشاہدات قرب الٰہی ہوں اور مشاہدات کی نوید ہروقت تازہ دم رکھتی ہو۔ ہر عمل کے لیے جانثاری کا جذبہ تازہ ہوتا رہے۔ ایک طرف اپنی کیفیات باطنیہ کا احتساب ہو اور دوسری طرف جلوہائے الٰہیہ کی بے تابی ہو اور صوفی کا دل اندر کباب ہو رہا ہو۔ ہر آن اس کا قدم بلند سے بلند مقام کی طرف چل رہا ہو۔ نہ خود سوئے نہ کسی کو سونے دے۔ نہ خود بیکار ہو نہ کسی کو بیکار دیکھ سکے۔ اپنے نفس کے ضبط سے دنیا کے نفوس کو ضبط کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ مگر جو بیچارہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے اس بیچارے کو صوفی کہنا اور اس پر تصوف کی بد عملی کے داغ دینا کون سی عقلمندی ہے۔ تصوف یہی چاہتا ہے کہ عمل کے اندر اخلاص' محبت' تقویٰ اور پرہیزگاری موجود ہو۔ ہر عمل اخلاص کی روح پر ہو۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ تصوف کے لیے مذہب میں کوئی مقام نہیں' کتاب و سنت میں اس کا اثر نہیں ملتا اور یہ کہ اسلام کی پیداوار نہیں بلکہ جوگ' ویدانت' اور رہبانیت ہے۔ یہ کتنی بے علمی ہے۔" (۲)

ایک دوسرے مضمون "حقیقت تصوف" (مطبوعہ سلسبیل اپریل ۱۹۶۵) کے آخر میں کم و بیش اسی نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس تمام تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مذہب اور ہر تہذیب کے دو حصے ہیں۔ ایک کا نام احسان ہے اور دوسرے کا نام عدل' اور دونوں تصور ذات وحدہ لاشریک سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح عدل کے قوانین مکمل کرنے کے لیے فقہ کا علم ضابطہ میں لایا گیا اور اس کا نام فقہ رکھا گیا اسی طرح ضابطہ اخلاق اور اس کی تکمیل کے لیے جو علم پیدا ہوا اس کا نام تصوف رکھا گیا اور جس طرح فقہ کی بنیاد قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ اور اسوہ حسنہ پر ہے بعینہٖ اس طرح تصوف کی بنیاد بھی قرآن' حکیم' احادیث اور اسوہ حسنہ پر ہے فقہ میں جہاں بنیادی طور پر نصوص سے حکم پیدا نہیں ہوتا وہاں قیاس اور اجتہاد سے کام لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی تصوف میں کشف'

۱۔ مکتوبات حضرت امام ربانی" مکتوب نمبر ۳۶۔ دفتر اول۔ جلد اول ص۔ ۱۲۶

انکشاف اور الہام ربانی رہبری کرتے ہیں اور وہی کشف و انکشاف اور الہام قابل قبول ہوتے ہیں جو دین کے ممد ہوں اور جو دین کے ساتھ کامل مناسبت رکھتے ہوں۔" (۱)

ذیل کی عبارت اس سے بھی زیادہ واضح ہے جس میں مذہب اور طریقت کے باہمی تعلق کو بڑے صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"مذہب اور طریقت کوئی الگ الگ دو چیزیں یا حقیقتیں نہیں ہیں بلکہ ایک بنیاد "خدا شناسی" ہے جسے عام الفاظ میں معرفت کا نام دیا جاتا ہے۔ بلکہ مذہب کی جان طریقت (شناسائی ذات) ہے اور بس۔ لیکن بانی مذہب کی شناسائی کامل اور اکمل ہوتی ہے اور اس کا مزاج کلی ہوتا ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے بخلاف صاحب طریقت کے کہ اس کی بنیاد جزوی ہوتی ہے اور یہ وقتی اور خاص حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ اصل معیار مذہب ہے نہ کہ طریقت۔ بلکہ طریقت وہی ہے جو مذہبی حدود کے اندر پھلے پھولے۔ اگر مذہبی حدود سے باہر نکل جائے تو وہ اپنا اعتدال اور موزونیت کھو بیٹھتی ہے۔ اس لئے ہر وہ طریقت جو جادہ اعتدال سے نکل جائے معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا اور ہر وہ طریقت جو معیار اسلام پر برابر نہ بیٹھے وہ مردود قرار پائے گی۔ (۲)

۴۔ راہ اعتدال

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات کی روشنی میں ہم نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے فقہی مسلک کی اس باب کے شروع میں بالوضاحت تصریح کر دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث میں قرآن و سنت کو حجت ماننے اور صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر چلنے والوں کو سچا قرر دیا گیا ہے اور امت محمدیہ ﷺ میں اس گروہ کی واضح علامت بتا دی گئی ہے کہ اس گروہ کی تعداد سب سے زیادہ ہو گی وہ سواد اعظم

۱۔ ماہنامہ سلسبیل جون ۱۹۶۵ء۔ ص۔ ۸، ۹

۲۔ ماہنامہ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر اگست ستمبر ۱۹۶۸ء ص: ۱۳۵

ہو گا۔ اس لئے تمام اکابر اولیائے کرام اہل سنت و جماعت کی تائید کرتے رہے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد و اعمال پر عمل پیرا ہونے کو دنیا کی عظیم ترین متاع قرار دیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے احیاء العلوم کے اس دور میں جس وقت سے قال اور حال میں صحیح توازن قائم نہ رہا اور خانقاہی نظام انحطاط کا شکار ہوتا گیا' علماء کے مقابلے میں صوفیاء نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کر لیا تو علماء کی طرف سے اقدار تصوف پر جارحانہ اعتراضات کئے گئے جس کے نتیجے میں اس سواد اعظم کے اندر بھی کئی متنازعہ مسائل سر اٹھانے لگے۔ مدرسوں اور شخصیتوں کی بنیاد پر الگ الگ مکاتب فکر نے جنم لیا اور چند فروعی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے پر کافر' مشرک' بدعتی اور گستاخ رسول کے فتوے صادر ہونے لگے۔ اس طرح ایک نئی ناپسندیدہ فرقہ واریت وجود میں آئی اور کئی علماء اور صوفیاء افراط و تفریط کا شکار ہوتے چلے گئے۔ اس عہد میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی واحد شخصیت نظر آتی ہے جس نے کمال دانائی اور حکمت عملی سے اس ناپسندیدہ روایت سے اپنے دامن کو داغ دار نہیں ہونے دیا اور اتحاد امت کے لیے اعتدال کی راہ اختیار کی۔ ظاہر ہے اس زمانے میں یہ بہت مشکل کام تھا کیونکہ ایسی صورت حال میں "اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش" والا معاملہ تھا۔ تاہم حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے ان حالات کے باوجود اپنے اکابر بزرگان رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے جادہ کو ترک نہیں کیا اور اتحاد ملت کی خاطر اعتدال کی راہ کو اپنائے رکھا اور اپنی گفتگو اور تحریروں کے ذریعے مسلک اعتدال کی پر زور وکالت بھی کرتے رہے۔ جولائی ۱۹۶۳ء کے ماہنامہ سلسبیل کی ایک عبارت ملاحظہ ہو۔

"ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے اتحاد قائم رکھنے کی کوشش جاری رکھے اور جہاں اختلاف آ جائے (اختلاف کا آنا ایک فطری معاملہ ہے) ایسے اختلاف کو رحمت خیال کرتے ہوئے اپنی راہ چلنا ہی اولیٰ ہے۔ اس مسلک پر چلنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ ہر کہ و مہ اس پر نہیں چل سکتا کیونکہ جو بیچارہ اپنی ہمت اس پر صرف کر دے اور چند قدم اٹھانے کی کوشش کر لے تو اپنی جہالت اور کمزوری ہمت کی وجہ سے اسے کیوں روکا جائے' بلکہ اتنا کہ کر گزر جائے کہ وہ بھی ایک مسلک ہے اور ہم بھی ایک طریقہ پر ہیں۔ دونوں راہ دین کی خدمت گزاری کے لیے ہیں۔"(۱)

۱۔ سلسبیل۔ جولائی ۱۹۶۳ء۔ ص ۱۷

اس راہ اعتدال کا تقاضا تھا کہ آپؒ نے کسی ایسے مکتب فکر کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھنے کی کوشش نہیں کی جس کی بنیاد اتحاد امت کو پارہ پارہ کرنے پر رکھی گئی ہو۔ بلکہ اپنے اکابرین صوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے قول و عمل کو اپنا مسلک قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپؒ بڑے دوٹوک الفاظ میں اس کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نہ ہم دیوبندی مسلک رکھتے ہیں نہ بریلوی۔ ہم مجددی اور شرقپوری مسلک اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے معارف و حقائق اور شغل و عمل آپؒ کے مکتوبات میں ذرہ ذرہ ملتے ہیں جو اس غرض کے لیے لکھے گئے ہیں اور حضرت شرقپوری نور اللہ مرقدہ' کی ذات والا صفات کی نیازمندی اور غلامی میں سالوں گزارے اور ایک ایک قول' ایک ایک فعل' ایک ایک حرکت اور ایک ایک ادا ہمارے روح و جان میں ہر وقت تازہ اور وہی ہماری زندگی کی مشعل راہ ہدایت ہے جس پر چلنا سعادت دارین خیال کرتے ہیں اور باعث نجات اخروی۔؎

؎ یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

آداب فرزندی کہیں یا آداب طریقت یا غلامی۔ جو کچھ حاصل ہوا آپؒ کی ذات والا صفات سے حاصل ہوا۔ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ ہماری نجات ان کی اتباع میں ہے اور بس۔"[1]

حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا راہ اعتدال پر عمل پیرا ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ ایسے متنازعہ مسائل جو اتحاد امت کے لیے نقصان دہ تھے ان سے متعلق بالکل خاموشی یا پہلو تہی اختیار کر لی جائے بلکہ ان سے متعلق اپنے نقطہ نظر کے اظہار کا جہاں کہیں موقع آیا واشگاف الفاظ میں ان کا اظہار فرمایا اور اگر کسی نے ان مسائل کے متعلق رائے طلب کی یا کسی تحریر میں اس کی ضرورت پیش آئی تو اس کا بڑا معتدل اور حکیمانہ جواب مرحمت فرمایا۔

ا۔ سلسبیل۔ جولائی ۱۹۶۳ء۔ ص: ۱۸

مثلاً ایسے حضرات جو "اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰی اِلَیَّ" (۱۸ : ۱۰) والی آیت کو پیش کر کے مقام رسالت ﷺ کو نہ سمجھتے ہوئے الٹا توہین رسالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں بلکہ مذکورہ آیت کی ایسی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جس سے مقام رسالت کی عظمت دلوں میں اور اجاگر ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"لیکن الحاد اور عقل کا برا ہو اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک قدم اب علماء کرام سے اٹھوایا کہ نبی یا رسول مرنے کے بعد ہم جیسے بے شعور اور بے حس ہو جاتے ہیں' ان کو کسی قسم کا علم نہیں رہتا۔ اس صورت میں خود خیال کیجئے کہ پھر نبوت کے ساتھ ہمارا کیا تعلق رہ جاتا ہے اور عقیدت کیسے بنتی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے نبی ﷺ کی محبت میں سرمست ہوں اور ان کی تابعداری میں اپنی فلاح خیال کریں۔

"میں تم جیسا آدمی ہوں" کہلانے کا مقصد لینا کہ وہ ہم جیسا' زندگی اور موت کے بعد ہمارے اوصاف سے متصف ہے۔ جو کچھ ہم ہیں وہ بھی یہی کچھ ہے' یہ سب زندیقی ہے:

ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

پھر نبوت اور رسالت کے اوصاف کہاں گئے؟ اور اطاعت رسول ﷺ کی طلب کیسی؟ اپنے جیسے کی اطاعت عقل انسانی سے دور ہے۔ مقصود تو ذات حقہ' کا یہ تھا کہ ہمارے رسول کوئی خدائی دعویٰ نہیں کر رہے تاکہ اوصاف الہیہ کے مطابق تم ان سے طلب کرو۔ پھر خام سوالات منکرین کا کتنا بلند جواب ہے کہ بھائیو "میں تم ہی سے ہوں" مجھ سے کیوں اتنی چھیڑ چھاڑ کر رکھی ہے۔ مجھے وحی کے ذریعے یہ باتیں بتلائی گئی ہیں اور قرآن پہنچایا گیا۔ اس میں عجوبہ ہی کیا ہے کہ تم انکار کئے جاتے ہو اور بے معنی اور بے مقصد سوالات کرتے ہو۔ ایک بڑے افسر کا کہنا کہ بھائیو! میں تم جیسا آدمی ہوں کتنا بلند اثر سننے والوں پر پڑتا ہے اور پھر اس کے کلام کو کتنی محبت اور کتنے غور سے سنتے ہیں۔ جو عجز و انکساری سے بات کرتا ہے۔ اسی درجہ پر دلوں میں بات قبولیت اور اثرانداز ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے یاروں نے الٹا نتیجہ پیدا کیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ ہم جیسے تھے' جس میں نہ دین ہے نہ شعور ہے۔ بھلا کافروں میں کیا دین تھا' کیا شعور تھا۔ کیا آنحضرت کے بارے میں اسی مثل سے آپ یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔

مرنے کے بعد اگر یہ نتیجہ ہے تو قبر کی زیارت کا کیا فائدہ اور حاضری اور درود پڑھنے سے کیا مطلب؟ اگر انہیں تسلیم نہ کیا جائے تو پھر فرمایئے احکام الٰہی کیسے؟ اور خدائے قدوس کیسے سامنے آ گیا؟ بے ادبی ضرور ہے لیکن خدائے قدوس کی ہستی نبی کی ہستی سے وابستہ ہے۔ نبی کی ذات حقہ خدائے قدوس کی ذات حقہ کا آئینہ ہے جس کے اندر ذات حقہ کے پر تو ہم دیکھ رہے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں۔ آئینہ اٹھا لیا جائے تو اپنی صورت آپ کون دیکھ سکتا ہے۔ یہی ذات رسالت ﷺ تھی جس نے خدائی جلوے ہماری آنکھوں کے سامنے کر دیئے ورنہ ذات حقہ لا شریک کروڑوں پردوں میں جلوہ زن تھی' کسی کو پتہ تک نہیں تھا۔ ہم آئے' ہمارے نبی آئے' نبیوں کے ذریعے اپنی جلوہ نمائی سے ہمارے دل و دماغ میں جلوہ نمائی شروع ہوئی اور ہم سربسجود ہوئے ——— آخر میں اتنا عرض کروں گا کہ توہین رسالت ﷺ سے توہین خدا ہوتی ہے اور توہین خدا سے مذہب کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اگر دین و مذہب کا خاتمہ منظور ہے تو دہریوں کی طرح کھلے طور پر آ جایئے اور ایک غیر مسلم کی طرح کھلے طور پر آ جایئے اور ایک غیر مسلم کی طرح کلہاڑا چلایئے۔ ان سے ہمیں درد نہیں ہو گا لیکن مسلمان ہو کر جب کوئی ایسے وار کرتا ہے تو ہمارے دلوں میں ناسور پیدا نہ ہو گا تو کیونکر؟ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔[1]

نبی اور رسول کو اپنے جیسا کہنے والوں کی خبر لیتے ہوئے فرماتے ہیں "مشہور ہے گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی' حقیقت مراتب کا اٹھ جانا زندیقی نہیں تو اور کیا ہے؟ مسلمانوں میں یہ مرض ہے کہ ایک فریق ہے کہ نبی کو اپنے جیسا انسان بنانے میں اپنے قوائے ذہنی خرچ کر رہا ہے دوسرا ہے کہ نبی کو الوہیت کی حدود کے اندر داخل کرنے میں اپنی اپنی روایات پیش کرنے میں وقت گزار رہا ہے۔ خدا اور بندے میں جب فرق نہ رہے تو خدا اور بندے کی تمیز کیا؟ خدا اور رسول میں فرق نہ رکھا جائے تو اسلام کیسا؟ لیکن نبی یا رسول کو اپنے جیسا بتا کر پھر اتباع و اطاعت کی دعوت دینا کتنی نادانی ہے۔ جو اپنے جیسا اس کی اتباع میں کیا فائدہ؟ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اپنے جیسا کہنے والے کبھی فلاح و فوز تک نہیں پہنچ سکتے۔"[2]

۱۔ سلسبیل۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء ص: ۷۴' ۷۵

۲۔ سلسبیل توحید نمبر۔ جون جولائی ۱۹۶۶ء۔ ص۔ ۸۳' ۸۴

بعض جاہل عقیدت مند قبروں کی تعظیم کے لیے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور صوفیاء کی تعظیم کرتے وقت بھی ان کے قدموں میں ایسے گرتے ہیں جیسے سجدہ کر رہے ہیں۔ سب سے تکلیف دہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان کو ایسا کرنے سے روکا نہیں جاتا بلکہ اس کو جائز خیال کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اسلام کے اندر سجدہ غیراللہ کرنے کی گنجائش نہیں خواہ وہ سجدہ تعظیمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ایک بہانہ ہے کہ سجدہ تعظیمی جائز ہے جیسے ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو کیا۔ کیونکہ خود سجدہ تعظیم کے سوا کیا ہے؟ ہاں ان دو ظاہری مثالوں سے اتنا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی ایسا کر بیٹھے تو اسے مشرک نہ کہا جائے۔ انسانی فطرت کی کمزوری سے بعض اوقات بے اختیار ناجائز تعظیم ہو جاتی ہے۔ مستقل قبور یا کسی دوسری ہستی کو سجدہ کرنا سراسر ناجائز اور منافی عقائد اسلامی ہے۔"

ایک دوسری جگہ اس مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"حالانکہ اولیاء کا یہ عقیدہ راسخ پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ سجدہ غیراللہ حرام ہے اور سجدہ مشارکت کسی صورت بھی جائز نہیں۔ عبودیت کی شان تو یہی ہے کہ خالق کل شئی کے سوا کسی کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔ لیکن اسلام کے یہ دعوے دار ہر مورت کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ارواح کی برکتوں سے ان کے اندر اسلامی روایات کا شعور پیدا فرمائے اور حرام و حلال کی بشارت بخشے تاکہ صاحب قبر کے فیوضات سے کامل حظ اٹھائیں اور مولا کریم کی تجلیات سے دل کو روشن پائیں۔" (۱)

وہ لوگ جو اپنے زعم میں شرک کے خوف سے یا کسی دوسری وجہ سے برگزیدہ ہستیوں کے مزارات کی تعظیم نہیں کرتے یا ان نفوس قدسیہ کی ارواح کو مردہ خیال کرتے ہیں اور ان کی فیوضات اور برکات سے انکار کرتے ہیں' ان کے متعلق آپ" فرماتے ہیں۔

۱۔ سلسبیل۔ "توحید نمبر" جون' جولائی ۱۹۶۶ء ص ۸۶' ۸۷

"صاحب قبر کو برگزیدہ خیال کرنا ایک حقیقت اسلامیہ ہے لیکن اسے خدائے قدوس کی طرح ہر امر میں متصرف خیال کرنا شرک ہے۔ دونوں کی تمیز اٹھ جانے سے اختلاف کی بنیاد مستحکم ہو گئی "نوبت با این جارسید" والا معاملہ پیدا ہو گیا کہ اب اچھے ذی علم بھی ارواح کو مردہ خیال کرنے میں اپنا زور لگاتے ہیں حالانکہ یہ حقیقت نہیں اور نہ حقیقت سے کوئی واسطہ ہے۔ قبروں کے فیوض سے چور ولی ہو گئے اور ان کی برکات سے بگڑے سنور گئے' مرتے اٹھ بیٹھے' سوئے جاگ گئے' بے دین دیندار ہو کر کلمتہ الحق کے بلند کرنے میں سرفراز ہو بیٹھے۔ ایک نہیں سینکڑوں ہزاروں واقعات دنیا میں دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔ ان کا جھٹلانا تاریخی واقعات کو جھٹلانا ہے۔"[1]

آخر میں اس عہد کے چند متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق آپؒ کی روزمرہ مجلس کی گفتگو کی چند جھلکیاں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس سے قارئین کو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

ا:۔ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے باتوں باتوں میں کہا شرک بہت ہو گیا ہے۔ لوگ یا رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟

مولوی صاحب: یہ شرک ہے۔

حضرت صاحبؒ : مولوی صاحب! یہ فرمائیں کہ اگر ایک ملزم کے ساتھ ایک سپاہی ہو تو وہ بھاگ سکتا ہے؟

مولوی صاحب: نہیں۔

حضرت صاحب: اگر دو ہوں تو۔

مولوی صاحب: پھر تو وہ قطعاً نہیں بھاگ سکتا۔

حضرت صاحبؒ : اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے جواب دہی کی شرمندگی کے ڈر سے گناہوں سے بچ جائے تو آپ کا کیا بگڑتا ہے؟

ا۔ سلسبیل توحید نمبر۔ جون' جولائی ۱۹۶۶ء۔ ص۔ ۸۳' ۸۴

حضرت صاحبؒ : آپ کو وہم ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی حاضر و ناظر نہیں سمجھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو گناہ کیوں ہوتے؟

۲۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت یا رسول اللہ ﷺ پڑھنا جائز ہے۔

فرمایا: جہاں پڑھنے کا مسلک ہو وہاں زور زور سے پڑھ لیا کرو اور جہاں نہ پڑھنے کا مسلک ہو وہاں نہ پڑھا کرو۔

ایک شخص نے عرض کیا: حضرت ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ فرمایا: کہو۔ اس نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں یا بشر۔

فرمایا: میں نے تو اس خاردار وادی میں قدم نہیں رکھا۔

پھر فرمایا کہ اگر میں ثابت کروں کہ آپ نور ہیں تو پھر ان کو رسول تو نہ مانو گے۔ اس نے عرض کیا مانوں گا۔

فرمایا: اگر میں ثابت کروں کہ آپ بشر ہیں تو پھر رسول تو نہ مانو گے۔ اس نے عرض کیا مانوں گا۔

پھر تم رسول ہی مانتے ہو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا للّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کیا نہیں پڑھتے۔ کیا یہی کلمہ نہیں جس کے پڑھنے اور ماننے سے انسان مسلمان ہو جاتا ہے اور نجات حاصل کر لیتا ہے۔ یہاں نور اور بشر کا تو کوئی تذکرہ نہیں۔

پھر فرمایا: بھائی تم نے رسول کو کوئی معمولی سمجھا ہوا ہے۔ رسول ﷺ ہونا بہت بڑا مقام ہے کہ عبدیت میں اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔ تیس پارے بھی تو رسول ﷺ کی زبان سے سنے ہیں۔ خدا کی وحدانیت کی خبر بھی رسول ﷺ ہی کی زبان سے ہے۔ جس ہستی کے ساتھ خدا خود ہمکلام ہو اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے اور ایسا اونچا مقام اور کس کا ہو سکتا ہے۔

۳۔ ایک مولوی صاحب بریلوی مسلک کے حاضر ہوئے۔ نور و بشر کے مسئلے پر گفتگو چل پڑی۔ مولوی صاحب سخت برہم ہو کر بولے اور زور زور سے گفتگو کرنے لگے۔ حضرتؒ نے فرمایا: مولوی صاحب نرم نرم اور محبت سے باتیں کریں۔ (حضرت صاحبؒ کا لہجہ نہایت ہی نرم

اور پرازشفقت و محبت ہو گیا۔) فرمایا: مولوی صاحب باتیں تو محبت بڑھانے کے لیے کی جاتی ہیں' محبت گھٹانے کے لیے تو نہیں کی جاتیں۔ وہ بیچارہ کھسیانہ ہو کر خاموش ہو گیا اور بہت شرمندہ ہوا۔ پھر آپ ؒ نے فرمایا: مولوی صاحب! آپ حضرات نے بھی بہت زور لگایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تو نہ بنا سکے۔ پھر ہم سے ناراض کیوں ہوتے ہو ہم بھی تو یہی کہتے ہیں "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔"

۴:۔ ایک طالب علم حاضر ہوا۔ پوچھا کہ حضرت الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے۔

آپ ؒ نے فرمایا: کیا حرج ہے۔

طالب علم: ہمارے استاد تو منع کرتے ہیں کہ یہ چالیس مسنون درود میں شامل نہیں۔

فرمایا: اگر آج ایک انگریز مسلمان ہو جائے اور جوش محبت اور عقیدت میں انگریزی زبان میں حضور ﷺ پر سلام بھیجنا شروع کر دے اور انگریزی میں تعریف کرنے لگے تو یہ درود نہ بنے گا اور کیا یہ ان چالیس کے اندر شامل ہو گا۔

پھر فرمایا خدا کونسا درود پڑھتا ہے۔ کیا ان چالیس میں سے آپ کسی درودپاک کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو خدا پڑھتا ہے۔ طالب علم خاموش ہو گیا۔

پھر فرمایا: خدا کوئی تسبیح ہاتھ میں لے کر درود تو نہیں کر رہا۔ اس ذات پاک کا درود یہ ہے کہ ہر آن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بڑھا رہا ہے اور ہر دم برکتیں اور رحمتیں نازل فرما رہا ہے اور درجات بلند کر رہا ہے۔

* * * * * *

باب ۸

سیاسی تصورات اور سرگرمیاں

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سیاست اور سیاسی مسائل پر اپنی ایک صائب رائے رکھتے تھے۔ ہر مسئلہ پر آپ ؒ غور و خوض کے بعد اپنا مؤقف اختیار فرماتے اور اپنی جودت فکر سے باریک سے باریک مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ اکثر لوگ اپنے دنیاوی معاملات فیصلہ کرنے کے لیے پیش کرتے۔ آپ ؒ ان کا فیصلہ نہایت احسن طریقے سے فرماتے جس میں کسی کی رو رعایت نہ ہوتی تھی۔ حق بات اس خلوص سے فرماتے کہ جس کے خلاف بھی ہوتی وہ اسے بخوشی قبول کر لیتا۔ الغرض حضرت قبلہ عالم ؒ کی ذات ایک ایسی جامع شخصیت تھی جنہیں اپنی ذات' نفس اور خواہشات پر مکمل قابو تھا۔ خلق خدا کی رہنمائی کی فکر اور باقی سب چیزوں سے ایک گونہ بے نیازی' صاحب حال ہونے کے ساتھ ساتھ قال کو اس لیے پسند فرمایا کہ لوگوں کی رہنمائی میں اس کو بڑا دخل تھا۔ اور یہ رہنمائی صرف دینی امور تک محدود نہ تھی بلکہ دنیاوی مسائل اور سیاست بھی اس میں شامل تھے۔ اس لیے حضور قبلہ عالم ؒ اپنے وقت کے بہت بڑے اہل الرائے اور مدبر سمجھے جاتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ آپ ؒ کے سیاسی تدبّر اور تفکّر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"بعض اوقات سیاسی مسائل میں اس قدر بلند گفتگو فرماتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اگر آپ ؒ سیاست ملکی میں حصہ لیتے تو آپ ؒ چوٹی کے مدبرین اور سیاست دانوں میں شمار ہوتے۔" (۱)

بادی النظر میں تو یہ چند الفاظ کسی بھی شخصیت سے متعلق کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۵۴

ہے ان جملوں میں اتنی جامعیت ہے کہ گویا ایک ہم عصر صاحب الرائے نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے تدبر اور تفکر کو چند الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ اس کے بعد کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے سیاسی تصورات اور سرگرمیوں کو سمجھنے کے لیے ہمیں نہ صرف اس عہد کے برصغیر پاک و ہند کے سیاسی منظر اور پس منظر کا مطالعہ کرنا ہو گا بلکہ اس عہد میں صوبہ پنجاب کی فیوڈل سیاست پر بھی نظر ڈالنی ہو گی۔ اور بالخصوص دیکھنا یہ ہو گا کہ ضلع سرگودھا (شاہ پور) جو اس عہد میں فیوڈل لارڈز کا گڑھ تھا اور حضور قبلہ عالم رحمہ اللہ علیہ کا آبائی ضلع تھا' اس میں سیاسی منظر کی صورت حال کیا ہو گی؟

سیاسی پس منظر

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے جس زمانے میں اپنی عملی زندگی میں قدم رکھا برصغیر پاک و ہند میں قومی سیاست اور آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ کانگرس اور مسلم لیگ جیسی قومی سیاسی جماعتوں کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی تو برصغیر کے مسلمانوں نے ترکی میں منصب خلافت کے تحفظ کے لیے تحریک چلائی۔ یہ تحریک اگرچہ اپنے متعین مقاصد میں بری طرح ناکام ہوئی لیکن اس کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی تربیت ہو گئی اور وہ اس قابل ہو گئے کہ مستقبل میں اپنے حقوق کا تحفظ جرأتمندانہ انداز میں کر سکیں۔ برصغیر میں مسلم قومیت کے نظریئے کا آغاز تو حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی اصلاحی تحریک سے ہو چکا تھا' سرسید احمد خان نے اس کی آبیاری کی تھی اور تحریک خلافت کی دوران اس نظریئے نے بہت تیزی سے اپنی ارتقائی منازل طے کیں۔ لہٰذا اس زمانے کا ہر ایک پڑھا لکھا مسلمان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حضور قبلہ عالمؒ اپنی اس میلان طبع کا ذکر کرتے ہوئے "انقلاب الحقیقت" میں لکھتے ہیں کہ

"طبیعت میں فطری میلان قومیت کی طرف تھا اور اخبارات کے مطالعہ نے اس میلان کو جذبہ کی صورت میں نمایاں کر دیا' پھر خلافت پروپیگنڈہ نے اس جذبہ کو عملی صورت دے دی

تھی۔" (۱)

تحریک خلافت کے بعد برصغیر میں آئینی اصلاحات اور قومی سیاسی جماعتوں کی تحریکوں کا دور شروع ہوا۔ اس عہد میں سیاسی اعتبار سے ہر پڑھا لکھا مسلمان مسلم قومیت کی بقاء اور وقار کا خواہشمند تھا جن میں ہمارے قبلہ و کعبہ رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ اگرچہ اس عہد میں کانگرس کے مقابلے میں مسلم لیگ اتنی فعال نہیں تھی لیکن حضور قبلہ عالم" شروع ہی سے سیاسی طور پر مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کا اثر صوبہ پنجاب پر پڑا۔ ان انتخابات میں ضلع شاہ پور کے حلقہ سے خان بہادر نور محمد صاحب مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ حضور قبلہ عالم نے مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت کی۔ اس وقت بیربل شریف کے مغرب میں پرائمری سکول کی عمارت تھی۔ ووٹنگ کے دن آپ" وہاں تشریف لے گئے اور سارا دن مسلم لیگ کے لیے اپنے گاؤں سے ووٹروں کو حق رائے دہی کے لیے بھیجتے رہے۔

علاقائی سیاست

اس عہد میں ضلع سرگودھا جو اس وقت ضلع شاہ پور کہلاتا تھا اس کی علاقائی سیاست ایک خاص پس منظر کی حامل تھی۔ یہ ضلع صوبہ پنجاب کے بڑے جاگیردار جن میں نون' ٹوانے اور قریشی خاندان شامل تھے' ان کا علاقہ تھا اور عام لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ ان جاگیردار خاندانوں کے آباؤاجداد نے قوم سے غداری اور انگریز حکومت کی خدمت کے صلے میں بڑی بڑی جاگیریں حاصل کی تھیں۔ لہٰذا ان کی اولادیں بھی بالعموم انگریز حکومت کی وفادار تھیں۔ خدمات کے صلے میں انگریزوں نے انہیں وسیع اراضی کا مالک بنا دیا تھا جن میں کئی کئی گاؤں شامل تھے جہاں وہ ریاست کے اندر ریاست کے مطلق العنان حکمران تھے۔ سینکڑوں لوگ ان کی زمینوں کے کارندے اور نوکر چاکر تھے جن کے ذریعے وہ ان علاقوں میں غریب مزارعین اور دوسری رعایا پر

۱۔ انقلاب الحقیقت۔ ص۔ ۱۱

ظالمانہ انداز میں حکومت کرتے تھے۔ خاص کر ٹوانہ خاندان جس کے سربراہ ملک عمرحیات ٹوانہ تھے اس علاقے میں ایک ریاست "کالرہ سٹیٹ" کے مالک تھے۔ بیربل شریف کے قریب دریائے جہلم کے مشرقی کنارے میکھ نامی ایک گاؤں میں ان کی وسیع جائیداد تھی۔ انگریزوں کے دور حکومت میں ٹوانہ خاندان کو بڑا عروج حاصل ہوا اور اس علاقے میں ملک عمرحیات ٹوانہ کی عیش و عشرت اور جاہ و حشمت کے قصے آج بھی مشہور ہیں۔ جن جن علاقوں میں ان کی اپنی زمینیں تھیں وہاں انہوں نے دریائے جہلم کے مشرقی کنارے سے موسمی نالے نکلوا رکھے تھے' جن سے نہ صرف وہ اپنی زمینیں سیراب کرتے تھے بلکہ دوسرے کاشتکاروں کو بھی پانی مہیا کرتے تھے اور پانی کے بدلے فصل کی برداشت کا چوتھا حصہ بطور آبیانہ وصول کرتے تھے۔

ان کے کارندے وصولی کے وقت غریب کاشتکاروں سے ظالمانہ سلوک روا رکھتے تھے۔ سیاست اور حکومت میں بھی ان کا عمل دخل ہوتا تھا۔ اس لیے کوئی بھی ان کے خلاف سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جب اس علاقے میں سرکاری نہر کا اجراء ہوا تو یہی باا‌ثر زمیندار اس کے افتتاح میں بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے کیونکہ اس کے اجراء سے ان علاقوں میں ان کی مطلق العنانی اور اجارہ داری کا خاتمہ نظر آ رہا تھا۔

ٹوانہ خاندان کی میکھ کی جائیداد بیربل شریف کے بالکل قریب واقع تھی۔ جہاں ملک عمرحیات ٹوانہ اکثر سیر و تفریح کے لیے آیا کرتے تھے۔ آس پاس کے دیہات کے لوگ ان کے اقتدار کے زیر اثر تھے۔ بیربل شریف میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا خاندان جس کا آبائی پیشہ فقر و فقیری تھا' کبھی بھی ان کی شان و شوکت سے مرعوب نہیں ہوا۔ ملک عمرحیات ٹوانہ اعلیٰ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ اس وقت بیربل شریف کی خانقاہ علمی اور روحانی اعتبار سے اپنے جوبن پر تھی اور حضرت اعلیٰ بیربلوی" کے زیر سایہ نہ صرف دینی علوم کی تدریس کا اعلیٰ انتظام موجود تھا بلکہ سلسلہ نقشبندیہ کے روحانی فیوض کا چشمہ بھی اسی سرزمین سے ابل رہا تھا۔ حضور قبلہ عالم" دونوں خاندانوں کے حالات کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ملک شیر محمد خان مرحوم جو ملک عمرحیات خان مرحوم کے رشتہ میں چچا تھے

اور بارہ ہزار سالانہ کے جاگیردار تھے' کالرہ سے بیربل شریف بہ سلسلہ مقدمہ وراثت میں میاں عطر صاحب رحمتہ اللہ علیہ حاضر ہوئے۔ بعد دوپہر وہ درس میں پھرتے رہے اور ہر مدرس کو اپنی تعلیم میں منہمک دیکھا اور کسی نے بھی جب ملک صاحب کی طرف توجہ نہ کی تو ملک صاحب بے اختیار بول اٹھے کہ یہ مشغولیت کہیں نہیں دیکھی کہ مجھ جیسے شخص پر کسی نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔" (۱)

اعلیٰ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ کے فقر و استغناء کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک بار ملک عمر حیات ٹوانہ میکھ آئے اور انہوں نے حضرت اعلیٰ رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کا پیغام بھیجا۔ جوں جوں ان کی ملاقات کا وقت قریب آتا' خادم باربار عرض کرتا کہ حضور! ملک صاحب آنے والے ہیں قالین بچھا دیں۔ حضرت اعلیٰ رحمتہ اللہ علیہ خاموش رہے۔ چنانچہ جب ملک صاحب آئے تو جہاں آپ" تشریف رکھتے تھے وہیں بیٹھ گئے۔" (۲)

وقت گزرتا رہا اور فقر و استغناء کا یہی تسلسل جاری رہا حتیٰ کہ حضور قبلہ عالم" کا زمانہ آیا تو ملک عمر حیات مرحوم کے بیٹے ملک خضر حیات ٹوانہ صاحب اقتدار تھے۔ وقت نے کروٹ بدلی تو پیش منظر یہ تھا۔ ملک صاحب انگریز کے وفادار اور یونینسٹ پارٹی کے سربراہ تھے اور حضور قبلہ عالم" ایک فقیر بے نوا مسلم لیگ کے حامی اور تحریک پاکستان کے بے لوث کارکن۔ چونکہ حضور قبلہ عالم" اس بااثر خاندان کے زیراثر علاقے میں تھے' اس لیے ملک خضر حیات نے اپنے کارندوں کے ذریعے حضور قبلہ عالم" کو مسلم لیگ کی حمایت سے باز رکھنے کے لیے لالچ اور دباؤ کے دونوں طریقے استعمال کئے۔ چنانچہ ملک صاحب نے اپنے کارندے کے ذریعے معقول رقم کی ایک تھیلی اور ایک عریضہ آپ" کی خدمت میں پیش کیا جس میں مذکورہ رقم کو بطور نذرانہ قبول کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔ حضور قبلہ عالم" نے مذکورہ رقم واپس کر دی اور عریضہ کی پشت پر لکھ

۱۔ سلسبیل فروری ۷۹ء ص۔ ۲۳

۲۔ ماہنامہ "نور اسلام" اگست ۱۹۵۶ء ص۔ ۲۷

دیا۔

ع نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا

کچھ عرصہ بعد جب وہی کارندہ حاضرخدمت ہوا تو حضور قبلہ عالمؒ نے رقم کی واپسی سے متعلق ملک صاحب کے تاثرات معلوم کئے تو اس نے عرض کی کہ ملک صاحب نے کمال حیرت سے حضورؒ کا جواب پڑھا اور کہا کہ اس "میاں" کو آج تک ہمارے ساتھ کوئی بھی کام نہیں پڑا ہے۔ "حضور قبلہ عالمؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ ان شاء اللہ آئندہ بھی کوئی کام نہیں پڑے گا۔"

جاگیردارانہ نظام کا ایک مؤثر طریقہ یہ تھا کہ جو شخص ان کے زیراثر نہ آتا تو اس کے مال مویشی کو چوری کروا لیا جاتا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ملک صاحب کا ایک بدمعاش قسم کا نوکر گھوڑی پر سوار ہو کر حضور قبلہ عالمؒ کے احاطہ میں آیا اور کھڑے کھڑے ملک صاحب کی مخالفت کی صورت میں برے انجام کی دھمکی دی تو آپؒ نے فرمایا کہ "ملک صاحب ہم سے تسبیح اور مصلیٰ تو نہیں چھین لے گا۔" یہی آدمی جب واپس جانے لگا تو تھوڑی دور جا کر ایک نہر کے کھال کو عبور کرتے ہوئے گھوڑی سے گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی جس کے نتیجے میں تین سال تک مسلسل چارپائی پر پڑا رہا۔

کوٹ پہلوان کے سردار محمد حیات میکن جو ملک خضرحیات کے خالہ زاد بھائی تھے اور اس علاقہ میں ملک صاحب کے نمائندے کی حیثیت سے کافی اثرورسوخ رکھتے تھے ملک صاحب نے انہیں کہلا بھیجا کہ عجیب بات ہے ایک "میاں" کو آپ قابو نہیں رکھ سکے تو اس نے ملک صاحب سے کہا کہ "وہ صرف میاں نہیں کوئی اور چیز ہے۔" چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ملک صاحب اور اس کے کارندوں کو کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضور قبلہ عالمؒ کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، البتہ "شاہ دا روضہ" [1] کے رہنے والے پٹواری محمد حسین مرحوم جو اس علاقے میں تعینات تھے اور حضور قبلہ عالمؒ کے عقیدت مند ہونے کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے سرگرم رکن تھے

۱۔ شاہ پور شہر کے جنوب میں حضرت شاہ حسینؒ نامی ایک بزرگ کا مقبرہ مغلیہ عہد کے فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اسی نسبت سے یہ گاؤں "شاہ دا روضہ" کے نام سے معروف ہے۔

ان کی دو بھینسیں اور گھر کا نلکا چوری کروا لیا گیا۔ لیکن یہ عظیم مقصد کے مقابلے میں ایک نہایت معمولی قربانی تھی۔ اگست ۱۹۶۷ء میں آپؒ بیمار ہو کر سروسز ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے اور اسی دوران ملک خضر حیات ٹوانہ کا سیکرٹری تین دن مسلسل ملک صاحب کی طرف سے بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوتا رہا۔

حضور قبلہ عالمؒ اور مسلم لیگ

جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد جب برصغیر پاک و ہند میں تیزی سے سیاسی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں تو پنجاب میں بھی مسلم لیگ فعال ہو گئی۔ اس علاقے کے مشائخ عظام نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' چنانچہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات جو قیام پاکستان کے مطالبے کی بنیاد پر لڑے گئے تھے اس میں پنجاب کے غیور مسلمانوں نے مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دے کر اس کو کامیاب کرایا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اپنے علاقے میں مسلم لیگ کو کامیاب کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اتفاق سے اس ضلع کے بااثر قریشی خاندان کا تعلق مسلم لیگ سے تھا' اس خاندان کے سربراہ میاں محمد حیات قریشی مرحوم اور ان کے دونوں صاحبزادے میاں محمد ذاکر قریشی مرحوم اور میاں محمد سعید قریشی مرحوم مسلم لیگ کے فعال راہنما تھے جنہوں نے صوفیائے کرام کی مدد سے اس علاقے میں مسلم لیگ کو منظم کیا۔ "رادھن"[1] کے مقام پر انہوں نے مسلم لیگ کا ایک کنونشن بلایا جس میں حضور قبلہ عالمؒ نے اپنے علاقے کی نمائندگی کرتے ہوئے شرکت فرمائی۔

برصغیر میں مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا قیام کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس میں ہندوستان کے مسلمانوں کو بڑی قربانیاں دینا پڑیں اور بڑی بڑی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا' لیکن خدا کے فضل و کرم سے اور مشائخ عظام کی دعاؤں اور عملی سرگرمیوں سے برصغیر پاک و ہند میں تقریباً صدی کے بعد اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل ہو گیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے بعد آزادی کی یہ تحریک اپنے منطقی انجام کو پہنچی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس مملکت خداداد کے

۱۔ قریشی خاندان کا آبائی گاؤں جو سرگودھا شہر کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

حصول کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ بنے اور تحریک پاکستان کی مخالفت کی اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی ان کے مقدر میں لکھ دی۔ ملک خضر حیات مرحوم اور اس کا خاندان ایسے تنزل کا شکار ہوا کہ آج ان کا نام لینے والا کوئی نہیں۔

میاں محمد ممتاز دولتانہ جو اس وقت مرکزی اور صوبائی سطح پر مسلم لیگ کے جوان سال رہنما تھے' وہ غالباً ۱۹۵۳ء میں اس علاقے میں سرکاری نہر کا افتتاح کرنے کے لیے تشریف لائے جس کا اہتمام "سیدل بنگلے"[1] پر کیا گیا۔ یہ نہ صرف ایک نہر کے اجراء کی افتتاحی تقریب تھی بلکہ مسلم لیگ کا بہت بڑا کنونشن بھی تھا۔ اس افتتاحی جلسے کی صدارت حضور قبلہ عالمؒ نے فرمائی۔ اس نہر کے اجراء سے علاقے کے غریب عوام کا ایک دیرینہ مطالبہ پورا ہو گیا اور ٹوانہ خاندان کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ اس موقع پر میاں ممتاز دولتانہ مرحوم نے اپنی تقریر میں واضح الفاظ میں فرمایا کہ "آج میں نے اس علاقے میں آمریت کا سر کچل کر رکھ دیا ہے۔" اس جلسے کے موقع پر سردار محمد امیر خان میکن آف کوٹ بھائی خان نے کھانے کا اہتمام کیا۔ کھانا کھانے کا انتظام ایسا تھا کہ کھڑے ہو کر کھایا جانا تھا۔ اس طریقہ کو حضور قبلہ عالمؒ نے پسند نہ کیا اور "فرمایا مجھے کھرلیوں میں کھانے کی عادت نہیں۔ لہٰذا آپؒ بغیر کھانا تناول فرمائے گھر واپس تشریف لائے۔

اس موقع پر میاں ممتاز دولتانہ مرحوم حضور قبلہ عالمؒ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے آپؒ کو ضلع ساہیوال میں دو یا تین مربع زمین لنگر کے لیے الاٹ کرنے کی پیشکش کی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "میاں صاحب میں ایک درویش آدمی ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس علاقے میں بھی کئی فقیر ہوں گے یہ زمین انہیں الاٹ کر دی جائے۔" اس زمانے میں یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ نیا نیا پاکستان بنا تھا سرکاری زمینیں عام تھیں اور آبادکاری کی بھی ضرورت تھی اور اکثر زمینیں مسلم لیگ کے کارکنوں کو خدمات کے صلے میں الاٹ بھی کی جا رہی تھیں لیکن حضور قبلۂ عالمؒ نے اپنے فقر و استغناء کی بنا پر اس تجویز کو ناپسند فرمایا اور مسلم لیگ کی موافقت کے باوجود فقر کی شان کو قائم رکھا۔

ا۔ قصبہ جھاوریاں کے مغرب میں محکمہ انہار پنجاب کا ریسٹ ہاؤس ہے۔

۴۔ پاکستان میں نفاذ اسلام کا مسئلہ

جس جوش اور جذبے سے برصغیر کے مسلم عوام نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا اس کے پیش نظر ہر آدمی یہ توقع رکھتا تھا کہ اس مملکت خداداد میں اسلامی قوانین کا نفاذ جلد عمل میں لایا جائے گا۔ لیکن آزادی کے بعد ہماری حکومتوں نے اس کی طرف خاص توجہ نہ دی۔ اور اس کام میں کسی حکومت نے کوئی مخلصانہ کوشش نہ کی جس کی وجہ یہ تھی کہ ان حکومتوں کے نمائندے بھی دراصل اسی نظام کے پروردہ تھے جو یہاں انگریز نے جاری کر رکھا تھا۔ اس لیے دینی حلقے ہمیشہ اس بات کے خواہشمند رہے کہ جس نظریئے پر یہ ملک حاصل کیا گیا تھا اس کے مطابق عمل پیرا ہو کر ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ حضور قبلہ عالمؒ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو پاکستان کی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اس ملک میں اسلامی قوانین کی عملداری دیکھنا چاہتے تھے۔ ۱۹۶۵ء میں "جمعیت مشائخ پاکستان" کی مختلف شہروں میں کانفرنس منعقد ہوئیں۔ ان میں حضور قبلہ عالمؒ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی لیکن آپؒ ضعف اور کمزوری صحت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ البتہ ان کانفرنسوں کی کارروائی کا بغور مطالعہ کیا اور ماہنامہ "سلسبیل" کے ستمبر اور اکتوبر ۱۹۶۵ء کے شمارے میں ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بدیں الفاظ توجہ دلائی۔

"پاکستان کی ترقی کے پلان، تجارت، صنعت و حرفت، زراعت اور تعلیم کے شروع میں کتنے ارب روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے، غرض مادی دنیا کے جتنے ذرائع درکار تھے ان کو بروئے کار لانے کے منصوبے تیار ہو کر بڑے پیمانے پر عمل ہو رہا ہے۔ لیکن ابھی تک اسلام ار دینداری کے لیے کچھ نہیں کیا بلکہ روزبروز اس سے توجہ کم ہو رہی ہے اور دینی رجحانات ختم کرنے کے بعض سامان ہو رہے ہیں۔ اس لیے جمعیت مشائخ اور دیگر تمام طبقہ ہائے دینی کا فرض ہے کہ اسلام کی عملی ترقی اور ذہنی عقیدت اسلام کے پلان کی طرف حکومت کو متوجہ کیا جائے۔ اور فکر بلند پیدا کرنے کے لیے صرف دارالعلوم اور کالج ہی نہ بنائے جائیں بلکہ انتظامی اور تعلیمی پالیسی کو بدل دیا جائے۔ اور ہر انتخاب انتظامیہ حکومت (سول سروس) میں سب سے پہلے ذہن اسلامی کو درجہ دیا جائے جس کی شہادت کے لیے ذہن اسلام کے ساتھ کردار اسلام کی تکمیل ہو اور اس امر کے حصول کے لیے کسی الگ یونیورسٹی کی ضرورت نہیں نہ کسی اسلامی کالج بنانے کی بلکہ ہر کالج کے نصاب کو

اسلامی ذہن کے فکر میں ڈھالا جائے اور یکسانیت کا درجہ اسلامی علوم کو دیا جائے۔ بلکہ ایک گونہ فوقیت دی جائے اور مقابلے کے امتحانات میں اسلامی ذہنیت کے نمبر زیادہ رکھے جائیں۔"[۱]

قیام پاکستان کے بعد معاشرے میں بڑھتی ہوئی سماجی برائیوں کی روک تھام کے لیے اس ملک میں ایک صاف ستھری دیانت دار اور اسلامی ذہن رکھنے والی انتظامیہ کے آپ" بڑے خواہشمند تھے۔ ملک میں ایسی انتظامیہ کا وجود کیسے عمل میں لایا جائے؟ اس کے متعلق حضور قبلہ عالم" اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے اس مضمون میں لکھتے ہیں:

"اپنا تو خیال یہ ہے کہ طبقہ دین کے ساتھ دنیاوی تعلیم کا امتزاج پائیں گے تو ان شاء اللہ موجودہ ذہنیت سے بہت بلند ذہنیت اور قابلیت پیدا ہو گی جس پر ملک فخر کرے گا اور جس کے وجود سے قوم و ملت' انتظامیہ اس درجے پر پہنچے گی جس پر ملک فخر کرے گا اور پاکستان وہاں پہنچے گا جہاں کوئی ملک نہ پہنچا ہو گا۔ اسلامی ذہن میں قوم کے نونہالوں کو ڈھالنے کے لیے ضروری ہے کہ براہ راست علوم اسلامیہ سے واقفیت دلائی جائے اور عربی تعلیم لازمی قرار دے کر علوم اسلامیہ' قرآن حکیم اور فقہ کا مطالعہ درسی طور پر کرایا جائے۔ انتظامیہ کے امتحانات کے لیے کسی ایک حصہ میں ایم اے ہونا ضروری ہے یعنی قرآن حکیم کا ایم اے' حدیث کا ایم اے اور فقہ کا ایم اے' لیکن تعلیم برابر کی قرآن و حدیث اور فقہ کی ہونی چاہئے بلکہ افکار اسلامی ذہن میں برابر کے ہونے ضروری ہیں۔ دینی علوم' دنیوی علوم کے ہر حال میں ہم پلہ ہونے چاہئیں۔"[۲]

۵۔ سیاسی تدبّر اور تفکّر

ہماری سیاست کا یہ ایک المیہ ہے کہ عملی سیاست میں وہ لوگ شامل ہیں جنہیں جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے سیاست ورثے میں ملی ہوئی ہے۔ اور ان میں اکثر لوگ سیاسی تدبر اور تفکر سے عاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ معمولی مفاد اور وقتی اقتدار کی خاطر اپنے نظریات حتیٰ

۱۔ ماہنامہ سلسبیل ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء ص۔ ۹

۲۔ ماہنامہ سلسبیل ستمبر اکتوبر ۱۹۶۵ء ص۔ ۱۰'۱۱

کہ اپنی پارٹی کو چھوڑ کر دوسری پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سیاست دانوں کی اس ابن الوقتی نے سیاست کے مفہوم کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اور عام طور پر موجودہ سیاست گری سے یہی مفہوم لیا جاتا ہے کہ حصول اقتدار کے لیے ہر جائز و ناجائز طریق کار کو استعمال میں لانا "سیاست" کہلاتا ہے۔ اور ہم پچھلے پچاس سال سے ایسی ہی سیاست کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم ملک میں سیاسی استحکام اور اقتصادی بقاء کے لیے سرگردان ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی سیاست گری میں حضور قبلہ عالم جیسے پاکباز ولی اللہ کا عملی طور پر حصہ لینا کتنا بڑا مشکل تھا۔ جہاں تک سیاسی تدبر اور تفکر کا سوال ہے تو یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ جہاں آپؒ دوسری انسانی خوبیوں سے متصف تھے وہاں سیاسی تدبر و تفکر میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ اس امر کے وہ لوگ شاہد عادل ہیں جو آپؒ کے ہم عصر تھے اور جنہوں نے سیاسی مسائل پر آپؒ کی گفتگو سنی ہے۔ حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ آپؒ کے سیاسی تدبر اور تفکر کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"راقم سیاہ کار کو ایک زمانہ میں ملکی سیاست سے گہری نظری و عملی دلچسپی رہی ہے' اس لیے یہ ذاتی مشاہدہ ہے کہ آپؒ کی محفل میں بڑے بڑے سیاسی اور ملکی مسائل چند لمحوں میں حل ہو رہے ہیں اور ملکی سیاست میں جو رائے آپؒ نے قائم کی ہے یا دوران مکالمہ فرمائی وہ ربع صدی گزر جانے پر بھی صائب ہے اور اس کی صداقت دن بدن واضح ہو رہی ہے۔"[1]

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لیے اخبار کا مطالعہ کرتے اور جو کوئی اہل فکر ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اس سے ان مسائل پر گفتگو فرماتے اور ان کا عندیہ بھی معلوم کرتے۔ چونکہ جذب کی نسبت ملکی معاملات میں بھی حصہ دار ہوتی ہے اس لیے یہ حضرات (اولیاء اللہ) اس سلسلے میں بھی ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ حضرت بو علی قلندرؒ کا وقت تھا۔ ان کے علاقے میں ایک حکومت وقت کی طرف سے بدفطرت حاکم مقرر ہوا۔ لوگوں نے حضرت بو علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اس کی شکایت کی۔ آپؒ نے کاغذ کا ایک پرزہ اٹھایا اور بادشاہ وقت کو لکھا۔ حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ اس واقعہ کی ترجمانی اپنے مخصوص انداز میں یوں فرماتے ہیں۔

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر۔ ص۔ ۵۴

باز گیر ایں عامل بد گوہرے
ورنہ بخشم ملک تو با دیگرے

یعنی اس بدفطرت حاکم کو واپس بلا لو ورنہ میں تیرا ملک (حکومت) چھین کر کسی اور کو دے دوں گا۔ اس مثال سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو تکوینی امور میں بھی مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس لیے وہ ملکی حالات سے باخبر رہتے ہیں۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے بعد صوبہ پنجاب میں اکثریت کے باوجود انگریزوں نے مسلم لیگ کی حکومت قائم نہ ہونے دی اور یونینسٹ پارٹی جس کے سربراہ خضرحیات ٹوانہ تھے کی سربراہی میں حکومت بن گئی' جسے عام طور پر تاریخ میں "خضر وزارت" کہتے ہیں۔ یہ صوبہ پنجاب کے مسلمانوں کے لیے بہت بڑی نقصان دہ بات تھی۔ اس وزرات کے متعلق حضور قبلہ عالمؒ نے پیش گوئی فرمائی کہ "اول تو یہ وزارت بنے گی نہیں' اگر بن بھی گئی تو جلد ٹوٹ جائے گی۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ وزارت مارچ ۱۹۴۷ء میں ٹوٹ گئی اور قیام پاکستان تک ملک میں گورنر راج نافذ رہا۔ ویسے بھی حضور قبلہ عالمؒ سیف زبان تھے۔ جب کبھی کوئی بات فرما دی تو لوگ اس کے وقوع پذیر ہونے کے منتظر رہتے تھے۔

حضور قبلہ عالمؒ صدر ایوب خان کی حکومت کو پسند فرماتے تھے۔ ان کی پالیسی تدبر اور انتظام ملک سے مطمئن تھے۔ ایک بار محفل میں کسی نے صدر ایوب خان کی آپؒ کے سامنے شکایت کر دی۔ آپؒ نے فرمایا "پٹھان اچھا چوکیدار ہوتا ہے۔ کام اچھا نہ کیا تو جب چاہیں گے ہٹا دیں گے۔"

ضرورت وقت کی مناسبت سے ایوب خان کو بہتر خیال کیا لیکن اس سے بھی مرعوب نہیں ہوئے۔

حضور قبلہ عالمؒ کی زندگی کے آخری سالوں میں مشرقی پاکستان میں گڑبڑ شروع تھی۔ صدر ایوب خان کا دور حکومت تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ کی محفل میں ملکی سیاسی مسائل بھی زیر بحث آتے تھے۔ ان حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا کہ "بنگال ہم سے علیحدہ ہو جائے گا' حالانکہ اس وقت حالات ایسے نہیں تھے کہ پاکستان کے ایک اکثریتی صوبے کی علیحدگی کا تصور کیا جا سکے۔

لیکن آپ" کے وصال کے چند سال بعد ملکی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ ۱۹۷۱ء میں صوبہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو کر "بنگلہ دیش" بن گیا۔

۴۔ نظم و نسق سے متعلق نقطہ نظر

تربیت سالک کے سلسلے میں حضور قبلہ عالم" کی نظر فیض اثر کے علاوہ آپ" کی وہ مختصر سی گفتگو بھی بڑا اثر رکھتی جو آپ" ہر سالک اور زائر کے حال کے مطابق ارشاد فرماتے۔ زائر جس کا تعلق جس شعبہ زندگی سے ہوتا اسی کے مطابق ارشادات فرماتے۔ اگر وہ حکومت کا آدمی ہے تو حکومت کو نیک نام بنانے کے مشورے دیے جاتے اور بعض اوقات اچھے اور برے حاکم کا موازنہ بھی فرما دیتے۔ ملک میں قیام عدل کے لیے آپ" ہمیشہ بے تاب رہتے۔ نیز فرماتے کہ انصاف بہت مہنگا ہے' طالب انصاف لمبے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی سماجی برائیوں اور بالخصوص قتل و غارت سے آپ" بڑے متفکر رہتے' علماء اور اہل دانش کے ساتھ دوران گفتگو ان کا ذکر فرماتے۔ رشوت ستانی کو آپ بہت بڑی سماجی برائی خیال کرتے۔ ان جرائم کے سدباب کے لیے آپ" کی متفکرانہ رائے یہ تھی کہ جرائم کی تحقیق کا ذریعہ مقامی لوگوں کی رائے عامہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ مجرم کے خلاف رائے عامہ کا ہونا جرم کا ایک قدرتی ردعمل ہے۔ مجرم بسااوقات اپنے سرپرستوں کے سہارے جرم کرتا ہے اور وہی اس کی صفائی اور گواہی کا انتظام کرتے ہیں۔ جس کی بنا پر مجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔ قتل کے سلسلے میں آپ" فرماتے کہ اگر قاتل کو یقینی طور پر سزا مل جائے اور معاشرہ اس کی ہمت افزائی نہ کرے تو یہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ اتنی فراوانی کے ساتھ واقع نہ ہو۔ انسانیت کا ناقدردان خدا کی بہترین مخلوق کو صفحہ ہستی سے مٹاتا ہے اور معاشرہ اسے لعنت ملامت کرنے کی بجائے اسے بہادر سمجھتا ہے اور سزا اس کے لیے یقینی نہیں۔ اس لیے اس جرم عظیم سے لوگوں کے دلوں میں وہ ہراس نہیں جو ہونا چاہیے۔ قاتل اگر یہ سمجھے کہ موت کے بدلے میں میرے حصے میں موت ہے تو وہ اپنے مٹ جانے کے خوف سے قتل کی جرأت نہ کر سکے گا۔

رشوت ستانی کا آپ" ایک نہایت مختصر حل تجویز فرماتے کہ کسی شخص کے بارے میں

رشوت لینے کی افواہ پر حکومت کی طرف سے اسے تنبیہ کر دی جائے کہ تمہارے متعلق یہ افواہ ہے' دو تین دفعہ پوشیدہ تنبیہ کے بعد بھی اگر اس کے خلاف یہ الزام بیان کیا جاتا ہو تو اسے فوراً مقدمہ چلائے بغیر ملازمت سے موقوف کر دیا جائے۔ ہاں خفیہ تحقیقات کے لیے مقامی معتمدین کی امداد حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس روش سے رشوت لینے والوں میں ہراس کی کیفیت پیدا ہو جائے گی جو رشوت لینے کی جرأت کو ختم کر دے گی۔

* * * * * *

باب ۹

روحانی اور معاشرتی روابط

انسانی اخلاق و اطوار کے جتنے محاسن ہیں کم و بیش ہر انسان میں کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں۔ لیکن بعض اتنے اجاگر ہوتے ہیں کہ انسان کی شخصیت کا رخ متعین کرنے میں ان کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ زندگی میں انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اور روابط پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن تعلقات کی بنیاد دنیاداری پر استوار ہوتی ہے وہ عدم اخلاص کی وجہ سے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتے۔ البتہ ایسے روابط جن کی بنیاد دین داری اور "الحب للہ" پر قائم ہوتی ہے ان کا دائرہ اپنے اعلیٰ مقاصد کی وجہ سے نہ صرف کئی نسلوں پر محیط ہوتا ہے بلکہ صدیوں تک ان کے مظاہر دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔

حضور قبلہ عالمؒ نے بفضلہ تعالیٰ طویل عمر پائی تھی۔ [1] اور آپؒ کے خانوادہ کے روحانی تعلقات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مختلف روحانی خانوادوں اور شخصیات سے مختلف وجوہات کی بنا پر روابط کا یہ سلسلہ کئی نسلوں سے چلا آ رہا تھا جن میں حضرت پیر غلام محی الدین قصوری دائم الحضوریؒ کا خانوادہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ حضرت قصوریؒ کے دست حق پرست پر حضور قبلہ عالمؒ کے جدامجد حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلویؒ نے بیعت کی تھی۔ حضرت خواجہ غلام نبی للٰہیؒ جو حضرت قصوریؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے حضور قبلہ عالمؒ کے جدامجدؒ نے ان سے تعلیم حاصل کی اور روحانی تربیت پائی۔ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ حضور قبلہ عالمؒ کے مربی اور مرشد تھے۔ مکان شریف (بھلیر شریف) کے خانوادہ سادات کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ مظہر قیوم صاحبؒ حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ کے خلیفہ اور حضور قبلہ عالمؒ کے پیر بھائی تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اپنی زندگی میں ان تعلقات کو عقیدت اور نیازمندی کے ساتھ

۱۔ ۱۸۸۶ء تا ۱۹۶۷ء

نہ صرف استوار کیا بلکہ بڑے احسن طریقے سے نبھایا۔ آپ" کے کردار میں یہ پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

اس حوالے سے ان خانوادوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے۔

ا۔ قصور شریف

سرزمین پنجاب میں قصور کا شہر کئی لحاظ سے منفرد ہے۔ اس قدیم شہر کی اپنی سیاسی اور تہذیبی تاریخ ہے۔ یہ شہر دین اسلام کی تعلیم کا مرکز رہا ہے اور پنجاب کے نامور صوفیائے کرام کی خانقاہیں یہاں موجود ہیں۔ اور بالخصوص سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت صوفی حضرت غلام محی الدین قصوری" کی خانقاہ جن کے دم قدم سے پورے پنجاب میں اس سلسلہ کی اشاعت ہوئی اسی شہر میں واقع ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ قصور شریف تصوف اسلام کا مرکز تھا۔ زمانے نے کروٹ بدلی اور صوفیاء کا زور ٹوٹا تو علماء کی باری آئی۔ ہر طرف علمی طور پر سنت کے احیاء اور شرک و بدعت کے خلاف نعرے بلند ہونے لگے۔ قصور شریف کے ماحول میں اس تبدیلی سے متاثر ہو کر حضور قبلہ عالم" نے ایک مضمون بعنوان "قصور" لکھا جو سلسبیل کے مارچ ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں آپ" نے قصور شریف کی عظمت رفتہ' صوفیائے کرام کی دینی خدمات اور ان کے ساتھ اپنی عقیدت کا بڑے انوکھے انداز میں جائزہ پیش کیا' جس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"میرے لئے اب بھی قصور وہ قصور پرنور ہے جس کے اندر مولانا و مرشدنا حضرت غلام محی الدین" ایک زمانہ تک مسند ارشاد پر تشریف فرما ہوئے' ایک دنیائے اسلام کو حقیقی اسلام بتانے میں مصروف و مشغول رہے اور جن کے باکمال صاحبزادے حضرت عبدالرسول صاحب" عوام و خواص کے لیے تمام پنجاب کے لیے رہنمائے امت ہو کر جلوہ افروز ہدایت رہے۔ اس وقت ان بابرکت حضرات کے طفیل صرف قصور پرنور نہ تھا بلکہ مغربی پنجاب کے اضلاع لاہور' گوجرانوالہ' گجرات' جہلم' شاہ پور (سرگودھا)' ڈیرہ اسماعیل خان' ڈیرہ غازی خان' ملتان اور منٹگمری (ساہیوال) وغیرہ وغیرہ سراسر نور سے سیراب ہو رہے تھے کوئی تحصیل بلکہ کوئی گاؤں آپ" کی عقیدت مندی سے خالی نہ تھا اور آپ" کی عقیدت کی چلتی پھرتی نورانی صورت ہر گاؤں اور ہر قریہ میں نظر آتی

تھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے جدامجد مولانا و مرشدنا غلام مرتضیٰؒ کی خانقاہ تصوف اپنے کمال پر تھی تو کوئی مجلس ایسی نہ تھی جس کے اندر قصور پرنور کا ذکر نہ آتا ہو۔ اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس کو قصور سراپانور کی زیارت کا شوق دامن گیر نہ ہو۔ باوجودیکہ آمدورفت کے سلسلے محدود تھے اور ابتداء میں ریل بھی نہیں تھی۔ لیکن سالکین راہ ہدایت پیدل چل کر پہنچتے تھے۔ اور خود حضور قبلہ (جدامجد)ؒ اکثر اپنے مخلصین کی استدعا پر بھی ان کے گھروں کو شرف بخشتے۔ جہاں سے گزر ہوتا ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت خضر علیہ السلام گزر گئے۔ گھر تو گھر تھے راستے بھی پرنور ہو جاتے اور دنیا کی آنکھیں اس نور جمال مطلق سے روشن ہو جاتیں ——

بڑے رؤساء حلقہ غلامی تصوف میں تھے۔ حاجی حبیب اللہ گورہ مرحوم جو نہایت متمول خاندان کے سربراہ تھے وہ ہمارے جدامجد بیربلویؒ کے مرید تھے۔ لیکن شکل کیا تھی ایک فرشتہ صورت تھے۔ جب قصور کا (پہلا) رنگ جاتا رہا اور میں مرشد کی تلاش میں قصور بھی حاضر ہوا تو حضرت صاحبزادہ سید محمد شاہ صاحبؒ کا زمانہ تھا۔ گو وہ بات نہ تھی جس کی شہرت عام تھی اور جس کے نقش اولین حضرت غلام نبی للّٰہی صاحبؒ اور نقش ثانی حضرت غلام مرتضیٰ نور اللہ مرقدہ بیربلویؒ تھے۔ تاہم اثرات ظاہراً و باطناً" دکھائی دیتے تھے۔ عام صورتیں اور شکلیں منور تھیں۔ قبلہ حضرت مرشد شرقپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک زمانے میں قصور کی گلیوں میں بھی نور بھرا تھا۔ بخدا سچ فرمایا جس کو دیکھئے انوار محبت الٰہیہ اس کی پیشانی سے چمکتے دمکتے دکھائی دیتے تھے...

حضرت قصوریؒ کے بعد حضرت للّٰہیؒ کا دور تھا۔ اور اس کے ساتھ حضرت بیربلویؒ کا خاص دور قصور شریف کی اپنی محبت خاصہ سے تھا۔ چنانچہ حضرت قبلہ سید محمد شاہ صاحبؒ جب اپنی تعلیم علوم اسلامیہ سے فارغ ہوئے اور اپنے متوسلین حلقہ ارادت سے اپنے لئے عقیدت گاہ کا انتخاب چاہا تو حضرت قبلہ غلام مرتضیٰؒ کی سوا کسی پر نظر نہ جمی (جو حافظ و عالم و فاضل تھے اور فقر میں اپنی مثال آپ تھے)۔ ان سے بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ کی وراثت اپنے اجداد و اسلاف کی حاصل فرمائی اور آپؒ کی وفات کے بعد حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ ساتھ ہی حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے پرتو اور انوار سے قصور خالی نہ رہا۔ اس کے بعد حضرت قبلہ مرشدم شرقپوریؒ کی قصور پر خاص توجہ تھی اور اہل قصور کو بھی آپؒ سے خاص

انس تھا اور آپ" کا نورانی عکس عوام اور خواص پر کھلا نظر آتا تھا۔ شاہ عبدالحق صاحب" صوفی محمد ابراہیم صاحب" اور حاجی عبدالرحمٰن" اس آخری دور کے کامل نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ بہرصورت آج تک قصوری سلسلہ بفضلہ تعالیٰ چل رہا ہے اور اسی وجہ سے ابھی تک قصور کی عظمت اور عزت ہمارے دلوں سے نہیں اٹھی۔ پہلا سا احترام نہ سہی لیکن پھر بھی دوسرے قصبات کے مقابلے میں وہ ہمارے لئے مثل مدینہ طیبہ کی ہے کیونکہ ہماری عقیدت کی پاک روحیں قصور کی سرزمین کی مٹی کے ڈھیروں تلے ابھی تک جاگ رہی ہے۔ اور ان ڈھیروں کو دیکھنے کی آرزو ہمارے دلوں میں تڑپتی رہتی ہے۔"[1]

حضور قبلہ عالم" نے قصور شریف کے خانوادہ عالیہ کے ساتھ اپنی عقیدت اور محبت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہ روابط اور تعلقات یک طرفہ نہ تھے۔ ان تعلقات میں سب سے قابل ذکر بات یہ تھی کہ خانقاہ قصور شریف کے سجادہ نشین حضرت سید محمد شاہ صاحب" نے اعلیٰ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی سے بیعت کی تھی جو حضرت غلام محی الدین قصوری" کے خلفاء میں سے تھے۔ قصور شریف کے سجادہ نشین کی بیربل شریف میں آمد بیعت اور روابط کا ذکر کرتے ہوئے حضور قبلہ عالم" اپنے جدامجد" کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں۔

"شاہ صاحب قصور شریف سے آئے اور بیربل شریف آکر مشرف بیعت ہوئے۔ حضرت قبلہ عالم" بہت مہربان تھے۔ جب شاہ صاحب تشریف لاتے تھے تو سروقد کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور شاہ صاحب" تھے کہ علم کے ساتھ بہت سادگی کے مالک تھے اور میرے والد صاحب" کے ہم عمر بھی تھے۔ اس وجہ سے شاہ صاحب" کو میرے والد صاحب" کے ساتھ خاص انس تھا اور اکثر میرے والد صاحب" کے ساتھ صحبت رہتی تھی۔ اس وقت میرے والد صاحب" صدر مدرس ہونے کی حیثیت سے ایک کامل عبور کتب نظامیہ پر رکھتے تھے اور بحر ذخار کی طرح بولتے نظر آتے تھے۔ ہر کتاب پر کامل نظر تھی اور ہر مسئلہ کی حقیقت سامنے تھی۔ مطالعہ سے نکل گئے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا سب کچھ یاد اور حاضر ہے۔ شاہ صاحب کا قیام بھی، جب کبھی آ جاتے تو

۱۔ سلسبیل مارچ ۱۹۶۵ء تلخیص ص۔ ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۹

بلاتکلف کئی دن قیام رہا کرتا تھا۔ اسی حجرہ میں ٹھہرتے تھے جو میرے والد صاحبؒ کے تصرف میں تھا اور مسجد کے جنوب مشرق کی جانب تھا۔" (۱)

شرقپور شریف

اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ اور خانوادہ عالیہ بیربلوی کے روابط کی داستان بھی دینی خلوص کی پیداوار تھی۔ اس کی ابتداء حضرت میاں صاحبؒ کے اس خلوص اور محبت کا نتیجہ تھی جو وہ اعلیٰ حضرت بیربلویؒ سے رکھتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؒ کسی زمانے میں اعلیٰ حضرت بیربلویؒ کی شاہی مسجد لاہور میں زیارت کر چکے تھے۔ اور جو کوئی اس علاقے سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپؒ اعلیٰ حضرت بیربلویؒ کا ذکر خیر نہایت تحسین آمیز الفاظ میں فرماتے۔ حضرت میاں صاحبؒ کے کئی ملفوظات اس ضمن میں "خزینہ معرفت" اور "انقلاب میں موجود ہیں۔ حضرت خواجہ بیربلویؒ سے آپؒ کی محبت کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ آپؒ کے دو مخلص مریدین یعنی حضرت صوفی محمد ابراہیم قصوری (مؤلف خزینہ معرفت) اور قاری اللہ بخش صاحب فیض پوریؒ سے ذاتی دوستی رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضور قبلہ عالمؒ لکھتے ہیں۔

"حضرت میاں صاحبؒ کو حضرت بیربلویؒ کے ساتھ دلی الفت اور محبت تھی۔ چونکہ ہر دو حضرات کی استعداد بلند تھی اور دونوں' دونوں نسبتوں کے مالک تھے۔ یعنی تشریع و تکوین میں کامل استخراج۔ اور کوئی نسبت بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں تھی۔ اور دونوں دست بگریباں بھی ان پاک ہستیوں میں نہ تھیں۔ اس لئے ہر دو نسبتوں کے ساتھ دونوں بزرگوں کا یکساں تعلق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت قبلہ میاں صاحبؒ جب اعلیٰ حضرت بیربلویؒ کا ذکر سنتے تو جھوم جاتے اور ہر موقع پر جب ذکر خیر آتا تو بے اختیار محبت کے الفاظ نکلتے۔

قاری اللہ بخش صاحبؒ کی ذاتی صلاحیت بھی ضرور تھی لیکن ان کو اور صوفی محمد ابراہیم صاحب کو جو درجہ قرب حضرت میاں صاحبؒ سے حاصل تھا۔ وہ دنیائے یاران طریقت جانتے

۱۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلویؒ ص۔ ۱۱۵

تھے کہ کسی کو نہ تھا۔ آخر اس کی وجہ صرف صلاحیت ذاتی نہ تھی بلکہ حضرت قبلہ بیربلوی ؒ کی محبت اور انس ذاتی کی وجہ سے تھا۔"[1]

حضور قبلہ عالم ؒ کا حضرت میاں صاحب ؒ سے جب تعلق قائم ہوا تو اس وقت بھی اس ذاتی انس کا اظہار ہوا جیسا کہ "انقلاب الحقیقت" کے صفحات سے ظاہر ہے کہ پہلی ملاقات میں دونوں طرف سے کوئی اجنبیت نہ رہی۔ لہٰذا حضرت میاں صاحب ؒ حضور قبلہ عالم ؒ پر اپنی خاص توجہ سے ایسی مہربانی فرمائی کہ اعلیٰ حضرت بیربلوی ؒ کے وصال کے بہت عرصہ بعد بیربل شریف کی راہیں دوبارہ آباد اور پررونق ہو گئیں۔ حضرت میاں صاحب ؒ کے وصال کے بعد حضرت ثانی میاں غلام اللہ صاحب ؒ کا دور آیا تو محبت اور نیازمندی کا یہ سلسلہ اپنی پوری آب و تاب سے جاری رہا۔ اعلیٰ حضرت میاں صاحب ؒ کی سوانح حیات کی تدوین کا مسئلہ پیدا ہوا تو مشاورت میں حضور قبلہ عالم ؒ پیش پیش رہے۔ حضرت اعلیٰ میاں صاحب ؒ کے حالات پر مشتمل صوفی محمد ابراہیم قصوری ؒ کی تصنیف "خزینہ معرفت" کی تدوین حضور قبلہ عالم ؒ کے مبارک ہاتھوں سے سرانجام پائی۔ حضرت ثانی صاحب ؒ کے وصال کے بعد صاحبزادگان کا دور آیا۔ حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب مدظلہ نے شرقپور شریف سے ماہنامہ "نوراسلام" جاری کیا تو آپ کی تحریریں اس رسالہ کی زینت بنتی رہیں۔

بھلیر شریف

حضرت امام علی شاہ صاحب ؒ مکان شریف (بھارت) والوں کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ مظہر قیوم صاحب ؒ حضرت میاں صاحب شرقپوری ؒ کے خلفاء میں سے تھے اور اس لحاظ سے وہ حضور قبلہ عالم ؒ کے پیربھائی تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ کا فیض اسی سادات خاندان کے مؤسس حضرت سید امام علی شاہ صاحب ؒ سے ہوتا ہوا حضرت بابا امیرالدین صاحب ؒ کے وسیلے سے اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوری ؒ تک پہنچا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد مکان شریف کا یہ عالی مرتبت خاندان

۱۔ حالات حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی ؒ ص۔۱۰۷

بھلیر شریف سانگلہ ہل منتقل ہو گیا اور یہیں ہر سال حضرت سید امام علی شاہ صاحبؒ کا سالانہ عرس مبارک منعقد ہوتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مظہر قیوم صاحبؒ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے سید محفوظ حسین شاہ صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ حضور قبلہ عالمؒ کے ہم عصر ہونے کا زیادہ شرف انہیں کو حاصل ہے۔ بڑے مرنجان مرنج شخصیت کے مالک تھے اور اپنے اسلاف کا عملی نمونہ تھے۔"[1] حضور قبلہ عالمؒ ہر سال بھلیر شریف کے عرس مبارک پر تشریف لے جاتے تو صاحب زادہ صاحب بڑی عزت افزائی فرماتے۔ عام حالات میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا۔ اگرچہ صاحبزادہ صاحب حضور قبلہ عالمؒ کے علو مرتبت اور بزرگی کی وجہ سے بڑا احترام کرتے لیکن آپؒ ان کے ساتھ اپنی عقیدت اور نیازمندی کا بڑا اہتمام کرتے اور خط و کتابت میں بھی نہایت عجز و انکساری کا مظاہرہ فرماتے۔ حضرت صاحبزادہ محفوظ حسین شاہ صاحبؒ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے تصوف اسلام کی توضیح و تشریح اور اس کے دفاع میں لکھی گئی حضور قبلہ عالمؒ کی نگارشات کو پسند فرمایا اور اسے وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی۔ دوسرے ہم عصر بزرگوں کی طرح صاحبزادہ صاحبؒ بھی حضور قبلہ عالمؒ کی جامع صفات شخصیت سے بڑے متاثر تھے۔

بھلیر شریف کے عرس پر حضور عالمؒ بڑے اہتمام سے اپنے مخلصین کے ہمراہ تشریف لے جاتے تھے اور معمول یہ تھا کہ جاتی دفعہ سکھیکی کے قریب موضع ڈنگی میں ایک رات قیام فرماتے۔ اس زمانے میں سکھیکی سے سانگلہ ہل سٹیشن تک صرف ۴ آنے ریل کا کرایہ تھا۔ اس موقع پر موضع ڈنگی کے اکثر مرد و زن حضور قبلہ عالمؒ کے ساتھ عرس میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے۔ ان کے متعلق حضور قبلہ عالمؒ فرمایا کرتے "ڈنگی والے بڑے خوش قسمت ہیں۔ صرف چار آنے میں حج کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔" حضور قبلہ عالمؒ کے اس فرمان سے بھلیر شریف (مکان شریف) کے خانوادہ سادات کی عظمت اور اپنی نیازمندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس عالی مرتبت خانوادہ کے صاحبزادہ سید بشارت حسین شاہ صاحب (چچازاد بھائی سید محفوظ حسین

۱۔ حضرت صاحبزادہ محفوظ حسین شاہ صاحب کا حال ہی میں مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۹۸ء کو انتقال ہوا ہے۔ (مؤلف)

شاہ صاحب سجادہ نشین) نے حضور قبلہ عالمؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپؒ کی توجہ خاص حاصل کر کے راہ سلوک کی دولت لازوال سے اپنی استعداد کے مطابق حصہ پایا۔

للّہ شریف

نقشبندی سلسلے کی عظیم خانقاہ کے مؤسس حضرت غلام نبی للّہیؒ حضرت پیر غلام محی الدین قصوریؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ آپؒ کے وسیلے سے اس علاقے میں علم ظاہری اور باطنی کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ آپؒ کے فیض باطنی میں وہ تاثیر تھی کہ جو شخص چند روز آپؒ کی مجلس میں بیٹھتا متقی اور پرہیزگار ہو جاتا۔ جس نے بھی آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور توجہات خاصہ سے فیضاب ہوا عارفوں کا پیشواء بن گیا۔

حضور قبلہ عالمؒ کے جدامجد حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ صاحبؒ کم سنی میں حصول تعلیم کے لئے حضرت مولانا غلام نبی للّہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۵ سال کے عرصے میں جملہ علوم ضروریہ سے فارغ ہو کر اٹھارہ سال کی عمر میں بیربل شریف میں رونق افروز ہو کر تدریس علوم میں مشغول ہوئے۔ ایام تعلیم میں آپؒ نے حضرت مولانا غلام محی الدین قصوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے ارشاد کے مطابق طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں سلوک کی منازل اپنے استاد اور مربی اعلیٰ حضرت للّہیؒ سے طے کیں۔ اعلیٰ حضرت للّہیؒ آپ سے اپنے بیٹوں جیسا سلوک رکھتے تھے۔اس طرح ان دو عالی مرتبت خانوادوں میں بے مثال روحانی اور معاشرتی رشتہ استوار ہوا جس کے نبھاؤ کی تاریخ کئی نسلوں تک محیط ہے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ مطلوب الرسول صاحب مدظلہ کے چچا حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول صاحبؒ حضور قبلہ عالمؒ کے ہم عصر تھے۔ بڑے فاضل اور جہاندیدہ شخصیت کے مالک تھے۔ زمانے کے معاشرتی مسائل' سیاست' تصوف اور علم و ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ کی تحریروں سے بڑے متاثر تھے۔ تصوف اسلام کے دفاع کے لیے حضور قبلہ عالمؒ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی اس میں حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول صاحبؒ کی حوصلہ افزائی کا بڑا عنصر شامل تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس عہد میں آپؒ کی بلندپایہ تحریروں کو صحیح تناظر میں سمجھنے اور تائید کرنے والوں میں آپؒ ایک

نمایاں شخصیت تھے۔ اس لئے حضور قبلہ عالمؒ کے ساتھ ان کی بڑی ذاتی موانست تھی۔ ملاقاتوں کے علاوہ ان کے ساتھ مسلسل خط و کتابت رہتی تھی۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ بھی آپؒ کی شخصیت و کردار سے بڑے متاثر تھے۔ آپؒ کے وصال کے بعد انہوں نے اپنے جو تاثرات قلم بند کئے وہ اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں۔

موجودہ سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ مطلوب الرسول صاحب مدظلہ العالی اپنے والد حضرت صاحبزادہ مقبول الرسول صاحبؒ کے وصال کے بعد بہت کم عمر میں سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے ساتھ بھی حضور قبلہ عالمؒ نے ان کے منصب کے شایان نیازمندی اور عقیدت کا رشتہ قائم رکھا۔ حضور قبلہ عالمؒ کے چھوٹے بھائی مولوی محمد صادق صاحب کا بیان ہے کہ صاحبزادہ مطلوب الرسول صاحب سجادہ نشین ہونے کے بعد جب پہلی مرتبہ بیربل شریف تشریف لائے تو وہ ابھی لڑکپن کی عمر میں تھے۔ لیکن حضور قبلہ عالمؒ انہیں الوداع کہنے کے لیے گاؤں سے باہر بہت دور تک گئے۔ جب سکول کے قریب سے گزرے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ جب الوداع کہنے لگے تو صاحبزادہ صاحب حضور قبلہ عالمؒ کے احترام میں گھوڑی پر سوار نہیں ہو رہے تھے تو آپؒ نے انہیں اپنے سامنے گھوڑی پر سوار کرایا۔ واپسی پر ہم دونوں بھائی خانقاہ شریف کی طرف لوٹ آئے تو راستے میں حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ ''ہمارے خاندان کی عزت و وقار جو کچھ بھی ہے وہ اسی خاندان للّٰہی کی وجہ سے ہے۔'' گویا ان کا جتنا احترام و اکرام کیا جائے کم ہے۔ بایں ہمہ حضور قبلہ عالمؒ نے بڑے غیر محسوس طریقے سے حضرت صاحبزادہ مطلوب الرسول صاحب مدظلہ کی روحانی تربیت فرمائی۔ جس کا اعتراف انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا ہے۔

رئیسان کوٹ بھائی خان

بیربل شریف کے نزدیک کوٹ بھائی خان میکن قوم کے زمین داروں کا مسکن ہے۔ حضرت اعلیٰ خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلویؒ کے زمانے میں اس خاندان کے بعض حضرات اسی خانوادہ عالیہ کے عقیدت مند چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سردار شیر خان مرحوم و مغفور حضرت اعلیٰؒ کے ایسے مخلصین میں سے تھے جو خودبخود لنگر کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے بیربل شریف کی زمین

سے متصل ایک بہت بڑا قطعہ زمین لنگر کے چارہ کے لئے دے رکھا تھا اور کچھ حصہ ان کے بھتیجے حاجی فتح خان مرحوم نے دیا تھا۔ اس طرح یہ اسی بیگھ زمین کا رقبہ لنگر کے تصرف میں رہا۔ جب اس علاقے میں آبپاشی کے لئے نہر کا اجراء ہوا تو ان کی اولاد میں سے سردار صاحب خان مرحوم نے یہ قطعہ زمین حضرات صاحبزادگان کے نام انتقال کرا کر ہمیشہ کے لئے وقف کر دیا۔ حاجی فتح خان جوانی کے عالم میں حضرت اعلیٰ" سے بیعت ہوئے تھے لیکن ایسے مرید ہوئے کہ صورت اور سیرت کا نقشہ حضرت قبلہ بیربلوی" جیسا ہو گیا۔ انہیں اپنے شیخ سے والہانہ محبت تھی۔ ہر جمعہ بیربل شریف میں اعلیٰ حضرت" کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے اور احتراماً موضع بیربل شریف میں گھوڑے پر سوار نہ ہوتے بلکہ پیدل چل کر آتے جاتے۔ حاجی فتح خان مرحوم کے دو بھائی سردار شیر محمد اور گل محمد بھی تھے۔ وہ دونوں بھی رئیس ہونے کے باوجود صوم و صلوٰۃ کے پابند اور پورے دین دار تھے۔ سردار گل محمد صاحب مرحوم کی زندگی ہی میں ان کے بڑے صاحبزادے شیعہ ہو گئے اور ان کے زیر اثر باقی تمام بھائی مذہب شیعہ میں داخل ہو گئے۔ سردار صاحب خان مرحوم کے تین بیٹے تھے' سردار احمد خان' امیر خان اور محمد خان۔ حضور قبلہ عالم" کی اس کنبہ پر دیرینہ تعلقات کی بنا پر بڑی نظر کرم تھی۔ سردار محمد خان بڑے آزاد منش اور سیلانی طبیعت کے مالک تھے۔ بچپن کے زمانے میں لاہور میں حضور قبلہ عالم" کے ساتھ تعلیم بھی حاصل کرتے رہے اس لئے حضور قبلہ عالم" سے بڑے بے تکلف انداز میں گفتگو کرتے تھے۔ سردار امیر خاں اور سردار محمد خان کی اولاد بھی حضور قبلہ عالم" سے بڑی عقیدت رکھتی تھی۔ دونوں بھائیوں کی اولاد میں شدید اختلاف پیدا ہو گئے تھے اس لئے اپنے معاملات اور اختلاف کو سلجھانے کے لئے آپ" کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سردار محمد خان کے بڑے بیٹے سردار فیروز خان مرحوم حضور قبلہ عالم " کے خاص غلاموں میں شامل تھے۔ لنگر کی مسلسل خدمات کے علاوہ عرس کے موقع پر پیر بھائیوں کی خدمت کے لئے انہوں نے اپنے تمام وسائل وقف کر رکھے تھے۔ دونوں طرف سے باہمی احترام کی روایت ابھی تک باقی ہے۔ حضور قبلہ عالم" اس خاندان کے آباؤ اجداد کی لنگر کی خدمات کا بڑے اچھے الفاظ میں اعتراف فرماتے تھے۔

علماء کرام کی عزت افزائی

حضور قبلہ عالمؒ علمائے کرام کی دل سے عزت فرماتے اور اختلافی مسائل کا ذکر تک نہ فرماتے۔ اور فرماتے کہ "ہم علماء کی بھی عزت کرتے ہیں اور صوفیاء کی بھی عزت کرتے ہیں۔ یہ دونوں ہمارے ماں باپ ہیں۔ علماء کو باپ کا منصب حاصل ہے اور صوفیاء کو ماں کا درجہ حاصل ہے"

جب بھی کوئی عالم خواہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا حاضر ہوتا تو اس کا آپؒ ایسا احترام و اکرام فرماتے کہ اہل مجلس حیران ہو جاتے۔ بیربل شریف کے مشرق میں ایک قدیم قصبہ جھاوریاں ہے۔ یہاں کے علماء ایک قدیم قاضی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلک کے لحاظ سے دیوبندی مکتب فکر کے حامل ہیں لیکن علاقے میں ان کی دینی خدمات کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ ان علماء کی بڑی عزت فرماتے تھے۔ ان میں جو علماء آپؒ کے ہم عصر تھے ان میں بعض حاضر خدمت بھی ہوتے بالخصوص حضرت مولانا قاضی عبدالقادر صاحبؒ جو تبلیغی جماعت کے اکابرین میں سے تھے ارادی طور پر حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضور قبلہ عالمؒ ان کی تبلیغی مساعی کی تعریف فرماتے۔ اس قصبے کی ایک نامور شخصیت حکیم لعل دین صاحب کی تھی جو نہ صرف اس علاقے کے مشہور حکیم تھے بلکہ بڑے دین دار، نیک سیرت اور خدا ترس انسان تھے۔ وہ بھی اکثر حاضر خدمت ہوتے تھے۔

دو منفرد شخصیات

اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ کا معمول تھا کہ اپنے ابتدائی زمانے میں جہاں کہیں کسی نیک شخص یا بزرگ کا حال سنتے تو اس سے ملنے کے لیے خود تشریف لے جاتے۔ معلوم ہوتا ہے نیک سیرت انسانوں سے محبت کرنا اولیاء اللہ کا شیوہ ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ کو بھی نیک سیرت انسانوں سے والہانہ محبت تھی اور ایسی لجپال فطرت پائی تھی کہ جس سے ایک بار تعلق پیدا ہوا اسے ہر حال میں نبھایا۔ دو ایسی ہی شخصیتوں کے ذکر سے اس امر کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

حضرت مولانا غلام محمود صاحبؒ کے بڑے بھائی حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب

"المعروف میاں صاحب" جن کی روحانی نسبت حضور قبلہ عالم" سے تھی، موضع دھنی کلاں ضلع گوجرانوالہ میں ان کا قیام تھا۔ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ ٹانگیں خشک ہو گئیں اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ حتیٰ کہ کروٹ بدلنے میں بھی دوسروں کے محتاج تھے۔ اور تقریباً ۲۱ سال تک صاحب فراش رہے۔ چارپائی ہی ان کی مسند، جانماز اور عدالت تھی۔ اس کے باوجود نفل نماز تہجد تک ان کی کوئی نماز قضا نہ ہوتی۔ اس معذوری کے باوجود اللہ تعالیٰ نے علاقے بھر میں ان کا اتنا رعب جما رکھا تھا کہ ہندو بھی ان سے خوف کھاتے تھے۔ وہ دینی معاملات کے علاوہ لوگوں کے معاشرتی مسائل پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے اور تاجروں کو ان کے خوف سے ناجائز منافع خوری کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اپنے شیخ (حضور قبلہ عالم") سے والہانہ محبت رکھتے تھے لیکن معذوری کی وجہ سے حضور قبلہ عالم" کی معیت سے محروم تھے۔ اس لئے آپ" اس علاقے میں جب تشریف لے جاتے تو دھنی میں زیادہ قیام فرماتے۔ آس پاس کے گاؤں میں تشریف لے جاتے تو پھر دھنی واپس آ جاتے اور اسی طرح بقول محمد فاضل مرحوم گیارہ گیارہ دن وہاں قیام رہتا۔ اور آپ" فرماتے کہ "ہم تو دھنی کا طواف کرتے ہیں۔" مولانا غلام محی الدین صاحب" کے ساتھ چاہت اور محبت کے اس تعلق کو حضور قبلہ عالم" نے "طواف" قرار دیا۔ جب تک مولانا زندہ رہے یہ سلسلہ جاری رہا۔

گوجرانوالہ شہر کے صوفی محمد رمضان صاحب" جن کا روحانی تعلق حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری" سے تھا، کسی زمانے میں انسپکٹر ڈاک خانہ جات کی حیثیت سے ضلع شاہ پور (سرگودھا) میں تعینات تھے۔ بیربل شریف دورہ پر آئے تو حضور قبلہ عالم" سے راہ و رسم پیدا ہوئی جس نے عقیدت اور دوستی کی ایسی کیفیت پیدا کر دی جو روزبروز بڑھتی گئی۔ صوفی صاحب کی گردن میں کوئی تکلیف تھی جو ادھر ادھر نہ مڑ سکتی تھی۔ اس لئے دو تین سال بعد پنشن لے کر گھر چلے گئے اور اس کے بعد باہر نکلنے کے قابل نہ رہے۔ حاجی معراج الدین صاحب جو گوجرانوالہ شہر کے رہنے والے تھے اور حضور قبلہ عالم" کے مخلص مریدوں میں سے تھے ان کے ذریعے صوفی صاحب پیغام بھجواتے کہ میں باہر نکلنے سے معذور ہوں لیکن ملنے کو بڑا جی چاہتا ہے۔ چنانچہ حاجی معراج الدین صاحب کی دعوت پر جب حضور قبلہ عالم" گوجرانوالہ تشریف لے جاتے تو

ان سے ملاقات کر کے خوشی محسوس کرتے۔ بڑے نیک سیرت اور ایسے نورانی چہرے والے تھے کہ ہر دیکھنے والا خود منور ہو جاتا تھا۔ ہر ہفتے حضور قبلہ عالمؒ کو خط لکھتے اور جوابی خط ارسال کرتے۔ اگر پہلے خط کے جواب میں دیر ہوتی تو دوسرا خط لکھ دیتے اور اپنے انجام بخیر کی دعا کے طالب ہوتے۔ تقریباً بارہ تیرہ سال وہ زندہ رہے۔ حضور قبلہ عالمؒ کا معمول تھا کہ سال میں ایک بار ضرور ان سے ملنے کے لئے گوجرانوالہ تشریف لے جاتے۔ کھانا حاجی معراج الدین صاحب کے ہاں تناول فرماتے اور صوفی محمد رمضان صاحب کے ہاں صرف چائے نوش فرماتے۔ ان کی چائے سارے تکلفات سے پر ہوتی۔ جب کبھی ایسی ملاقات ہوتی تو حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں ایک ڈائری پیش کرتے۔

* * * * * *

باب ۱۰

آخری سفر (وصال)

فطرت کاملہ نے تخلیق کائنات کے ساتھ ہی موت و حیات کا ایک ایسا نظام وضع کر دیا ہے جو بظاہر تو بڑا تکلیف دہ لیکن دراصل اس کائنات کے خوبصورت ارتقاء میں ممد اور معاون ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَتُہ الْمَوْتِ [۱] کے قرآنی اصول کے تحت ہر ذی روح کو ایک دفعہ موت کے دروازے سے گزرنا ہے۔ یہ ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو صدیوں سے تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی پر پوری اتر رہی ہے اور جس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔

۱۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ـــ (۵۵: ۲۶، ۲۷) [۲]

۲۔ اَیْنَ مَاتَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (۴: ۷۸) [۳]

یہ آیات قرآنی بھی اسی حقیقت کی وضاحت کے لیے ہیں لیکن اگر ان کے مفہوم پر غور کیا جائے تو اس نظامِ فطرت میں خالق اور مخلوق میں ایک حدِامتیاز بھی نظر آتی ہے کہ مخلوق تغیرپذیر اور فانی ہے جبکہ خالق کائنات کی ذات اقدس ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

موت و حیات کا اسلام نے جو تصور دیا ہے اس کے مطابق انسان کی موت فنائے محض نہیں بلکہ زندگی میں کیے گئے اعمال کا بدلہ حاصل کرنے کے لیے ایک نئے سفر کا نقطہ آغاز ہے گویا حیات دنیا کا اختتام اور حیات اخروی کی ابتداء۔ اس کے بعد ایک اور انقلاب آئے گا جب انسان اپنے اعمال کے محاسبے کے لیے پہلے کی طرح مکمل طور پر زندہ ہو کر اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر ہو گا اور جزا اور سزا کے فیصلے کے بعد جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا اور یہ دوبارہ ملنے والی

۱۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ (۲۱: ۳۵)

۲۔ زمین پر جتنے ہیں سب کو فناء ہے باقی ہے تمہارے رب کی ذات جو عظمت و جلال والا ہے۔

۳۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آئے گی۔ اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو۔

زندگی کبھی ختم نہیں ہو گی۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ (۲۹ : ۶۴) [1]

انسان کے اعمال کے احتساب کا دن مقرر ہے جسے روز قیامت کہا گیا ہے۔ لیکن موت اور روز محشر کے درمیانی عرصے کو عالم برزخ کہتے ہیں' برزخی زندگی کی کیا وسعتیں ہیں؟ مومن اور کافر کی برزخی زندگی میں کیا فرق ہے؟ اسے جاننے کے لیے مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پر غور کیجئے الدنیا سجن المومن وجنة الکافر [2] کافر دنیا میں ہدایت ربانی سے آزاد رہ کر من مانی کرتا ہے اس لیے یہ زندگی اس کے لیے جنت ہے لیکن جونہی موت آئی عذاب و عقاب کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مومن اپنی ایمانی اور آئینی پابندیوں کی بنا پر گویا قیدخانے میں ہے مگر جونہی دم نکلا وہ آزاد ہوا عرش اور فرش کی پہنائیاں اس کی جولانگاہ بن گئیں۔ مومن اپنی برزخی زندگی میں کس شان کے حامل ہوتے ہیں' اس کا اندازہ کچھ یوں ہوتا ہے کہ ان کی وفات کو انتقال یا وصال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اَنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لایَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ (تفسیر کبیر) [3] لفظ "وصال" کا ماخذ غالباً حضرت حباب بن الاسود کے ان الفاظ سے لیا گیا ہے اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (شرح الصدور) [4] غالباً اسی موقع کی مناسبت سے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

فنا کیسی بقاء کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اس میں گھر میں جا ٹھہرے

اس لیے "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ" سے دوام موت کا مفہوم نہیں نکلتا اور مردان خدا کی موت کو حسی' بے بسی اور فنائے محض پر محمول کیا جائے تو شہداء کو کیونکر زندہ مانا جا سکتا ہے۔ حالانکہ ان کی زندگی تو نص قرآنی سے ثابت ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام جن کے صدقے

۱۔ اور بے شک آخرت کا گھر ہمیشہ رہنے والا ہے۔

۲۔ دنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔

۳۔ بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتے ہیں۔

۴۔ موت ایک پل ہے جو دوست سے دوست ملنے کا وسیلہ ہے۔

شہداء کو زندگی ملی اور صدیقین (یعنی اولیائے کرام) جنہوں نے اپنے محبوب حقیقی کی محبت میں اپنے نفس سے جہاد کیا ان کی زندگی کا عقیدہ اور بھی وزنی ہو جاتا ہے۔ دراصل ان حضرات کی موت کا صحیح مفہوم وہی ہے جو علامہ اقبالؒ نے ان دو اشعار میں واضح کیا ہے۔

لحد میں بھی وہی کیف و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

موت کے اسلامی تصور کے بعد حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے سفر آخرت کی روائیداد بیان کی جاتی ہے۔

ا۔ زندگی کی ایک جھلک

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا سن پیدائش ۱۸۸۶ء مطابق ۱۳۰۵ھ ہے اور وصال مبارک کی تاریخ ۲۶ اگست ۱۹۶۷ء ہے۔ اس طرح آپؒ کی عمر مبارک کی طوالت تقریباً اسی (۸۰) سال کے لگ بھگ بنتی ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ اپنی زندگی کی طوالت کے متعلق فرمایا کرتے تھے "ہمارے خاندان میں اتنی لمبی عمر کسی کو نصیب نہیں ہوئی اور میری عمر کی طوالت کا راز یہ ہے کہ جو شخص اپنی کفو (نسل خاندان) کے ساتھ مروت کرے خدا اس کی عمر میں برکت دیتا ہے۔" یہ امر واقعہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نہ صرف اپنے خاندان بلکہ ہر کس و ناکس کی بھلائی کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہے۔ اپنے وسائل کی حد تک اپنے خاندان کے لوگوں کی ہر قسم کی مدد فرماتے رہے۔ آپؒ نے اپنی زندگی کے بارے میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف "انقلاب الحقیقت" میں کچھ واضح اشارے کیے ہیں۔ زندگی میں جن لوگوں نے آپؒ کی زیارت کی وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ حضور قبلہ عالمؒ کی زندگی علم و عمل کا بہترین نمونہ تھی۔ ایسی بھرپور زندگی کا اصل راز یہ ہے کہ باوجود اعلیٰ خاندان اور اعلیٰ منصب ولایت پر فائز ہونے کے نام و نمود سے ہمیشہ احتراز کیا اور سادہ زندگی کا بہترین نمونہ پیش کیا' خودداری کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا' سچ بات کو بلاخوف و خطر کہہ دیا'

اپنے منصب اور تعلق سے کوئی ناجائز فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ بلاامتیاز ضرورت مندوں کی ہر ممکن مدد فرمائی' جس سے ایک بار تعلق پیدا ہوا اس کو بڑے لجپال انداز میں نبھایا' غرباء اور مساکین کی دست گیری کی اور اپنے خاندانی روابط کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ ان میں مزید اضافہ کیا۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کی کئی جہتیں ہیں جن میں آپ" بیک وقت ایک عالم دین' ایک سجادہ نشین' ایک زمیندار اور علاقے کے ایک معزز رئیس تھے۔ یہ سب حیثیتیں ایسی ہیں جو ناز (شہرت) کا ذریعہ ہوتی ہیں لیکن آپ" نے ہمیشہ نیاز کو پسند کیا اور ہمیشہ اپنی بات کو اپنے بزرگوں کی برکات پر محمول کیا جس کی وجہ سے آپ" کا مقام و مرتبہ اخفاء کی نظر رہا اور کوئی بھی آپ" کے بلند مقام (ولایت) کا اندازہ نہ کر سکا۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی طبع مبارک گرمی کو برداشت نہ کر سکتی تھی اس لیے تقریباً پچیس سال حضور" نے موسم گرما خوشگوار آب و ہوا کے پہاڑی علاقوں میں گذارے۔ ابتداء میں رمضان المبارک گزارنے کا خیال غالب ہوتا تھا کہ گرمی کا روزہ سخت تکلیف دیتا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے دو مرتبہ سری نگر (کشمیر) تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ (وادی سون) سکیسر ضلع خوشاب کے مقام پر رمضان شریف میں تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ حاجی سعید احمد صاحب پراچہ کی دعوت پر کراچی میں رمضان کے روزے رکھے۔ اس کے بعد کھوڑہ ضلع خوشاب میں ابتداء میں رمضان شریف گزارنے کے خیال سے ہر سال تشریف لے جاتے رہے اور ملک حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم کے گھر قیام فرماتے رہے۔ بعد میں رمضان ہو نہ ہو زندگی کا معمول بن گیا کہ ہر سال جولائی کے وسط میں مع اہل و عیال پہاڑ پر (کھوڑہ) تشریف لے جاتے رہے اور اگست کے آخر یا ستمبر کے شروع میں واپس بیربل تشریف لاتے۔ حضور" کے تمام متوسلین بھی آپ" کے اس معمول سے آگاہ تھے اس لیے ان دنوں میں آپ" کی زیارت کے لیے وہیں حاضر ہوتے تھے۔ ملک حبیب الرحمٰن (مرحوم) بڑے خلوص والے انسان تھے۔ ان کے گھر میں حضور" کے اہل و عیال کا قیام ایسے ہوتا جیسے بیربل شریف میں اپنے دولت کدہ پر ہوتا اور کھوڑہ میں حضور قبلہ عالم" کے لیل و نہار ایسے ہی گزرتے جیسے گھر میں بسر

ہوتے۔ زندگی کے معمولات میں کوئی خاص فرق نہ آتا تھا اور لنگرشریف کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری رہتا۔

اہل کھوڑہ کی سعادت مندی تھی کہ حضور قبلہ عالمؒ وہاں تشریف لے جاتے اور آپؒ کے وہاں ہر سال مختصر قیام سے وہاں کے لیل و نہار بدل جاتے۔ اس قیام سے وہاں کے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آئے' اگرچہ علاقہ سون میں لوگوں کی اکثریت نماز پنجگانہ کی عادی ہے اور لوگ عام طور پر ہاتھ میں تسبیح لیے کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن حضور قبلہ عالمؒ کے قیام سے کھوڑے کی نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ میں اتنی رونق ہونے لگی کہ جامع مسجد کے لیے اہل کھوڑہ کو بہت سی زمین خرید کر مسجد کی توسیع کرنا پڑی۔ حضور قبلہ عالمؒ کے حکم سے بعد نماز صبح درود شریف سنگریزوں اور شماروں پر پڑھا جانے لگا اور جامع مسجد کھوڑہ میں یہ ایک پاکیزہ رسم ہمیشہ کے لیے جاری ہو گئی۔ حضور قبلہ عالمؒ کا دستور تھا کہ صبح چائے پی کر باہر سیرو تفریح کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ کو کھوڑہ کی آب و ہوا بہت پسند تھی اور اہل کھوڑہ کو حضور قبلہ عالمؒ کے ساتھ کچھ ایسا انس ہو گیا تھا کہ جب حضور قبلہ عالمؒ حرم شریف سے بیٹھک میں تشریف لاتے تو زائرین اور اہل شوق کا ایک مجمع لگ جاتا اور مجلس میں ہر پہلو پر گفتگو ہوتی۔ سون کی وادی بڑی مردم خیز ہے اور وہاں کے لوگ بھی طریق گفتگو میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ مجلس میں عجیب مسئلے پیش ہوتے۔ کبھی سیاست' کبھی مذہب اور کبھی اختلاف مذہب و سیاست' لیکن حضور قبلہؒ کی ذات کچھ اس طرح جوامع الکلم تھی کہ مختصر الفاظ میں مسئلے کا بہترین حل فرما دیتے۔

۲۔ مرض الموت

۱۹۶۷ء کا جولائی تھا کہ حضورؒ نے حسب معمول موسم گرما گزارنے کے لیے اس سرزمین پر آخری سفر اختیار کیا۔ اگرچہ طبیعت اس مرتبہ کمزور تھی اور نسبتاً نڈھال تھی تاہم ابتداء میں کوئی خاص بیماری بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ۱۵ جولائی کو آپؒ نے کھوڑہ جانے کا سفر اختیار کیا۔ اہل کھوڑہ بڑے جاں نثار لوگ ہیں۔ ہر سال اپنی بسوں پر حضورؒ کو لے جاتے اور لے آتے تھے۔

اہل کھوڑہ اس مرتبہ بھی بس لائے اور شام کو حضور قبلہ عالمؒ اپنی جائے قیام پر کھوڑہ پہنچ گئے۔

ایک ہفتہ قیام کے بعد آپؒ بیمار ہو گئے۔ سینہ مبارک پر بائیں جانب جگر کے مقام پر ایک ابھرا ہوا ورم سا محسوس ہوا۔ پہلے دیسی علاج شروع ہوا۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ڈاکٹری علاج کا مشورہ دیا' چنانچہ نوشہرہ سے ڈاکٹر صاحب بلائے گئے۔ تین دن کے علاج کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حضورؒ کو لاہور لے جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک مخلص سیٹھ قمرالدین صاحب کو لاہور فون کیا۔ انہوں نے لاہور سے اپنی کار بھیج دی اور حضور قبلہ عالمؒ اسی دن لاہور پہنچ گئے۔ ملک حبیب الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر عبیدالرحمٰن صاحب جو اس وقت میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے انہوں نے سروسز ہسپتال میں داخلے کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ پہلے موہنی روڈ تشریف لائے اور حضرت حاجی فضل احمد صاحبؒ کے مکان پر حسب دستور قیام فرمایا۔ یہاں غسل فرمایا اور کچھ کھانا تناول فرمایا اور اسی کار میں ہسپتال تشریف لے گئے۔

۳۔ وصال کی پیش گوئی

خدا کے بندوں کا جب وقت انتقال قریب ہوتا ہے تو وہ مختلف اشاروں' کنایوں اور بعض اوقات واضح الفاظ میں اس کی پیش گوئی فرما دیتے ہیں۔ کھوڑہ میں آخری قیام کے دوران جب حضور قبلہ عالمؒ کی بیماری کے ابتدائی ایام تھے تو ان دنوں میں آپؒ چل پھر سکتے تھے۔ ملک حبیب الرحمٰن (مرحوم) کے مکان کے مغرب جانب ایک گلی میں عصر کے وقت کسی کی دعوت پر چند احباب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپؒ صاحب خانہ کی بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ یہ ناچیز بھی اس یادگار مجلس میں حاضر تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کی زندگی کی یہ آخری رسمی محفل تھی۔ اس محفل میں آپؒ نے جو ارشادات فرمائے ان کا صرف ایک ہی موضوع تھا کہ آج کل بڑے بڑے لوگ ہسپتالوں میں فوت ہو رہے ہیں' کسی کو گھر میں مرنا نصیب نہیں ہوا۔ دسمبر ۱۹۶۶ء میں سیدنا و مولانا محمد فضل شاہ صاحب جلالپوریؒ کا انتقال ہوا تھا' وہ بھی ہسپتال میں فوت ہوئے تھے۔ ان کا بھی آپ نے ذکر کیا اور ایسے چند ایک اور حضرات کی آپؒ نے مثالیں دیں۔

تقریباً سارا وقت آپ" کے ارشادات کا یہی موضوع رہا۔ اس محفل کے بعد مرض میں اضافہ ہونے کے باعث پھر آپ" کو کسی ایسی محفل کا موقع نہ ملا۔ اس حقیقت کے باوجود ڈاکٹر کے کہنے پر اور حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اصرار پر آپ" بادل نخواستہ لاہور جانے کے لیے تیار ہوئے۔ سروسز ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے اور چند دن بعد وہیں آپ" کا وصال ہوا۔ گویا آپ" نے اپنے وصال کی بابت پہلے ہی فرمایا تھا کہ وصال ہسپتال میں ہو گا۔

حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ آپ" کی بڑی گہری طبعی موانست تھی (جس کا پہلے کئی جگہ ذکر ہو چکا ہے)۔ وہ بھی آپ" کی خوبیوں کے بڑے مداح تھے' ان کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا' آپ" نے مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۶۷ء کو وصال سے پورے سترہ دن پہلے کھوڑہ سے صاحب زادہ صاحب (موصوف) کو خط لکھا جو غالباً آپ" کا آخری مکتوب تھا اور یہ خط حضور قبلہ عالم" نے سید مظفر حسین شاہ صاحب سے املا کروایا جس میں حضور قبلہ عالم" نے اپنے وصال کی نہایت واضح انداز میں پیش گوئی فرمائی اور جو کچھ حضور قبلہ عالم" نے اس خط میں اپنے خواب کے متعلق لکھوایا حضور قبلہ عالم" کے جنازے کے دن بعینہ یہی صورت حال پیش آئی۔ اس خط میں آپ" نے صاحبزادہ صاحب کو لکھا۔

"میں جگر اور معدہ کا مریض ہوں۔ آج حکیم صاحب کو دکھایا' انہوں نے تشخیص اور علاج تجویز فرمایا۔ ان شاء اللہ' اللہ کے فضل سے صحت ہو جائے گی۔ میں اس مہینے کے آخر میں گھر چلا جاؤں گا۔ احباب آتے ہیں لیکن میرا باہر آنا دشوار ہوتا ہے۔"

اس اقتباس میں خط کشیدہ جملے کی حقیقت بھی بالکل صحیح ثابت ہوئی کہ اس ماہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ" کا جسد مبارک بیربل شریف لایا گیا اور ۲۷ اگست کو آپ" کی تدفین ہوئی۔

اس خط کا اگلا اقتباس اتنا واضح ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ آپ" نے اپنے وصال کی واضح پیشین گوئی فرما دی۔

"میں کئی دنوں سے سوچ رہا ہوں کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ میری حالت دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ موت آ رہی ہے کمزوری اور علالت جب کسی کی ظاہر ہوتی ہے تو آخر اس کا انجام موت ہی ہوتی ہے۔ میاں کرم دین وغیرہ سب دیکھے۔ اگلے دن خواب میں دیکھا کہ قبرستان میں ہوں

اور بہت سی قبریں ہیں۔ میری قبر کے موقع کی تلاش ہے۔ کچھ قبروں کے درمیان جگہ تھی لیکن میرے والد صاحب" نے کہا یہاں نہیں الگ دوسری جگہ قبر بنائی جائے۔ لیکن میں حیران تھا کہ ایک طرف تو قبر تیار ہو رہی ہے اور ایک طرف میں زندہ ہوں۔ میں کیسے زندہ درگور ہو سکتا ہوں۔ بہرصورت شواہد تو ایسے ہیں لیکن دل ہے کہ اپنی جگہ مست حرص و ہوا سے پر' ایک گھڑی بھی گناہ نہیں چھوڑتا۔ ایسی حالت میں مریں گے تو کیا مریں گے اور جیئیں گے تو کیا جیئیں گے وَمَا اُبَرِئُ نَفۡسِیۡ۔ (۱۲ : ۵۳) دعا فرمایئے اللہ نیک انجام فرمائے اور دنیاوی حرص و گناہ سے بچائے اور اپنی محبت صادقہ عطا فرمائے۔ جو کچھ میں تھا وہ تو لکھ دیا' اب آپ" کی کرم نوازی اور بزرگانہ الطاف کا منتظر ہوں کہ اللہ تعالیٰ نیک انجام فرمائے۔ آخر ایک دن جانا ہے کب تک بھاگیں گے۔ اگلے دن میری زندگی کا راز مجھ پر کھلا کہ کوئی بھی ہمارے خاندان سے اس عمر تک نہیں گیا۔ معلوم ہوا یہ عمر کی درازی صرف مروت کی وجہ سے عنائت فرمائی ہے۔ اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ طالب دعا ہوں' قصة العشق لا انفصام لها۔ لیکن یہاں دوسرا قصہ ہے' معصیت کا اور دلدل میں پھنسنے کا قصہ ہے۔ کون سن سکتا ہے۔" (۱)

۴۔ سروسز ہسپتال لاہور

غالباً ۱۵ اگست ۱۹۶۷ء کو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سیٹھ قمرالدین مرحوم کی کار کے ذریعے لاہور پہنچے اور اسی شام کو سروسز ہسپتال میں داخل ہو گئے' ڈاکٹر عبیدالرحمٰن صاحب کے ذریعے علیحدہ کمرہ کا انتظام کیا گیا اور علاج شروع ہو گیا۔ حضور قبلہ عالم" کے مخلص احباب کا ہسپتال میں ہمہ وقت مجمع رہتا جن میں بالخصوص حضرت مولانا غلام محمود صاحب" ' پیر سید محمد شاہ صاحب" ' قاضی محمد رضا صاحب" ' حافظ دوست محمد صاحب' حافظ حبیب شاہ صاحب' سردار فیروز خان صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی سردار ایوب خان صاحب مرحوم بھی وہاں موجود رہے اور دیگر مقامی احباب اپنے پروگرام کے مطابق ہسپتال میں آتے جاتے رہے۔ جب حضور قبلہ عالم" کو

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۱۳ تا ۱۵

خون دینے کا مسئلہ آیا تو سردار ایوب خان (مرحوم) کا خون موزوں پایا گیا تو انہوں نے بصد خوشی خون کا عطیہ پیش کیا۔ کوٹ بھائی خان (ضلع سرگودھا) کے مکین سرداروں میں سردار فیروز خان مرحوم کا خاندان دیرینہ خاندانی تعلقات کی بناء پر آپ" کے ساتھ نہایت مودبانہ اخلاص رکھتا تھا اور سردار فیروز خان مرحوم کا شمار حضور قبلہ عالم" کے مخلص مریدوں میں ہوتا تھا۔ حضور قبلہ عالم" کی نظر التفات بھی اس گھرانے پر بڑی خاص تھی۔ جب سردار فیروزخان مرحوم کے بھائی سردار ایوب خان مرحوم نے خون کا عطیہ دیا تو وہ اس بات پر بڑا فخر محسوس کر رہے تھے کہ یہ بھی ہمارے تعلقات کی ایک کڑی ہے کہ یہ سعادت بھی ہمیں نصیب ہوئی۔

ہسپتال میں گیارہ دن کے قیام کے دوران سب سے زیادہ متفکر اور پریشان حضرت قبلہ حاجی فضل احمد رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ حضور قبلہ عالم" کی نظرکرم سے لاہور میں ان کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکماء سے اچھے تعلقات تھے اور سب لوگ بزرگ کی حیثیت سے ان کی عزت کرتے تھے۔ انہوں نے ہسپتال کے علاج پر اکتفا نہ کیا۔ اپنے تعلقات کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے اس عہد کے نامور ڈاکٹروں کا ایک بورڈ بنایا جس کے سربراہ ڈاکٹر کرنل محمد یوسف مرحوم تھے جو حضرت اعلیٰ میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے نیازمندوں میں سے تھے۔ ان کے علاوہ مشہور حکماء سے بھی فرداً فرداً رائے لی گئی لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" والا معاملہ تھا۔

اس عرصہ میں حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پریشان حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری صاحب جو حضور قبلہ عالم" کے عقیدت مند اور خود بھی اعلیٰ پایہ کے حکیم تھے لکھتے ہیں۔

"میں ان (حضور قبلہ عالم") کی وفات سے ایک دن پہلے خواب میں دیکھ چکا تھا اور وہ خواب صبح ہوئے بالکل صحیح ثابت ہوا کہ حاجی صاحب" میرے پاس آئے۔ وہ بڑے ہی متفکر تھے جیسے کسی کا نوجوان بیٹا قرۃ العین موت و حیات کی کشمکش میں ہو اور وہ اسے ہر قیمت میں چھڑانا چاہتا ہو۔ حاجی صاحب" کہنے لگے (وہ بڑے مغموم اور آہیں بھر رہے تھے) کہ حضرت صاحب" کو ہم لاہور لے آئے ہیں۔ ہم نے انہیں سروسز ہسپتال میں داخل کرا دیا ہے مگر ہم تو زیادہ طب ہی کے قائل ہیں۔ آپ چل کر دیکھ لیں اور طبی مشورہ دیں۔ میرے جی میں آئی کہ کہہ دوں کہ

حضرت صاحب" اب رخصت ہو کر ہی رہیں گے۔ لبوں پر آ کر بات رہ گئی کہ کہیں حاجی صاحب" کی حالت غیر نہ ہو جائے۔ سارے راستے وہ یہی باتیں کرتے چلے گئے۔ حضرت صاحب" سے ملا تو ان کی باتوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہیں یقین ہے کہ آخری وقت آن پہنچا ہے اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں مگر اپنے مریدوں کے جذبات سے مجبور ہیں۔ وہاں سے نکلا تو حاجی صاحب نے کہا کہیے صارم صاحب! کیا خیال ہے۔ میں نے کہا کہ ان کی باتوں سے تو ایسے معلوم ہوتا ہے۔ مگر حاجی صاحب" کی محبت اور الفت انہیں اندھا اور بہرہ کئے ہوئے تھی۔ وہ ان باتوں کی اور تاویلیں کرنے لگے کیونکہ وہ کوئی اور دوسرا تصور ہی لانا چاہتے تھے۔"

سروسز ہسپتال میں قیام کے دوران جو خدام رات اور دن میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہتے ان میں چوہدری دوست محمد صاحب، ڈاکٹر عبیدالرحمٰن صاحب اور یہ راقم الحروف شامل تھے۔ ہم لوگ اتفاق سے رات دن کے قیام کا وقت تقسیم کر لیتے۔ دیگر احباب بھی اپنے اپنے پروگرام کے مطابق آتے جاتے رہتے۔ ہسپتال کے جس کمرے میں حضور قبلہ عالم" تشریف فرما تھے اس کا ایک عجیب ماحول تھا۔ حضور قبلہ عالم" کے آس پاس رہنے سے کوئی فکر اور پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ گویا طمانیت کا ایک سمندر تھا جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن جونہی کسی کام کاج کے لیے باہر جاتے تو سارا شہر مغموم نظر آتا۔ اس ناچیز کی یہ کیفیت تھی کہ بازار میں ریڈیو پر فلمی گانے بج رہے ہوتے تو ان کو سن کر رونا آ جاتا تھا۔ ہسپتال کی اسی کیفیت کا نقشہ ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم نے اس انداز میں کھینچا ہے۔

"میں حضرت" کی زندگی سے متاثر ہوا ہی تھا لیکن جو تاثر آپ" کی موت نے مجھ پر چھوڑا ہے وہ بھی کم نہیں۔ میں مری سے اپنی رخصت منسوخ کر کے لاہور پہنچا تو اسی رات آپ" پر بیماری کا شدید حملہ ہوا۔ جب میں ہسپتال گیا تو آپ" کی زبان سے الفاظ ادا نہ ہو سکتے تھے لیکن آپ" آنے جانے والے کو پہچانتے تھے اور لکھ کر بات بھی کر سکتے تھے۔ اس شدید حملہ کے بعد اور اس کے تین چار روز وصال تک ایک چیز نے مجھے بہت متاثر کیا اور وہ تھا آپ کا سکون اور اطمینان۔ آپ خاموش لیٹے رہتے لیکن طبیعت میں باوجود جسمانی درد اور تکلیف کے کوئی بے چینی نہیں تھی۔ چہرہ اتنا پرسکون تھا کہ میں جب دیکھتا حیرت میں پڑ جاتا اور اسی چیز سے کئی دفعہ

میری ہمت بندھ جاتی کہ حضرت صاحب" صحت یاب ہو جائیں گے۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ بھی ایک انداز فقر ہے اور یہ کہ مسند فقر و تصوف پر بیٹھنے والے ہر چیز سے بے نیاز ہوتے ہیں' نہ زندگی ان کے عزم و استقلال کو ڈگمگا سکتی ہے' نہ موت ان کے سکون اور اطمینان کو چھین سکتی ہے۔ وہ تو ہر وقت رب جلیل کے نشہ معرفت میں مست رہتے ہیں۔ زندگی اور موت ان کے لیے برابر ہے۔"[1]

ہسپتال کے قیام کے دوران ایک دن آپ" نے غسل فرمایا۔ گرم پانی کا اہتمام کیا گیا۔ خدام میں سے یہ سعادت اس ناچیز کو حاصل ہوئی کہ زندگی کے آخری غسل میں حضور قبلہ عالم" کی مدد کی۔ وصال کے تین روز پہلے ایک عجیب واقعہ ہوا کہ اس دن میں حضور قبلہ عالم" کے پاس رہا اور رات کو بھی میں نے ہی رہنا تھا۔ اتفاق سے اس روز پچھلے پہر صوفی محمد اقبال صاحب" بھیرہ سے تشریف لائے۔ ان کے آتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ ہم کئی روز سے حضور قبلہ عالم" کی خدمت میں ہیں' جو نئے لوگ آتے ہیں ان کو موقع ملنا چاہئے اور ایک آدھ رات کی قربانی دینی چاہئے۔ جب رہ رہ کے یہ خیالات میرے دل میں آئے تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے حضور قبلہ عالم" سے خود عرض کیا کہ آج رات میں حضور" کے پاس نہیں رہوں گا۔ آپ" نے فوراً ہی فرمایا کہ "شکر ہے تم نے خود ہی کہہ دیا۔" مختصر یہ کہ اس رات صوفی اقبال صاحب" آپ" کے پاس رہے' چونکہ ان کا شمار نہایت معتمد اور مخلص دوستوں میں ہوتا تھا اس لیے رات آپ نے ان کو اپنا "وصیت نامہ" تحریر کرایا۔ صبح جب معلوم ہوا کہ آج رات آپ نے "وصیت نامہ" صوفی محمد اقبال صاحب" کو تحریر کرا دیا ہے تو اپنے ایثار کی حکمت بھی معلوم ہو گئی' اور یہ بات بھی یقینی ہو گئی کہ

ع اب دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

ا۔ شیخ الطریقت نمبر ۸۹' ۹۰

۴۔ وصال

سروسز ہسپتال میں داخل ہوئے تقریباً گیارہ روز ہو چکے تھے۔ شروع میں جب علاج کے لیے سروسز ہسپتال تشریف لے گئے تھے تو اس وقت صرف ایک بیماری یعنی جگر کے کینسر کا شبہ تھا۔ وہاں پہنچ کر تین چار بیماریوں نے گھیرا ڈال لیا جن میں ہر بیماری اپنی جگہ بڑی اور مہلک تھی۔ اس دوران صدقات اور خیرات کی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ ختم کلام اللہ کا اہتمام کیا گیا۔ لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھا گیا۔ "یا سلام" کا ختم پڑھا گیا۔ ہزاروں مرید رو رو کر ہر وقت اور ہر لمحہ اپنے مربی طریقت اور رہبر شریعت و حقیقت کی زندگی کے لیے دعاگو رہے تھے لیکن قدرت کا اٹل فیصلہ ہو چکا تھا کہ اب اپنے اس محبوب کو اپنے پاس ہی بلا لیں گے۔ تقدیر کا قلم چل چکا تھا' اس لیے طبیب اپنی دانش بھول چکے تھے' اور دعاؤں کا اثر ملتوی کر دیا گیا تھا۔ وہ ہستی جس کی ایک نظر التفات مردہ دلوں کو زندہ کر دیا کرتی تھی' جن کی ایک ایک بات علم و عرفان کا پیکر ہوا کرتی تھی' جن کی زبان لسان العصر تھی کہ زندگی کے لاینحل مسائل کو چند سادہ الفاظ میں حل کر دیتی تھی' جو ہمہ وقت تسکین و طمانیت کی دولت لٹاتی تھی' جو غریبوں کے سہارا تھے اور بے نواؤں کے مونس اور مددگار تھے' جن کی دعاؤں سے تقدیریں بدل جایا کرتی تھیں' وہ جس کے نحیف جسم میں گلاب کی خوشبو کا عطر بسا ہوا تھا اور جس کی دید ہمارے لیے حج اکبر تھی۔

محبت کا مجسمہ الفت کا پیکر' تسکین و طمانیت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر' رحمت و شفقت کا بے مثال آفتاب' آخر ۲۶ اگست ۱۹۶۷ء بمطابق ۱۹ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ کو ایک بجے دن کے نوری فرشتوں کی معیت میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا جن کی زندگی کا دستور العمل ان کے اپنے ہی اس شعر کا مصداق تھا۔

؎ دم بدم تیرا تصور ہی رہے اور جستجو
ذکر سے تیرے رہے معمور میری گفتگو

اور زندگی بھر اپنے محبوب حقیقی کی تلاش میں یہ شعر گنگناتے رہے۔

؎ جان جہاں کہاں ہے تو مجھ کو تیری تلاش ہے
مجھ کو ہے تیری جستجو مجھ کو تیری تلاش ہے

آج اللہ کا یہ محبوب" اپنی عمر بھر کی تلاش میں کامیاب ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ بے شک حضور قبلہ عالم" کی وفات کا واقعہ اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ وصال کا معاملہ تھا' لیکن ہمارے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عظیم سانحہ نہیں تھا۔ در و دیوار گریہ زاری اور آہ و بکا کا منظر پیش کر رہے تھے' کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے' ہر ایک دوسرے کو تسلی دیتا لیکن خود غم سے نڈھال تھا۔

بعض اموات بڑی حسرت آیات ہوتی ہیں جن کا غم صدیوں تک نہیں بھلایا جا سکتا۔ جس طرح زندگی کے گوناگوں رنگ ڈھنگ ہیں اسی طرح موت کے انداز بھی رنگارنگ ہیں۔ ایک وہ جو زندگی کی طلب میں ختم ہو جاتے ہیں' ایک وہ ہیں جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک وہ جو موت سے پہلے ہی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت میں مر مٹتے ہیں اور ایسے لوگ اس شان و شوکت سے مرتے ہیں کہ ان پر ہزار زندگیاں قربان۔ چنانچہ اسی لیے ان کی موت کو وصال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ے زندگی نتواں گفت حیات را کہ مرد است
زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد
بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

حضرت صاحبزادہ صدیق احمد صاحب' سیدا شریف والوں نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر جو خراج عقیدت پیش کیا اس کا یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہو گا۔

"محبوب الٰہی محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ سرزمین پنجاب میں علم و عرفان کے ان آفتابوں مہتابوں یعنی حضرت للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شرقپوری" اور خاندان مرتضوی" کی آخری یادگار تھے۔ حضرت میاں صاحب شرقپوری" کی بزم کی آخری شمع اور بزم سلوک و تصوف کے آخری رفیق تھے جو کل تک ارشاد و ہدایت کی مسند کے مسیحا تھے۔

ے رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا جسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

سرزمین پنجاب کے اسلاف طریقت کی آخری نشانی جو بیربل شریف جیسی بستی میں پیدا ہوئی اور آج یہیں ابدی نیند میں محوخواب ہے' نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک بیربل شریف کو اپنے ذکر و اذکار کا جلوہ گاہ بنائے رکھا۔ یہیں ان کا ستارہ چمکا اور یہیں اس آفتاب عالمتاب نے سفرآخرت اختیار کیا۔ ایک گنج گراں مایہ تھا جو یہاں دفن ہے۔ "دفن ہو گا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز" اس پائے کا ولی اللہ اب شاید چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی نہ مل پائے۔"

۴۔ تجہیز و تکفین

ہسپتال سے حضور قبلہ عالم" کا جسم مبارک احمد پارک موہنی روڈ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب" کے گھر لایا گیا۔ وہیں آپ" کو غسل مبارک دیا گیا۔ قاضی محمد رضا صاحب' حافظ دوست محمد صاحب اور قاری غلام محمد صاحب فیض پوری نے آپ" کو غسل دیا۔ غسل کے وقت قاری صاحب نے بتایا کہ کئی سال پہلے میں شدید بیمار ہو گیا اور بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ حضور قبلہ عالم" شرقپور شریف تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور" اب میرا جنازہ پڑھ کر جانا۔ آپ" نے فرمایا "بھولیا! تم نے تو ہمیں غسل دینا ہے۔" بہرحال یہ وہی مقام ہے جہاں آپ" کے نام سے حضرت قبلہ حاجی صاحب" نے "مسجد عمر" تعمیر کرائی۔ اسی جگہ ادارۂ تصوف کا صدر دفتر اور اس کے تحت شائع ہونے والے ماہنامہ "سلسبیل" کا دفتر ہے' جس کے حضور قبلہ عالم" بانی اور مؤسس تھے۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب" کا گھر ہی ایسا مقام تھا جہاں آپ ساری عمر تشریف لاتے رہے۔ آخری وقت میں بھی اسی گھر کو سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت قبلہ حاجی صاحب" کے گھر میں مکہ مکرمہ سے حج کے موقع پر لایا ہوا کفن موجود تھا۔ وہی کفن پہنایا گیا۔ بڑی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ اس لیے لاہور اور گرد و نواح کے لوگوں کی خواہش کے مطابق بادشاہی مسجد کے جنوب میں واقع وسیع پلاٹ میں سوا چار بجے آپ" کا پہلا جنازہ لاہور میں پڑھا گیا۔ پھر وطن مالوف کی طرف ایمبولینس میں آپ" کی سواری سرگودھا پہنچی۔ جامع مسجد پولیس لائن سرگودھا جہاں پیر سید محمد شاہ صاحب" جو آپ" کے مخلص ارادتمندوں میں سے تھے' ان کے ہاں ہزاروں زائرین انتظار میں تھے۔ سواری دیکھ کر سب کی آنکھیں برس پڑیں۔

اہل سرگودھا کی سعادت کے لیے جامع مسجد پولیس لائن میں آپ کا دوسرا جنازہ پڑھا گیا اور لوگوں نے چہرہ انور' جس کی شعاعیں آفتاب کو شرما رہی تھیں زیارت کی۔ پھر حضور قبلہ عالم" کی سواری اپنے آبائی وطن بیربل شریف کے لیے روانہ ہوئی۔ اہل کھوڑہ اور وہاں کے مخلص احباب جو آپ کی بیماری سے بڑے متفکر تھے' ان کی طرف آپ" نے لاہور سے خط لکھوایا تھا جس میں لکھا تھا کہ ۲۶ اگست کو ہم گھر پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ اسی پروگرام کے تحت ۲۶ اگست کو آپ" کی سواری رات ایک بجے بیربل شریف پہنچی۔ پروگرام میں چند گھنٹے دیر اس لیے ہو گئی کہ راستے میں ایمبولینس خراب ہو گئی تھی۔ ۲۷ اگست صبح ساڑھے دس بجے حضور قبلہ عالم" کا خانقاہ مرتضویہ میں جنازہ ہوا اور نہ معلوم اس گاؤں میں اتنی مخلوق کہاں سے آ گئی۔ ہزاروں لوگ جنازے میں شریک ہوئے۔ حضرت قبلہ میاں غلام احمد صاحب" سجادہ نشین شرقپور شریف نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر زائرین کا ہجوم جو آپ کے آخری دیدار کے لیے بیتاب تھا ان کو زیارت کا موقع دینے کے لیے خانقاہ کی مسجد میں چارپائی رکھی گئی۔ پاکپتن شریف کے بہشتی دروازہ کی طرح لوگ ایک دروازہ سے داخل ہوتے اور زیارت کی سعادت حاصل کر کے دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔ زیارت کا یہ عمل کئی گھنٹوں بعد ختم ہوا۔ لحد مبارک تیار تھی۔ لکڑی کے صندوق میں وہ امانت جو امانت الٰہی کے مصداق تھی رکھی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس مقدس زمین کے حوالے کی گئی جو اس امانت کے اٹھانے کے لیے روزاول سے مقرر ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں سلام اور کروڑوں رحمتیں ہوں اس وجود مقدس پر جس کی ساری زندگی اللہ اللہ کرنے اور کرانے میں گذری۔

تو مگو اندرجہاں یک بایزیدے بود و بس
ہر کہ واصل شد بجاناں بایزیدے دیگر است

۸۔ تعمیر روضہ مبارک

دنیا میں ہزاروں بڑی شان و شوکت والے بادشاہ گزرے۔ ان کا کوئی نام لیوا نہیں۔ ان میں سے بعض کے عالی شان مقبرے بنائے گئے لیکن ان کے یہ مقبرے یا تو لوگوں کی عبرت کا نمونہ

بن گئے یا محض سیرگاہ یا پھر جرائم پیشہ افراد کی آماجگاہ بن گئے۔ اس کے برعکس فقر کی نرالی شان دیکھئے کہ صدیوں گزرنے کے بعد بھی حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں ایک ہی سماں رہتا ہے۔ ہر وقت نوافل' درود و سلام' فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی قبروں کو انوار اور تجلیات کا مرکز بنا دیتا ہے جہاں خلق خدا کا تائید ایزدی سے رجوع ہو جاتا ہے' اور اسی طرح اولیاء اللہ کے مزارات بالخصوص اپنے ارادتمندوں کے لیے ایسے ہی فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں جیسے ان کی زندگی میں لوگ ان سے باطنی فیض حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے اکثر اولیاء اللہ کے مزارات پر عقیدت مند عالی شان روضے تعمیر کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے ورثا میں اتنی سکت نہیں ہوتی کہ وہ خود ایسی عالی شان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ پس اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کام کے لیے غیب سے سامان پیدا ہو جاتے ہیں اور خدا لوگوں کے دلوں میں مالی امداد کرنے کا خیال ڈال دیتا ہے۔ کوئی اینٹوں کی ذمہ داری لے لیتا ہے اور کوئی سیمنٹ اور دیگر لوازمات تعمیر اپنے ذمے لگا لیتا ہے اور اسی طرح سارے اسباب پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

حضور قبلہ عالمؒ کے خانوادہ میں کئی پشتوں سے آپ کے آباؤ اجداد خدمت دین' ورع و تقویٰ اور پرہیزگاری میں منفرد چلے آتے تھے لیکن اس خانوادہ کو جو عروج اعلیٰ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ سے ملا اس کی پہلے نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ اس خانقاہ میں صرف اعلیٰ حضرتؒ کا قدیم طرز کا ایک ہشت پہلو روضہ موجود تھا باقی خاندان کے افراد کی صرف پختہ قبریں موجود تھیں۔ موسمی حالات اور سیلابی علاقہ ہونے کی وجہ سے حضرت اعلیٰؒ کے روضہ مبارک کا نچلا حصہ سیم و تھور سے بوسیدہ ہو چکا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ مزید عدم توجہ سے یہ گر جائے گا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں اس کے بوسیدہ حصے کی اپنی نگرانی میں مرمت کرائی جس سے اس کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور گرنے کا خطرہ ٹل گیا۔ اس کام میں خاندان مرتضویہ کے کسی اور فرد نے حصہ نہیں لیا تھا۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے آخری سفر کی تیاری کے سلسلے میں جس خط میں پیش گوئی کی تھی اس خط میں ایک خواب کا ذکر تھا۔

"اگلے دن خواب میں دیکھا کہ قبرستان میں ہوں اور بہت سی قبریں ہیں۔ میری قبر کے موقع کی تلاش ہے۔ کچھ قبروں کے درمیان جگہ تھی لیکن میرے والد صاحب نے کہا یہاں نہیں الگ دوسری جگہ قبر بنائی جائے۔"

حضور قبلہ عالمؒ کے خواب کی تعبیر بعینہٖ صحیح ثابت ہوئی۔ آپؒ کو وصال کے وقت خاندان کی قبور کے ساتھ ایک قبر (بطور امانت) میں دفن کیا گیا کہ اس وقت خانقاہ میں کوئی اور مناسب جگہ نہ تھی۔ آس پاس مقامی کاشتکاروں کے زیر کاشت نشیبی رقبے تھے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت اعلیٰ رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ مبارک کے مغرب میں بہت ساری زمین خرید لی گئی جہاں پہلے روضہ مبارک تعمیر کیا گیا اور چند سال بعد آپؒ کا جسد مبارک روضہ میں منتقل کیا گیا۔

روضہ مبارک کی تعمیر میں حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ کا جو کردار ہے وہ دراصل حضور قبلہ عالمؒ کے اس ارشاد کی عملی تعبیر ہے کہ ایک روز حضور قبلہ عالمؒ نے دوران مجلس فرمایا کہ "مولوی صاحب ہمارا روضہ تو بنوا ہی دیں گے۔" حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سے والہانہ محبت تھی' اور وہ حضور قبلہ عالمؒ کی ہر ادا پر مرمٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ بھلا وہ آپ کا فرمان کیسے پورا نہ کرتے۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بڑی نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ لاہور میں "مسجد عمر" کی تعمیر کے بعد فن تعمیر کی خوبیوں اور باریکیوں سے خوب آگاہ تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے وسیع اراضی کی خرید کا بیڑہ اٹھایا جو اس وقت بڑا مشکل نظر آتا تھا لیکن پیہم کوششوں سے زمین حاصل ہو گئی تو انہوں نے روضہ مبارک کا نقشہ بنوایا اور خدا کا نام لے کر روضہ مبارک کی تعمیر کے کام میں جٹ گئے۔ قبلہ حاجی صاحبؒ بڑے باہمت اور اولوالعزم واقع ہوئے تھے۔ وہ جس کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتے تھے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر چھوڑتے تھے۔ ان کی زبان مبارک میں بڑا اثر تھا۔ وہ جس کام کی تعمیر کا ارادہ کرتے لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے' لوگ جوق درجوق اپنا حصہ ڈالتے جاتے تھے۔

سیلابی علاقہ ہونے کی وجہ سے روضہ مبارک کی بڑی مضبوط بنیادیں اٹھائی گئیں' اور مربع شکل میں ۴۴ مربع فٹ پر بنیادیں اٹھائی گئیں۔ روضہ مبارک کا درمیانی حصہ ایک وسیع بارہ دری

پر مشتمل ہے جس کے درمیان قبر مبارک کی چوکھنڈی الگ ہے جس کے چاروں طرف وسیع اور بلند دروازے ہیں جو چنیوٹ سے بنوائے گئے۔ شیشم کی لکڑی کے طاق لگے ہیں جو ریلنگ پر کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ گنبد بڑا خوبصورت اور عمارت کی مناسبت سے بلند ہے۔ گنبد کے اندرونی حصہ میں رنگین نقش و نگار ہیں اور بیرونی حصہ پر سفید سنگ مرمر کے ٹکڑے لگائے گئے ہیں۔

• بکھر بار کے رہنے والے مستری محمد حیات مرحوم نے حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ کی نگرانی میں روضہ مبارک تعمیر کیا اور اس کی تعمیر کئی سالوں میں مکمل ہوئی۔ حضور قبلہ عالمؒ کے متوسلین نے اپنی اپنی توفیق کے مطابق اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ لیکن سردار فیروز خان مرحوم کا روضہ مبارک کی تعمیر میں بڑا حصہ ہے۔ مالی معاونت کے علاوہ سامان تعمیر کی درآمد برآمد کے لیے انہوں نے اپنا ذاتی ٹرک بہت عرصہ تک اس کام کے لیے وقف کئے رکھا۔ آج بفضلہٖ تعالیٰ حضرت حاجی فضل احمد صاحبؒ کی عملی کوششوں سے اس علاقے میں قدیم اور جدید طرز تعمیر کے امتزاج کا ایک بہترین نمونہ روضہ مبارک کی شکل میں موجود ہے۔

حضور قبلہ عالمؒ کے وصال کے بعد خانقاہ شریف میں درس قرآن مجید کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور بفضلہٖ تعالیٰ آج تک جاری ہے۔ روضہ سے ملحقہ بقیہ اراضی پر درس کے لیے کمرے بنائے گئے ہیں جو عرس مبارک کے موقع پر زائرین کے قیام و طعام کے لیے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔

* * * * * *

باب ۱۱

سیرت و کردار ـــــــ اخلاقی محاسن

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسان خالم خولی شکل و صورت کا نام نہیں اخلاق ہی انسان کو انسان بناتے ہیں۔ شکل و شباہت' اعضا و جوارح' ہاتھ پاؤں اور چہرے کے خدوخال کے لحاظ سے تو سب لوگ ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر سیرت و اخلاق کے اعتبار سے ان میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ فارسی کا ایک شعر ہے۔

؎ گر بصورت آدمی انساں بودے
احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

(اگر شکل و صورت سے کوئی انسان بن سکتا تو احمد مجتبیٰؐ اور ابوجہل میں کوئی فرق نہ ہوتا)۔

قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو جو اپنی ساری صوری صفات کے حامل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ معیار اخلاق سے عاری ہیں ان کو چوپایوں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۷ : ۱۷۹)۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے اخلاق' علم و حلم' جودوسخا' عفو و درگزر' ایثار و محبت سے آدمیت کا مقام بناتا ہے۔ انسان کی یہ خوبیاں اور ان جیسی دوسری صفات ہی آدمیت کا جوہر ہوتی ہیں جن کے باعث نہ صرف اس کا اپنا ماحول پربہار اور اس کی اپنی زندگی خوشگوار بن جاتی ہے بلکہ اچھے اخلاق سے انسانی معاشرہ ظلم و استبداد اور ہر طرح کے استحصال سے پاک ہو کر امن و سلامتی کا معاشرہ بن جاتا ہے۔

اخلاق کا معیار مطلوب

سورہ بقرہ کی آیات نمبر ۱۷۷ میں انسانی سیرت و کردار کے معیار مطلوب کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے: "نیکی یہی نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مغرب یا مشرق کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو خدا پر' فرشتوں پر' قیامت پر' کتابوں پر' پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش

کے باوجود اپنا مال رشتہ داروں کو' یتیموں کو' مسکینوں کو' مسافروں کو' مانگنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرانے میں دیا اور نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت' تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں۔"

پیغمبروں کی بعثت کا مقصد بنی نوع انسان کے انہیں اخلاق کی تعمیر قرار دیا گیا ہے جس کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام ہمیشہ آدمیوں کی سیرت سازی پر محنت کرتے رہے اور وہ انسانوں کو تزکیہ نفس و تکمیل اخلاق کا درس دیتے رہے۔ ان کا مقصد انسانوں کی ایسی سیرت سازی تھا جس کے ذریعے ماحول اور معاشرے میں ظلم و استبداد ختم ہو جائے اور ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو انسانیت کے لیے خوشگوار اور فلاح دارین کا ضامن ہو۔ نبی اکرم ﷺ کے متعلق فرمایا گیا: ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (آل عمران۔ ۱۶۴) (آپ ان کا تزکیہ نفس کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں)

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا (مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔[۱] کنزالاعمال کی ایک اور حدیث میں وارد ہے بُعِثْتُ لاتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ اَوْمَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (میں حسن اخلاق یا مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں)۔[۲]

صوفیاء کرام کے نزدیک حسن اخلاق کی اہمیت

حسن اخلاق صرف صاف ستھرا لباس پہننے' اچھی سوسائٹی میں بیٹھنے یا خندہ پیشانی سے پیش آنے کا نام نہیں بلکہ حقوق العباد کو پورا کرنا' خدمت خلق' ایثار اور قربانی' ہمدردی و خیرخواہی اور مخلوق خدا کو نفع و راحت رسانی کا نام اخلاق ہے۔ صوفیائے کرام کے ہاں حسن اخلاق کو بڑی

۱۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۳۲' مطبوعہ کراچی

۲۔ کنزالاعمال صفحہ ۵۲' مطبوعہ حیدرآباد دکن

اہمیت اور درجہ حاصل رہا ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی تعلیمات میں' ملفوظات میں اور عملی زندگی میں اخلاق فاضلہ پیدا کرنے کو لازمی قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک لطف و احسان اور اخلاق و مروت سے پیش آنا' پریشان حال اور غمزدہ لوگوں کی دلجوئی کرنا اوراد و وظائف اور عبادات سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ فضل بن عباس رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "آدمی کا اہل مجلس کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق سے پیش آنا اس کے رات کے قیام اور دن کے روزے سے زیادہ بہتر ہے۔"(1)

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکابر صوفیاء کرام کی زندگیاں صرف زہدو عبادت اور کرامات سے عبارت نہ تھیں بلکہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ اور عظیم کرامات مردہ دلوں کو زندہ کرنا' ان میں ایمان و ایقان کا بیج بونا ہے۔ صوفیاء کرام کے ہاتھوں اور ان کے دم قدم سے اسلام اور نیکی کی جو اشاعت ہوئی ہے۔ وہ ان کی کرامات اور خرق عادت واقعات سے کہیں زیادہ ان کے حسن اخلاق' احباب کی خبرگیری' مخلوق خدا کے لیے ایثار' محبت عامہ' دلجوئی اور خیرخواہی' جودوسخا' شفقت و رحمت اور بے لوث خدمت خلق کی وجہ سے ہوئی۔ صوفیاء کرام کے پاس سب سے بڑا ہتھیار اور سب سے بڑی طاقت جس کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے تھے اور ان کو اپنا گرویدہ بناتے تھے اور بڑے بڑے فساق و فجار اور گناہوں میں ملوث لوگوں کو پاکباز انسان بنا دیتے تھے' یہی خدمت خلق' محبت و شفقت اور حسن اخلاق کی تلوار تھی۔ پروفیسر محمد حسین آسی صاحب نے اس سلسلے میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی عالمگیر اشاعت کے زیادہ تر دو سبب ہیں۔ ایک اس کی اپنی حقانیت اور دوسرے مبلغین اسلام کا حسن اخلاق۔"(2)

اسلام میں شائستگی اخلاق کا اصل مبدا و معاد خود داعی اسلام حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہے جن کے اعلیٰ اخلاق کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دی ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی

ا۔ صوفیاء اور حسن اخلاق صفحہ ۳۵

۲۔ انوار لاثانی صفحہ۔ ۱۰۲

خُلُقٍ عَظِيۡمٍ (۶۸ : ۴)

اولیائے کرام جو اس چشمہ رحمت سے آبیاری پاتے ہیں وہ لامحالہ اسی خلق عظیم کے مظہر ہیں۔ خدا کے بندے ہمیشہ حسن اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں اور وہ اپنے اخلاقی محاسن ہی کے ذریعے تسخیر قلوب کر کے اسلام کی اشاعت میں کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ یقیناً دلوں کو فتح کرنا کسی اقلیم کی تسخیر سے بدرجہا بہتر ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ۔

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

اس کتاب میں کئی مواقع پر صاحب تذکرہ محبوب الٰہی حضرت صاجزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ کی جامع صفات نمایاں ہو چکی ہیں۔ تاہم حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ حسن اخلاق کے جس مقام پر فائز تھے اس کا تقاضا ہے کہ آپ کے بعض محاسن کا بالتفصیل ذکر کیا جائے۔

جودوسخا

جودوسخا یعنی سخاوت جو بخل (کنجوسی) کی متضاد ہے' اخلاق نبوی ﷺ کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے سخاوت کی تحسین اور بخل کی مذمت فرمائی ہے۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے۔ "کہ سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے' جنت کے قریب ہے' لوگوں کے قریب ہے' دوزخ سے دور ہے۔ کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور ہے' جنت سے دور ہے' لوگوں سے دور ہے اور جہنم کے قریب ہے۔"

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ بڑے کشادہ دست تھے۔ روزمرہ کی محافل میں بیٹھنے والے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی سخاوت کے مظاہرے اکثر دیکھتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمتہ اللہ علیہ کو روشن ضمیری عطا فرمائی تھی جس کے سبب آپ رحمتہ اللہ علیہ ہر آنے جانے والے کے حالات کو بہ علم باطن ملاحظہ کر لیتے تھے اور اس کے مطابق جودوسخا کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بعض ضرورت مندوں کو اپنا مقصد بیان کرنے کی حاجت بھی نہ ہوتی کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ پہلے ہی اس کی ضرورت کو پورا فرما دیتے۔ اس ناچیز (راقم الحروف) نے بیربل شریف میں قیام کے

دوران کئی ایسے واقعات دیکھے۔ یہ ناچیز خود اس وقت پریشان حال اور بے روزگار تھا۔ جب کبھی اپنی بے روزگاری کا دل میں خیال آتا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنے پاس سے رقم دے کر کبھی سرگودھا پیر سید محمد شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس نوکری کی تلاش کے لیے بھیج دیتے اور کبھی کسی اور اپنے مخلص کے ہاں رقعہ دے کر روزگار کی تلاش کے لیے روانہ کر دیتے۔ جب کبھی آپ رحمتہ اللہ علیہ کسی پریشان حال کی مصیبت کی روداد سنتے تو چہرہ مبارک پر جو اثرات دیکھنے میں آتے ان سے معلوم ہوتا کہ گویا یہ پریشانی آپ رحمتہ اللہ علیہ کا ذاتی معاملہ ہے۔ مریدیں اور مخلصین کی ضروریات کا بڑا خیال رکھتے حتیٰ کہ کمزوروں کے لیے کرایہ اور سفر خرچ کا خود اپنے پاس سے اہتمام فرما دیتے اور سفر کے معاملے میں ضروری ہدایات فرماتے تاکہ سفر بآسانی اور بروقت طے ہو جائے۔

اہل خاندان (برادری) میں بعض لوگ آپ رحمتہ اللہ علیہ سے مراسم کم رکھتے۔ اس کے باوجود خاندان کے مشترکہ معاملات میں آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنے سفیروں کے ذریعے خود پہل فرماتے اور صلاح مشورہ کر کے معاملات کو احسن طریقے سے نبٹاتے۔ اہل دہ پر آپ رحمتہ اللہ علیہ کی خصوصی نظر عنایت تھی۔ کسی کی تعلیم کا بندوبست کرتے اور کسی کی ملازمت کے لیے اپنے خدام کی ڈیوٹی لگاتے۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی ان کوششوں کے نتیجے میں اہل دہ میں سے اکثر لوگ باعزت روزگار حاصل کرتے۔ کئی یتیموں کی پرورش اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ درویش محمد خان اور اس کے دو بھائی ساکن بیربل شریف نے جن کے والد قتل ہو گئے تھے حضور قبلہ عالم کے لنگر میں رہ کر پرورش پائی۔ مخلصین کی ضروریات سے باخبر رہتے اور ان کی ہر ممکن مدد فرماتے۔ حافظ محمد حبیب شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ لنگر کی ایک بھینس بیربل شریف میں ایک شخص کے پاس شراکت میں تھی۔ وہ بھینس گابھن (نئی) نہیں ہوتی تھی۔ اس شخص کو کوئی مجبوری پڑی تو اس نے تنگ آ کر حضور قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کی کہ یہ بھینس تقسیم کر لیں تو حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اگر رقم کی ضرورت ہے تو رقم لے جاؤ۔ بھینس نئی ہو جائے گی۔" شخص مذکور نے عرض کیا حضور میں رکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ بھینس کی قیمت ۳۲۰ روپے مقرر ہوئی۔ حضور رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۶۰ روپے اس آدمی کو دے دیئے اور

بھینس لے لی اور یہ بھینس بابا عبدالرحمٰن ولد تاجہ بکھر ساکن بکھر بار کے حوالے کر دی اور فرمایا کہ اگر تمہارا دل کرے تو ساجھی کر لینا اور دل کرے تو بھینس کی قیمت دے دینا۔ بابا عبدالرحمٰن کے ہاں بھینس نے بچہ دیا تو اس نے حاضر ہو کر اطلاع دی۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اپنے پاس ہی رکھو۔ دل چاہے تو رقم دے دینا اور اگر چاہے تو ساجھی کر لینا۔ دوسرے سال پر ایسا ہی ہوا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے وہی الفاظ دہرائے جو پہلے سال کہے تھے۔ تیسرے سال پھر بھینس از سرنو تیار ہو گئی۔ اسی اثناء میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ غریب پروری کا کیسا منفرد انداز تھا۔

ایک خادم گجرات سے زیارت کے لیے آیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اس سے بڑے خلوص سے ملے اور احوال پوچھا اور فرمانے لگے کہ تو بیچارہ اپنے مرشد سے ملنے کے شوق میں گجرات سے آیا اور صرف دو روپے پیر صاحب کے لیے جیب میں تھے اور خود پاپیادہ سفر کر کے یہاں پہنچا۔ کیسی محبت ہے۔ پھر فرمایا: "اب تو دو دن یہاں ٹھہرا رہ۔ اپنی تھکاوٹ دور کر کے واپس چلے جانا۔" مگر وہ عرض کرنے لگا: "حضور ہم زمیندار لوگ ہیں کام بہت ہوتے ہیں۔" آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "اچھا سویرے چلے جانا۔" اور اپنی جیب سے پانچ روپے نکال کر جو اس وقت کرایہ لگتا تھا اسے دیئے اور فرمایا: "یہ کرایہ بھر لینا پیدل نہ جانا۔" وہ تھا کہ لینے سے انکار کرتا تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "لے لو ہمیں تو خدا اور دے دے گا۔ پانچ روپے دیں گے تو دس روپے مل جائیں گے۔" لوگوں نے بھی اس سے کہا تب اس نے پیسے لے لیے اور روانہ ہو گیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ گھر تشریف لائے تو ایک آدمی آیا۔ اس نے دعا کے لیے عرض کیا اور دس روپے پیش کئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا: "یہ دیکھو دس روپے فوراً آ بھی گئے۔"

حافظ ولی محمد صاحب سابق امام مسجد بیربل شریف کا بیان ہے کہ آپ کی مجلس میں دو چار آدمی ہر وقت موجود رہتے' کوئی آتا اور کوئی جاتا۔ حضور قبلہ عالم کسی ملنے والے کو در دولت سے خالی نہیں جانے دیتے تھے۔ سفر کا حال پوچھتے' سفر کی تکالیف کا احساس دلاتے اور ساتھ ساتھ سفر کرنے کے آداب بھی بتاتے۔ محمد فاضل مرحوم ساکن گھوکھانوالی ضلع گجرات کا بیان ہے کہ ایک

دفعہ بیربل شریف سے گھر جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ ساتھ ہی بی بی فاطمہ کا بیٹا بھولا بھی اجازت طلب کر رہا تھا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دونوں کو کرایہ عطا فرمایا اور ساتھ ہی فرمانے لگے "بھولے بھالے یار بھیڑی ہٹتی دے" محمد فاضل مرحوم حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے ان الفاظ کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے کہ حضور قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں "یار" کہہ کا پکارا تھا۔

غلام نبی ساکن قصور جو ایک جواری تھا' اس کی بیوی حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوتی تو عرض کرتی "یا حضرت دعا فرمائیں میرا خاوند جوئے باز ہے جس کی وجہ سے ہم تنگ دست رہتے ہیں۔" حضور قبلہ عالم گاہ گاہ غلام نبی کو خط تحریر فرماتے اور ہدایت کرتے۔ وہ خط کے جواب میں نعوذ باللہ گالیاں تحریر کرتا۔ ایک دن شام کے وقت بعد نماز مغرب آپ رحمتہ اللہ علیہ بستر کا تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ غلام نبی مذکورہ جو تھوڑی دیر پہلے پہنچا تھا' آگے بڑھ کر حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں دبانے لگا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "کون ہے .بیلیا؟" اس نے عرض کیا: "حضور! غلام نبی۔" آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاؤں کی طرف جوتا پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا: "بھین بھنگا! ایک طرف تو خط میں ہم کو گالیاں لکھتا ہے۔ اور اب یہاں بھی آ گیا ہے۔" اس نے ہاتھ جوڑے اور عرض کیا: "رکھ دو سائیں۔" آپ رحمتہ اللہ علیہ نے جوتا رکھ دیا اور کچھ دیر بعد اپنی طرف سے پچاس روپے عنایت فرمائے اور کہا کہ یہ گھر والوں کو جا کر دینا۔"

سید مظفر حسین شاہ صاحب بیربل شریف میں اپنی پہلی حاضری کے مفصل بیان میں اپنا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ حضور دری پر بیٹھ کر کسی کے لیے تعویذ لکھ رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جس سے حضور رحمتہ اللہ علیہ کی عظمت میرے دل پر نقش ہو گئی۔ ایک سفید پوش شخص نے جو لباس سے متوسط طبقے کا معلوم ہوتا تھا سیاہ واسکٹ پہنے ہوئے تھا' اپنی جیب سے کچھ نکالا اور خاموشی سے دری کا کونہ اٹھا کر نیچے رکھنے لگا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: "مجھے بتاؤ کیا رکھ رہے ہو؟" وہ اپنی مٹھی بند کیے ہوئے کہہ رہا تھا کہ "حضور یہ حقیر سا نذرانہ قبول فرمائیں۔" اور آپ رحمتہ اللہ علیہ اس کی مٹھی کھولنے کی کوشش

فرماتے ہوئے کہتے جاتے تھے کہ "آخر مجھے بھی بتاؤ کیا رکھ رہے ہو۔" آخر اس نے ہاتھ ڈھیلا کیا آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کی مٹھی سے وہ پیسے پکڑ لیے اور گننے لگے جو کل سات روپے تھے۔ وہ شخص منت سماجت کر رہا تھا کہ حضور قبول فرمائیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے گننے کے بعد اس سے پوچھا کہ "اچھا نکالیے اور کتنے پیسے تمہارے پاس ہیں۔ وہ چپ تھا اور منتیں ہی کرتا جاتا تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے تقاضے کے باوجود اس نے اور کچھ نہ نکالا۔ تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے پیسے واپس کرتے ہوئے فرمایا "عجیب حال ہے واپسی کے لیے کرایہ پاس نہیں رکھا اور جو کچھ موجود تھا وہ پیر کی نظر کیے جا رہے ہیں۔ واپسی پر جب پیدل گھر جاتا تو پتہ چلتا اور پیر کی محبت بڑھنے کی بجائے گھٹتی۔ بھائی تم نے مجھے اتنا لوبھی سمجھا ہے۔ میرے پاس خدا کے فضل و کرم سے اتنے پیسے ہیں (قلم رکھا اور ہاتھ پھیلا کر فرمایا) کہو تو لا کر دکھاؤں پھر ایسا نہ کرنا۔" وہ شخص رونے لگا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روپیہ پکڑ لیا اور فرمایا: "بھائی تیرے لیے لے لیتا ہوں۔ مجھے یہی کافی ہے۔ اپنی حالت کا اندازہ کرو۔ ہم کوئی حریص تو نہیں کہ دور دراز کا سفر کر کے آنے والوں کی جیبیں خالی کرا کے واپس بھیجیں۔" یہ واقعہ دیکھ کر ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جب آپ رحمتہ اللہ علیہ سرگودھا چلے گئے تو حافظ بدرالدین صاحب دری اور تکیہ سنبھال رہے تھے۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ حضرت پہلے بھی ایسا ہی کرتے ہیں یا آج ہی ایسا ہوا۔ حافظ بدرالدین صاحب نے مجھے بتایا کہ اس فقیر کی کیا بات آپ کو بتاؤں۔ چند روز پہلے کی بات ہے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے اندر کمرے میں بلایا اور ایک روپیہ دھات کا میرے ہاتھ پر رکھ کر پوچھا: "اس روپے نے آپ کے ہاتھ پر کچھ اثر کیا ہے یا نہیں۔" میں نے عرض کیا: "حضور! میں سمجھا نہیں۔" آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "یہ روپیہ مجھے اس بوڑھی عورت نے نذرانے کے طور پر دیا ہے لیکن اس روپے نے میرے ہاتھ کو کاٹا ہے۔ کسی طریقے سے مائی سے پوچھو کہ اس نے کہاں سے لیا ہے۔" میں نے مائی سے پوچھا تو پہلے تو وہ گھبرائی اور قسمیں کھانے لگی کہ میرا اپنا ہے جب میں نے اصرار کیا کہ تمہارے پاس کدھر سے آیا تو خفیف سی ہو کر بتانے لگی کہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا تھا۔ پاس تھا کچھ نہیں۔ ایک شریکنی کے ساتھ دانے کی بوریاں صاف کرائیں۔ اس سے ملا ہے۔ خالی ہاتھ کیسے آتی۔ میں نے حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو

سارا واقعہ بتایا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے باہر آ کر مائی کے سامنے مجھے کہا کہ "حافظ صاحب یہ مائی بیمار ہے۔ ہم نے دعا بھی کی ہے لیکن علاج کی ضرورت ہے۔" ایک دس روپے کا نوٹ نکال کر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے دیا اور فرمایا: "اس مائی کو ساتھ لے کر جھاوریاں جائیں اور حکیم لعل دین صاحب کو ہمارا سلام پہنچا کر روپے دینا اور کہنا کہ اس مائی کا اچھی طرح علاج کریں اور مزید رقم کی ضرورت ہو تو مائی سے نہ لیں ہمیں کہلا بھیجیں ہم دیں گے۔"

حافظ صاحب کہنے لگے بھلا آپ رحمتہ اللہ علیہ کی کون کون سی بات آپ کو بتاؤں۔ سارا دن ایسے ہی گزرتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو تو اپنے پاس سے کرایہ دے کر رخصت کرتے ہیں۔

حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ قبلہ عالم کے جودوسخا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " معاملات میں صرف لین دین ہی نہیں بلکہ اخلاق و عادات اور ہر طرح کا برتاؤ معاملات میں داخل ہے۔ حوصلے کی فراخی' ہمت کی بلندی' عزم کی پختگی' طبع کی سخاوت اور طبیعت کی بے نیازی یہ نبھنے نبھانے کی بنیادیں ہیں اور بعض لوگوں کو یہ بنیادی خوبیاں فطرتاً حاصل ہوتی ہیں۔ وہی لوگ آگے چل کر اولیاء اللہ بنتے ہیں۔ اور اگر فطرتاً یہ خصائل نہ ہوں تو کسباً حاصل کرنا عین اسلام ہے۔ تعلیمات اسلامی کا مقصد بھی یہی ہے اور وعظ و نصیحت کی غرض بھی یہی ——— حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اپنا پرایا حضور رحمتہ اللہ علیہ کی ظاہر اور پوشیدہ مہربانیوں سے خالی نہ رہتا۔ دوست تو رہے دوست دشمن پر بھی سخاوت کا بادل برستا رہتا تھا۔" (۱)

انفاق فی سبیل اللہ

راہ خدا میں خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ (۹:۱۱۱) (بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جانیں خرید لی ہیں' اس کے بدلے ان کے لیے جنت ہے)۔ بندہ مومن جب جان و

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر صفحہ ۶۰' ۶۱

مال سے دستبردار ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں انہیں قربان کر کے اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے تو دونوں جہانوں کی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی ساری زندگی اسی تگ و دو سے عبارت ہے۔ خانقاہی نظام کے سارے لوازمات اور روایات کو قائم رکھنا اور ان کو بطریق احسن نبھانا۔ یعنی اپنے بزرگوں کے عرسوں کا اہتمام کرنا' اپنے مشائخ کے عرسوں میں شمولیت کرنا وغیرہ یہ سارے لوازمات خرچ طلب ہیں۔ نادار اور بے سہارا متوسلین کی مالی اعانت اور ان کی ضروریات کا اہتمام بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور مالی قربانی کے زمرے میں شامل ہیں۔ اولیاء اللہ رضاء الٰہی کے حصول کے لیے مشکل ترین مجاہدات سے گزرتے ہیں۔ اس میں صرف عبادت اور زہد و اتقاہی شامل نہیں بلکہ جسمانی بیماریاں' خاندانی اموات اور دیگر مصائب و آلام بھی اسی میں شامل ہیں۔ گویا سالک کو صبر و استقامت کے ذریعے خداجوئی کے لیے کڑے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے اور اس سلسلے میں دعویٰ محبت جتنا بلند ہو گا قربانیاں اور آزمائشیں بھی اسی معیار کی ہوں گی اور یہ ساری چیزیں جان کی قربانی کے زمرے میں آتی ہیں۔

تصوف اور طریقت کا اصل مقصد اور منشاء خدمت خلق ہے۔ بلاامتیاز مخلوق خدا کی خدمت کوئی فکری اور نظری مسئلہ نہیں بلکہ خالصتاً عمل کا نام ہے جو فلاحی نوعیت کے کام سرانجام دینے سے ہی وقوع پذیر ہو سکتی ہے اور فلاح و بہبود کے کام سرانجام دینے کے لیے وقت' توجہ اور مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اپنی زندگی میں علاقے' اہل دہ اور عام مخلوق کی فلاح و بہبود کے کاموں میں ہمیشہ بڑی دلچسپی لی اور سرگرمی سے ان میں حصہ لیا۔ دریا جہلم کے مشرقی کنارے پرانی نہر کے ہیڈورکس کی باقیات کو خرید کر اور اپنے وسائل سے متعلقہ سامان اکھڑوا کر بیربل شریف کے سکول کے کمرے بنوائے۔ بیربل شریف کو آنے والے راستوں پر موجود راجباہوں کے پلوں کی تعمیر اور ان کچے راستوں کو قابل استعمال رکھنے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے اپنے خرچ پر مزدور رکھے جاتے تاکہ لوگوں کو آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔ جب اس علاقے میں اشتمال اراضی ہوا تو لوگوں کو راستوں اور سڑکوں کی اہمیت سے آگاہ کر کے مختلف اطراف سے گاؤں کو آنے کے لیے سڑکیں رکھوائیں۔

بیربل شریف میں داخل ہونے والی گلی کی زمین خرید کر گلی بنوائی۔ خانقاہ شریف کی مسجد کی تعمیر نو کرائی اور اور اس کو وسیع کیا گیا۔ حضرت اعلیٰ خواجہ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ کا روضہ مبارک جو سیلابوں کی وجہ سے بوسیدہ ہو چکا تھا اور اس کے منہدم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا' اس کی بنیادوں کو نئے سرے سے اپنے خرچ پر مضبوط کروایا جس میں خاندان کے کسی فرد نے کوئی حصہ نہیں لیا۔

گاؤں کے نادار' غریب' بے سہارا اور ضعیف العمر لوگ اپنے علاج معالجے اور دوسری ضروریات کے لیے آپ رحمتہ اللہ علیہ سے رجوع کرتے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنے وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ان کی ہر قسم کی مدد فرماتے۔ لوگوں کی بہبود کے لیے اگر کوئی اجتماعی نوعیت کا کام ہوتا تو اس میں آپ رحمتہ اللہ علیہ سب سے پہلے اپنا حصہ ڈالتے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی محفل میں بیٹھنے والے لوگ روزانہ ایسے واقعات کا مشاہدہ کرتے۔ حاجی شیر محمد ساکن کھوڑہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں حاضرخدمت تھا کہ ایک معمر خاتون حاضر خدمت ہوئی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ "یہ عورت میرے ساتھ لڑے گی۔" چنانچہ جب وہ قریب آئی تو پہنچتے ہی اس نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کا نام لے کر خیریت پوچھی۔ آپ نے خوش آمدید کہا۔ تو اس عورت نے کہا کہ آج میں تمہارے ساتھ لڑنے کے لیے آئی ہوں۔ میں جو مدت سے بیوہ ہو چکی ہوں آپؒ نے میری کبھی خبرگیری کی ہے؟ اب میری بیٹیاں جوان ہو چکی ہیں اور ان کے بیاہنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ آپؒ خود بتائیں کس کے پاس اپنی فریاد کروں۔ آپؒ نے فرمایا: تم کچھ فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جاتے وقت آپؒ نے اسے دس روپے کا نوٹ دیا۔ اس نے نوٹ لیتے ہوئے کہا کہ میرا خیال تھا کہ آپؒ میری زیادہ مدد کریں گے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا: تم روزانہ جب صبح اٹھا کرو گی تو دس روپے مل جایا کریں گے۔ اس خاتون نے عرض کیا کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ مجھے دس روپے روزانہ مل جاتے ہیں تو پھر کیا ہو گا (یعنی راز کھلنے پر یہ رحمت چھن جائے گی) تو حضور نے فرمایا کہ تم بے شک کوٹھے پر چڑھ کر اعلان کر دینا کہ مجھے دس روپے روزانہ ملتے ہیں یہ پھر بھی تجھے ملتے رہیں گے۔ جب وہ خاتون چلی گئی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "یہ خاتون ہمارے گاؤں کی ہے۔ فلاں گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی۔ ہم بچپن میں

اکٹھے کھیلتے تھے۔ اب یہ بیوہ ہو چکی ہے اسے جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مجھ سے آ کر فریاد کرتی ہے۔ اس کی میں فریاد نہ سنوں تو اور کون سنے۔"

توکل علی اللہ

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسباب کی بجائے مسبب حقیقی پر نظر رکھنا توکل کہلاتا ہے۔ حکم خداوندی ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۶۵ : ۳) (جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہی اس کے لیے کافی ہے)۔ خدا کے بندوں کے تمام افعال کی بنیاد توکل پر ہوتی ہے۔ تمام محاسن اخلاق کا مبدا و معاد یہی ہے۔ ان کی سخاوت' استقامت اور صداقت سب اسی کی مرہون منت ہیں۔ اسباب و علل سے وابستہ رہ کر اپنے معاملات کو خدا کے سپرد کر دینا توکل کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہ صفت صرف اسی انسان میں پیدا ہو سکتی ہیں جس کا مقصد حیات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اور باقی چھوٹے بڑے مقصد اس عظیم مقصد کی راہ میں گم ہو جائیں۔

حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی صفات عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ اخلاق و عادات میں اپنی مثال آپ تھے۔ حوصلہ اتنا بلند کہ سر پر پہاڑ آ جانے پر بھی منہ سے ہائے نہ نکلے۔ ہمت اتنی عالی کہ کوئی بڑے سے بڑا مقصد بھی بڑا معلوم نہ ہوتا تھا بلکہ بڑے مقصد کی اہمیت ہی نظروں میں نہ ہوتی تھی تاآنکہ وہ مقصد عام مقاصد کی طرح حل ہو جاتا۔ طبع کی بلندی چھوٹے چھوٹے مقاصد میں پھنسنے نہیں دیتی ورنہ اپنی طبع شیطان کا جال بن جاتی ہے جس میں انسان کو پھنسا کر ساری عمر ذلیل کرتا ہے۔ حضور رحمتہ اللہ علیہ کی طبع اس قدر بلند تھی کہ چھوٹے موٹے مقاصد کو کبھی مقصد نہیں بننے دیا۔

عزم کی بلندی ہی فقر کا سرمایہ ہے۔ حضور رحمتہ اللہ علیہ کی ہمیشہ ہدایت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کو مقصد بناؤ اور اسی مقصد کے حصول کے لیے باقی مقاصد کو قربان کر دو۔ ہاں! مشاغل معاشی چھوڑ کر نہیں بلکہ ان مشاغل میں رہ کر اپنے ذہن کو درست کرو اور اپنی روحانی طاقتوں سے کام لو۔"

فقر و استغناء

فقیر خدا اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ صوفی وہ ہے جس کا دل ماسوا سے مستغنی ہو کر اللہ تعالیٰ کی جستجو میں لگا رہے۔ اور اگر منعم حقیقی اسے کچھ عطا کر دے تو لے لے ورنہ بے طلب ہو کر بارگاہ الٰہی میں آداب بجا لاتا رہے اور اس کی رضا پر راضی رہے۔ بے نیازی کا یہی انداز فقر و استغناء کہلاتا ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی ذات اسی فقر و استغناء کا پیکر جمیل تھی۔ حقیقت یہ ہے یہی بے نیازی تھی جس نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو ایسے بلند مقام تک پہنچایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا تعلق جس علاقے سے تھا وہ بڑے بڑے صاحب اقتدار زمینداروں کا علاقہ تھا۔ لیکن آپ کا فقر غیور کبھی ان کے جاہ و جلال سے متاثر نہیں ہوا۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں۔

"بے نیازی ایک ایسا وصف ہے جو انسانیت کی آبیاری کے لیے اکسیر اعظم ہے۔ لالچ، حرص اور خواہشات ہی انسان کو انسانی مرتبے سے گرا کر اسفل السافلین میں پھینک دیتی ہے۔ لیکن حضور رحمتہ اللہ علیہ کی فطرت میں اس قدر بے نیازی تھی کہ دستور کے موافق کچھ پیش کرتے ہوئے ہمیشہ خوف رہا اور اپنی کسی دنیوی غرض کے لیے درخواست کرنے سے جھجک محسوس ہوتی تھی۔ کہ کہیں حضور اس کو لالچ اور طمع اور خواہشات کی زندگی پر محمول فرما کر فقر کی اہلیت کے ناقابل سمجھ کر اپنی توجہ ہی نہ ہٹا لیں۔" (۱)

ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم لکھتے ہیں۔

"حضرت کے کردار کا سب سے بڑا خاصا آپ رحمتہ اللہ علیہ کی طبیعت میں اخفا اور ضبط تھا۔ عرفان کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس قدر اخفا اور ضبط کا مظاہرہ فرمایا کہ کبھی دنیا پر اپنا صحیح مقام ظاہر نہ ہونے دیا۔ آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ ہم تو کچھ نہیں ہمارے بزرگ سب کچھ تھے۔ ہر نووارد کو یہی تاثر دیتے اور مجلس میں یا علیحدگی میں لوگوں کی الجھنوں اور پریشانیوں کے بارے میں عام بزرگوں کی طرح اس انداز میں کبھی نہیں فرمایا کہ جا ایسا

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت ص۔ ۶۱

ہو جائے گا یا ویسا ہو جائے گا' کیونکہ یہ بھی اندرونی قوت اور مقام کے افشاء کرنے کے مترادف تھا۔ یہاں تک کہ مریدین کے بیشتر کام حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی دعا اور برکت سے ہوتے تھے لیکن کام ہو جانے کے بعد اگر اس موضوع کو آپ رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا جاتا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ گفتگو کا رخ بدل دیتے ــــــــ

حضرت کی عادت تھی کہ اپنی ذات کے لیے کوئی اہتمام نہ فرماتے حالانکہ ضعیفی کے عالم میں جبکہ مریدین خدمت کے لیے تیار ہوں تو نفس چاہتا ہے کہ انتظامات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ کا اپنے نفس اور عادت پر اس قدر قابو تھا کہ کبھی عادت کے طور پر ان انتظامات اور سہولتوں کو قبول نہ فرمایا۔ جب بالکل ناگزیر ہو جاتا تو ضرورتاً" استفادہ فرماتے۔ مثلاً جب آپ رحمتہ اللہ علیہ لاہور سے واپس تشریف لے جاتے یا آتے تو کسی خاص سواری یا کار کے انتظام کے متمنی نہ ہوتے بلکہ جو انتظام اس وقت مہیا ہو جاتا اسی پر اکتفا کرتے اور کار پر اس وقت تک تشریف نہ رکھتے جب تک اس پر سوار ہونا ناگزیر نہ ہو جاتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حاجی صاحب کی قیام گاہ سے تھوڑی دور تک جانا تھا۔ میں نے ہر چند درخواست کہ حضور رحمتہ اللہ علیہ کار میں بیٹھ جائیں۔ لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ نے قبول نہیں فرمایا۔ میں کار آہستہ آہستہ پیچھے چلاتا آیا کیونکہ کار کو بھی وہاں ہر صورت لے جانا تھا۔ لیکن حضرت رحمتہ اللہ علیہ بدستور پیدل چلتے رہے ــــــــ

ایک اور بڑی خوبی جو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی ذات میں دیکھی وہ یہ تھی کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مریدین پر دانستہ یا نادانستہ کبھی مالی یا ذہنی بوجھ نہیں ڈالا اور نہ کبھی کسی مرید کی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر حالات کو اپنے لیے سازگار بنانے کی کوشش کی۔ یہ اتنا بڑا ضبط ہے کہ فی زمانہ اس پر کاربند ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے کار خریدنے کے بعد جب حضرت پہلی مرتبہ لاہور تشریف لائے تو صبح کی مجلس کے بعد میں رخصت ہونے لگا تو کسی صاحب نے مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ "آپ گھر پہنچ کر کار ڈرائیور کے ہاتھ واپس بھیج دیں تاکہ حضرت کے آنے جانے میں آسانی ہو۔" پیشتر اس کے کہ وہ صاحب اپنا فقرہ ختم کرتے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے خلاف عادت و معمول حکماً" فرمایا: "نہیں نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ

مصروف آدمی ہیں مجھے کار کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔" حضرت کا یہ حکم اتنا قطعی تھا کہ میں جواب میں کچھ نہ کہہ سکا اور چلا آیا۔"

سردار حاجی محمد یعقوب خان ولد حاجی امیر خان میکن ساکن کوٹ بھائی خان نے ایسا ہی ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بار آپ رحمتہ اللہ علیہ سرگودھا تشریف لائے اور موہنی فلور ملز کے قریب پیر الطاف حسین شاہ ایڈووکیٹ کے ہاں تشریف فرما تھے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ گورنمنٹ کالج سرگودھا جا کر حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کریں جو اپنے صاحبزادے پروفیسر عبدالرسول صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے۔ وہاں جانے کے لیے آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک تانگہ منگوایا۔ پاس ہی موضع سکیسر کے ایک بہت بڑے زمیندار بیٹھے تھے۔ اس نے عرض کی کہ میرے پاس کار ہے میں کالج تک آپ رحمتہ اللہ علیہ کو چھوڑ آتا ہوں۔ لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کار پر جانے سے معذرت کی اور آپ بذریعہ تانگہ اپنی منزل مقصود پر تشریف لے گئے۔

احترام آدمیت اور شفقت عامہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ ایک روز والد صاحب (حضرت شاہ عبد الرحیم رحمتہ اللہ علیہ) ظہر کی نماز کے فوراً بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہ یہ دو اشعار پڑھے۔

گر تو راہ حق خواہی اے پسر
خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است
این چنیں فرمودہ آن خیر البشر [۲]

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر صفحہ ۸۳۔۸۷

۲۔ اے بیٹے اگر تو حق کی راہ (راہ سلوک) پر چلنا چاہتا ہے تو کسی دل کو رنجیدہ کرنے سے باز رہ۔ راہ سلوک کا رکن اعظم رحم کرنا ہے۔ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ارشاد فرمایا ہے۔

پھر فرمایا قلم دوات لے کر اس کو لکھ لو کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے یہ اشعار اچانک میرے دل پر القا فرمائے ہیں تاکہ تجھے وصیت کروں۔"[1]

تصوف چونکہ سراپا اشتیاق الٰہی کا نام ہے لہٰذا اس راہ پر چلنے والا اللہ تعالیٰ ہی کو مقصد حیات بنا لیتا ہے۔ اس کو قول و خیال اور عمل میں غرضیکہ ساری کائنات میں اسی کی ذات کی جلوہ نمائی دکھائی دیتی ہے۔ اس زاویہ نگاہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل و دماغ سے تعصب و تنگ نظری، نفرت و حقارت، امتیاز رنگ و نسل، اختلاف عقائد و مذہب اور فرقہ بندی اور گروہ بندی کے جذبات مٹ جاتے ہیں اور وہ ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سمجھتا ہے اور ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق وہ سب انسانوں کو الخلق عیال اللہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ـــ یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

اس لیے وہ کسی کو آزار نہیں پہنچاتا، اس سے کسی کو رنج اور تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ انسان تو انسان وہ تو حیوانات پر بھی رحم کھاتا ہے۔ بقول حافظ شیرازیؒ

ـــ مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقت ما بیش ازیں گناہے نیست[2]

حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں اس مضمون کو اس طرح سمو دیا ہے۔

ـــ شنیدم کہ بندگان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ[3]

گویا صوفیاء کے نزدیک کسی کے دل کو دکھانا اسے بلاوجہ رنج پہنچانا یا تکلیف دینا سب سے بڑا

۱۔ انفاس العارفین ص۔ ۱۳۵ بحوالہ صوفیاء اور حسن اخلاق ص۔ ۵۳۔ ۵۴

۲۔ کسی کو تکلیف پہنچانے کے درپے نہ رہ اور جو کچھ چاہے کر کیونکہ میرے نزدیک اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں۔

۳۔ میں نے سنا ہے کہ راہ خدا پر چلنے والے لوگ دشمنوں کی دل آزاری نہیں کرتے۔

گناہ ہے اور اس کے مقابلے میں کسی کو خوش کرنا اور اس کی دلجوئی کرنا' اس کی خدمت کر کے دل موہ لینا سب سے بڑی عبادت اور عظیم نیکی ہے۔ اولیاء اللہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ساتھ ایمان و ایقان کے جس بلند مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں اس میں "محبت عامہ" کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور کامل اولیاء اللہ ہمیشہ اس کے طالب رہتے ہیں۔ کیونکہ محبت عامہ ہی آفاقیت اور احترام آدمیت کا ایک مؤثر ذریعہ اور مظہر بھی ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ صوفی محمد اقبال مرحوم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالٰی تمام نامساعد و نامناسب حالات سے مجھے بچائے اور یقین کامل یعنی ایمان' عرفان' محبت عامہ اور محبت خدا اور رسول ﷺ عنایت ہو۔"

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اسی "محبت عامہ" کے پیش نظر متقدمین اکابر صوفیاء کی طرح اس عہد کی عام روایت سے ہٹ کر راہ اعتدال کو اپنایا۔ جبکہ معاصرین صوفیاء طرح طرح کی افراط تفریط کا شکار رہے۔ میرے خیال میں آفاقیت ایسی "محبت عامہ" کا تقاضا کرتی ہے جس میں نفرت و حقارت اور تنگ نظری کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کی جگہ احترام آدمیت شفقت و محبت' عفو و درگزر اور رواداری لے لیتی ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ انسانیت اور فقر کے اس مقام پر فائز تھے کہ آپ کے لیے ہر انسان واجب الاحترام تھا اور کسی شخص کو بھی نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ آپ کے نزدیک شان و شوکت کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم حضور قبلہ عالم کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

"ایک سالک ایک عرصہ تک حضرتؒ کے ہاں آتے جاتے رہے۔ اس کے بعد وہ ایک ایسے بزرگ کے زیر اثر آ گئے جو غالباً ملامتیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب نے داڑھی مونچھ اور بھویں منڈوا دیں اور عجیب عجیب حرکات جن میں اکثر حد درجہ کراہت لیے ہوئے تھیں کرنے لگے۔ اس بارے میں اطلاعات حضرت صاحب کو اور ہمیں ملتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ وہ عرس کے موقع پر حضرت کی مجلس میں گئے۔ جونہی وہ صاحب آئے حضرت نے ان کو بٹھانے میں اہتمام فرمایا اور ان کو اپنے قریب بٹھایا۔ ان کا حال پوچھا اور ان سے

مخاطب ہو کر گفتگو فرماتے رہے جن میں کوئی اشارہ ان صاحب کی تبدیل شدہ روش کے متعلق نہ تھا۔ یہ سب کم از کم میری توقع کے خلاف تھا۔ لیکن ایک فقیر اگر اس مقام سے بلند نہ ہو تو اس کا فقر خام ہے۔"(۱)

حافظ محمد حبیب شاہ صاحب کا بیان ہے کہ مولانا اللہ بخش صاحب خطیب جامع مسجد جھاوریاں جو کہ دیوبندی مسلک کے تھے اور نئے نئے دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے' پیروں اور بزرگوں کے خلاف سخت جذبات رکھتے تھے۔ ایک دفعہ بیربل شریف حاضر ہوئے اور مسجد میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں وعظ کیا۔ مولوی صاحب مذکورہ نے اپنی تقریر میں پیروں اور بزرگوں کے خلاف بہت سخت وعظ کیا اور دوران تقریر مشرک تک کہنے سے گریز نہ کیا۔ جب وہ وعظ ختم کر چکے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اٹھ کر انہیں اپنے کلاوے میں لے لیا اور فرمایا: "مولوی صاحب! ساری بات اس طرح بھی نہیں جس طرح آپ نے فرمائی ہے۔ آئیں چلیں اب آپ کو چائے پلائیں۔ آپ تھک گئے ہوں گے۔" مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ میں حضرت صاحب کی اس بات پر اتنا شرمندہ ہوا کہ جی چاہے کہ زمین میں دھنس جاؤں۔ میں تو انہیں مشرک بنا رہا ہوں اور یہ مجھے محبت اور شفقت سے چائے پلا رہے ہیں۔"

شفقت اور محبت عامہ کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دفعہ دو تین مسافر علاقہ تھل کے چار بیل ہمراہ لیے ہوئے بیربل شریف وارد ہوئے۔ سردی کا موسم تھا اور بارش مسلسل ہو رہی تھی۔ ڈیوڑھی کے اندر آ گئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اس وقت بیٹھک پر تشریف فرما تھے۔ جب دیکھا کہ ان کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں اور سردی سے ٹھٹھرے ہوئے اندر آ رہے ہیں تو پوچھا "بیلیو! کہاں سے آئے ہو۔" انہوں نے عرض کیا: "جناب! ہم پردیسی ہیں اور ہمارے ہمراہ چار بیل بھی ہیں لیکن بارش لگ گئی ہے۔ اب آگے جانا بھی مشکل ہے۔ اور یہاں ان کے باندھنے کی جگہ بھی کوئی نہیں مل رہی۔ پورے گاؤں سے پھر کر آپ کے ہاں پہنچے ہیں۔" آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "کوئی بات نہیں کہیں جگہ نہیں ملی تو

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۱۲۴

یہاں ضرور مل جائے گی ان شاء اللہ۔ اندر بیل باندھ دو۔ حیدر شاہ صاحب (خادم لنگر) کو حکم دیا کہ ان بیلیوں کے کپڑے بدلی کرا دو تاکہ بھیگے ہوئے کپڑے خشک ہو جائیں اور بیلوں کو چارہ ڈال دو۔ آج اگر ہماری بھینسیں کچھ بھوکی رہ گئیں تو کوئی حرج نہیں۔ بیلوں کو خوب کھلاؤ کیونکہ ان بیچاروں نے سفر کرنا ہو گا۔" رات کو ان مسافروں کی خوب مدارت ہوئی اور شاہ صاحب کو تاکید کر دی گئی کہ جس چیز کی ان کو ضرورت ہو مہیا کر دینا۔ مسافروں نے رات خوب آرام سے گذاری۔ سویرے ناشتہ کرایا گیا اور بیلوں کو چارہ بھی ڈالا گیا۔ جب وہ چلے گئے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "آج اللہ کے مہمانوں کی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے۔ پہلے تو اپنے تعلق والوں کی خدمت کرتے تھے۔" سبحان اللہ کیسی شفقت تھی یگانوں اور بیگانوں پر۔

حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضور قبلہ عالم کی اس صفت عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ محبت مجسم تھے' رحمتہ للعالمین کا مکمل عکس تھے۔ جو ایک مرتبہ خدمت میں حاضر ہوا محبت کا ایک دل آویز مجسمہ بن کر اس کے دل میں بیٹھ گئے پھر کبھی نہ نکلے۔ حضور اپنے مریدوں کو دوست کی خوبصورت اصطلاح میں یاد فرماتے۔ جس کو ایک مرتبہ دوست بنا لیا اس کی دوستی کو ہمیشہ نبھایا۔ لغزشیں معاف کیں' غلطیوں سے درگزر فرمایا اور اس کی خوبیوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ جو شخص جو استعداد لایا آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی استعداد کو ٹھکانے لگایا۔ غریبوں کے ہمدرد' فقیروں کے ملجاوماویٰ' درویشوں کی جائے پناہ اور بوریا نشین بادشاہ' ہم نے اس دور میں صرف ایک مرد کامل کو دیکھا۔ سادگی ایسی دل کش کہ اس سادگی پر ہزاروں تکلف قربان' فقر اتنا بلند اور ہمہ گیر کہ ہر آنے والا اپنے فقر کا حصہ لے کے جاتا ہے' سنت خیرالوراء ﷺ کا مجسم اور بے تکلف مجسمہ' فقر و تصوف کی تعبیرات میں اپنے وقت کا یگانہ' فرقہ بازیوں سے نفرت اور اعتدال کا ایسا خوبصورت مسلک کہ جسے ہر مسلمان پسند کرے۔"

ویسے تو ولی اللہ کی صفت ہی یہی ہے کہ جو آئے اپنا حصہ پائے لیکن یہاں تو صفت اتنے عروج پر تھی کہ فیض کی یکسانیت نے جہاں طالب مولا کے جذبہ محبت کو بھڑکایا وہاں دنیاداروں اور

دنیا پرستوں کے سینوں سے بھی حب دنیا کا زہر نکال پھینکا۔ بسا اوقات مجرم آتے اور صالح بن کر واپس ہوتے۔ کئی لوگوں کو دیکھا کہ خانقاہ شریف آئے مقصد کچھ تھا لیکن آداب خانقاہ بجا نہ لائے اور نماز کی پرواہ نہ کی۔ ایک دو دن کے قیام ہی میں وہ نماز کے پابند ہو گئے اور جب جانے لگے تو ان کے چہرے مقصد کی کامیابی سے نہیں سعادت کے نور سے چمک رہے تھے ــــــــ

محبت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ تمام مریدین یہی سمجھتے رہے کہ جتنی شفقت مجھ پر ہے شاید کسی دوسرے پر ہو اور ہر ایک کے رازدار اور اس کی ظاہری اور باطنی حالت سے پوری طرح واقف۔ اس کے گھر کے واقعات' اس کی گزران' اس کے دوست و دشمن' اس کی آمدنی اور خرچ سب آپ رحمتہ اللہ علیہ کی نظروں میں ہوتا تھا اور سب کے سب دعا میں شامل ہوتے تھے۔ اکثر کی تنگی و پریشانی کی حالت بدلتے دیکھی۔ اسباب وہی ہیں جن سے پریشانی پیدا ہوئی تھی لیکن ان سب کی روح بدل گئی ہے۔" (۱)

عجز و انکسار

حضور رحمتہ اللہ علیہ کی سادہ روی اور عجز و انکسار کے اظہار نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ کو بہت لوگوں سے پوشیدہ رکھا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ ہر بات کو اپنے پیر و مرشد حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اور اپنے آباؤ اجداد رحم اللہ اجمعین کی خیر و برکت قرار دیتے اور ہر وقت انہیں کے فضائل و کرامات کا ذکر کرتے اور اپنی عاجزی اور انکساری کا ذکر فرماتے۔ حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنی پہلی حاضری کے وقت اپنے متعلق ان کے اس ملفوظ کو بارہا دہراتے کہ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "دال دلیا ہو ہی جاویں گے۔ سچ وہی بات ہو کر نکلی کہ ہم دال دلیا ہی رہ گئے۔" (۲)

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۱۷' ۴۲' ۵۷

۲۔ انقلاب الحقیقت۔ ص۔ ۱۶

کبھی اپنی عظمت و بزرگی کا دعویٰ نہیں فرمایا۔ جن خانوادوں سے اپنا اور اپنے بزرگوں کا تعلق تھا ان کے صاحب زادگان کا خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود حددرجہ ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھا۔ اپنے خاندانی عزت و وقار کو انہیں بزرگوں کی خیر و برکت خیال کیا اور اس کا برملا اظہار بھی فرمایا۔

منیر احمد صاحب ولد مولوی غلام محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ ساکن بھوجووال کا بیان ہے کہ حضور مکان شریف' شرقپور شریف اور للّٰہ شریف کے مشائخ زادگان کو محبت اور عقیدت اور مرشد زادگان کے شایان شان ادب سے پیش آتے۔ اگرچہ وہ حضرات آپ رحمتہ اللہ علیہ کا حسب مرتبہ احترام کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ اول الذکر دونوں مقام کے سجادہ نشینوں کی باہم آویزش کو دور کروانے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے تہ دل سے کوشش فرمائی جبکہ للّٰہ شریف کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ مطلوب الرسول صاحب مدظلہ کی روحانی تربیت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے صاحبزادہ موصوف کے بارے میں نہایت تحسین آمیز الفاظ سنے گئے۔ مثلاً ان کا عالم جوانی میں اس قدر اتقاء اور صاحبزادہ ہونے کے باوجود اس قدر راہ سلوک میں محنت اور لگن سے کوشاں ہونا وغیرہ۔

حافظ دوست محمد صاحب ساکن جوہر آباد کا بیاں ہے کہ للّٰہ شریف آپ رحمتہ اللہ علیہ کے جدامجد حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ کا پیرخانہ تھا۔ جب آپ رحمتہ اللہ علیہ وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں صاحبزادہ صاحب آپ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آتے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ ان کو اٹھ کر ملتے حالانکہ وہ عمر میں آپ رحمتہ اللہ علیہ سے بہت کم تھے۔ حضرت صاحب ان کی خدمت میں دو زانوں ہو کر بیٹھتے اور ضعیف العمری کی وجہ سے تھک جاتے لیکن ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ حافظ حبیب شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سجادہ نشین للّٰہ شریف حضرت مطلوب الرسول مدظلہ نے کہا کہ حضرت آپ زیادہ عمر رسیدہ ہیں' یہاں آنے کی تکلیف نہ فرمایا کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ سال میں ایک دفعہ بھی پیرخانے میں نہ آئیں تو ہمارا ایمان بالکل کمزور ہو جائے۔"

ملک شیر محمد صاحب ساکن کھوڑہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضور کی خدمت میں حاضر

تھا۔ دو عمر رسیدہ بزرگ صاحبان نے حضور سے عرض کی کہ حضور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنی اولاد میں سے کسی پر مہربانی فرمائیں (یعنی اپنی خلافت عطا فرمائیں)۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: بعض بزرگوں نے اپنی اولاد کو جن میں استعداد نہیں تھی خلافت سونپ دی اور عوام الناس نے ان کو ان بزرگ کے ہم پلہ سمجھ کر ان کی ہدایات پر عمل کیا جس سے دین کا نقصان ہوا۔ ہم یہ غلطی نہیں کریں گے۔

بیربل شریف کی رہنے والی ایک عورت جو ضرورت کے وقت آپ رحمتہ اللہ علیہ سے قرض لیتی تھی اور اس کا خاوند اور لڑکا بھی ضرورت پڑنے پر قرض لے لیا کرتا تھا' ایک بار حاضر ہوئی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے قرض کی واپسی کے لیے فرمایا تو اسے صرف اپنی قرض لی ہوئی رقم یاد تھی اور خاوند اور بیٹے کی قرض لی ہوئی رقم کا علم نہیں تھا تو رقم کی مقدار پر اس نے غصے میں نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ حالانکہ اس وقت دوردراز کے لوگ بھی آپ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ حضرت صاحب کو توتو کر کے پکارتی تھی اور کہتی تھی کہ تو نے پہلے بھی اسی طرح رقم لکھ دی تھی۔ میں نے بالکل یہ ساری رقم نہیں دینی ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اس کی باتیں سن کر مسکرائے اور فرمایا: او بھولیے! پہلے تو اپنے خاوند اور لڑکے سے تو پتا کر لے۔"

ایک دفعہ یہ راقم الحروف حاضر خدمت تھا۔ موضع جہان آباد سے ایک حکیم صاحب تشریف لائے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ ان کے استقبال کے لیے اپنی مسند مبارک سے اٹھے اور ان سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور لڑکھڑا کر اٹھتے ہوئے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "حکیم صاحب! ہم اب بوڑھے ہو گئے ہیں۔" حکیم صاحب بھی بڑے دانا شخص معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے حضور کے یہ الفاظ سن کر کہا کہ حضور! ہمیں تو آپ اب جوان نظر آتے ہیں۔

یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے لیکن سمجھنے والے سمجھ گئے کہ اس مکالمے میں کیا راز نہاں تھا۔ یعنی حضور قبلہ عالم اپنی کسر نفسی کا اظہار فرما رہے تھے جبکہ حکیم صاحب آپ کی عظمت اور بلند مرتبہ کا اعتراف کر رہے تھے۔

ریاکاری سے پرہیز

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو تکلف' ریا اور نمود و نمائش سے سخت نفرت تھی۔ جیسے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی ذات خود سراپا اخلاص اور حقیقت پسند تھی ویسے ہی اخلاص اور حقیقت پسندی کی قدر کرتے تھے اور ریاکاری کی حوصلہ شکنی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضور کی محفل میں راقم الحروف موجود تھا۔ آپؒ کے ایک رشتہ دار جناب صوفی محمد حنیف مرحوم غالباً موسیٰ زئی شریف کے بزرگوں کے سفر کی شان و شوکت کا کافی دیر تک ذکر کرتے رہے۔ کہ جب وہ کہیں جاتے تھے تو ان کے جلوس میں اتنے لوگ ہوتے تھے اور ایسے شاندار استقبال ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ حضور قبلہ عالمؒ بڑی توجہ سے ان کی باتیں سنتے رہے۔ آخر میں آپؒ نے صرف اتنا فرمایا "صوفی صاحب' آپ کے دل سے دنیا کی محبت نہ گئی۔" حضور قبلہ عالمؒ کے اس جملہ سے صوفی صاحب کی گفتگو کا سارا محل دھڑام سے زمین بوس ہو گیا اور سننے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ فقر کی دنیا میں نمود و نمائش اور شان و شوکت کا کیا کام۔ ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ کا کھانا ایک جگہ (لاہور میں) تھا ہمارے دوستوں میں سے ایک نے اپنے احباب کو جمع کر کے حضرتؒ کا تزک و احتشام سے خیرمقدم کرنے کا انتظام اس طریقہ سے کیا کہ مکان کے باہر گلی میں ان کو دو رویہ کھڑا کر دیا۔ میں یہ منظر غور سے دیکھتا جا رہا تھا۔ جب حضرت صاحبؒ تشریف لائے تو اس اہتمام کو دیکھتے ہی آپؒ کے چہرہ مبارک پر پریشانی اور خفگی کے آثار نمودار ہو گئے۔ آپؒ نہایت تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے مصافحہ کئے بغیر مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ اگرچہ آپؒ نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن احباب معاملہ سمجھ گئے اور پھر کس کو گارڈ آف آنر پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضور قبلہ عالم شان و شوکت' نمود و نمائش ظاہری اور اہتمام سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ بازار یا سڑک پر اگر چلنا پڑ جائے تو احباب کو فرماتے کہ جمگھٹا بنا کر آپؒ کے پیچھے نہ چلیں بلکہ دو دو چار چار کی صورت میں نکل چلیں۔ ایک مرتبہ گوجرانوالہ میں ایک بزرگ کی عیادت کے لیے آپ تشریف لے گئے۔ جائے قیام سے چلنے سے پیشتر تمام دوستوں کو بازار میں بکھر کر چلنے کی ہدایت فرمائی اور خود صرف دو تین احباب کے ساتھ بعد میں روانہ ہوئے۔ شرقپور شریف میں

عرس کے موقع پر آپؒ جلسہ گاہ میں عموماً غیر معروف کونا کھدرا تلاش کر کے بیٹھتے اور گھنٹوں اس طرح بغیر کسی اہتمام کے بیٹھے رہتے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ کون بیٹھا ہے۔

محمد فاضل مرحوم ساکن گھوگھانوالی ضلع گجرات بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں حضور قبلہ عالم موضع مڈھ رانجھ میں کسی دوست کے ہاں قیام پذیر تھے۔ وہاں موضع دھنی کلاں جانے کا پروگرام بنایا۔ راستے میں موضع وریام کے قریب بارش شروع ہو گئی اور مخالف سمت سے ہوا چلنے لگی۔ آپؒ گھوڑی پر سوار تھے اور اوپر چھتری لے رکھی تھی۔ ہوا کے زور سے چھتری الٹ گئی جس سے گھوڑی بدک گئی اور آپؒ گھوڑی سے گر پڑے جس کے نتیجے میں آپؒ کی ہنسلی کی ہڈی اپنی جگہ سے اکھڑ گئی۔ اس سے آپؒ کو بہت تکلیف پہنچی۔ ایک ماہر کی کوشش سے ہڈی تو اپنی جگہ جڑ گئی لیکن تکلیف کی وجہ سے موضع دھنی کلاں تک احباب حضور عالمؒ کو چارپائی پر اٹھا کر لے گئے۔

دوران سفر حافظ محمد دین اچھے خاصے فاصلے پر سب سے پیچھے آ رہے تھے۔ جن سے لوگ چارپائی پر موجود بیمار کے بارے میں پوچھتے تھے تو وہ بڑی تفصیل سے حضور قبلہ اقدس کی تعریف کرتے اور خاندان کا تعارف لوگوں کو کراتے۔ اچانک حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ چارپائی نیچے رکھی جائے۔ جب چارپائی رکھی گئی تو آپؒ نے فرمایا: حافظ صاحب کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپؒ نے فرمایا: حافظ صاحب لوگوں کو خواہ مخواہ کیوں پریشان کرتے ہو۔ میری صاحبزادگی اور دیگر حالات بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ بس اتنا بتایا جائے کہ ایک بیمار آدمی ہے۔

الحاج حافظ دوست محمد صاحب کا بیان ہے کہ جب کبھی سفر مبارک میں احباب کے ساتھی کسی بزرگ کے دربار پر فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے جاتے تو جہاں کہیں ناگزیر ہوتا تو وہاں بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنا مختصر تعارف کراتے ورنہ احباب کو تلقین کی جاتی کہ اپنی پہچان نہ کرائی جائے۔ ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم نے حضور قبلہ عالمؒ کے اخلاقی محاسن کو نہایت خوبی سے ایک مختصر مضمون ”بیربل والی سرکار“ میں جس انداز میں سمو دیا ہے وہ مضمون اپنی مثال آپ ہے۔

اس مضمون میں وہ آپؒ کی اس صفت عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جب آپ" سفر پر روانہ ہوتے یا لوٹتے تو کسی خاص سواری یا کار وغیرہ کے اہتمام کے متمنی نہ ہوتے بلکہ سفر کا جو اہتمام سردست مہیا ہوتا اس پر اکتفا کرتے۔ حضور قبلہ عالم کسی کی دل شکنی کرنا پسند نہ فرماتے بلکہ دوسروں کی دلجوئی کی خاطر خود بے شمار جسمانی اور ذہنی کوفت برداشت فرما لیتے۔ مثلاً لاہور میں قیام کے دوران آپ" کا پروگرام کچھ اس نوعیت کا ہوتا کہ تہجد کے وقت بیداری کے بعد اگر ناشتہ لاہور کے مشرق میں ہے تو دوپہر کا کھانا مغرب میں، شام کی چائے جنوب میں ہے تو رات کا کھانا شمال میں اور پھر دعا وسط شہر میں۔ آپ باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے اور باوجود موسم کی شدت کے ہر ایک کے ہاں جاتے۔ جائے قیام پر بھی لوگ جمع ہوتے تھے کہ گیارہ بجے تک جمگھٹا لگائے جمع رہتے تھے۔ حضرت" تھک کر چور چور ہو جاتے لیکن کسی کو انکار نہ کرتے کہ دل شکنی اور مایوسی نہ ہو۔

لباس کی سادگی اور گفتگو میں اخلاص اور دل نوازی تو تھی ہی آپ کی مجلس بھی ریاکاری اور نمود و نمائش سے پاک ہوتی۔ آپ کی مجلس میں کسی کے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ہر چھوٹے بڑے شخص کی آپ" تک رسائی تھی، نہ کوئی محافظ نہ کوئی دربان۔ اکثر بزرگان دین کے ہاں انتظامات دیکھے ہیں کہ بغیر اجازت باریابی مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرتؒ کی مجلس دعوت عام ہوا کرتی تھی۔ اگر کسی مخلص نے حضور قبلہ عالم کی پیرانہ سالی اور کمزوری کے پیش نظر ملاقات کے اوقات مقرر کرنے کی کوئی کوشش کی بھی تو حضور کے جذبہ ایثار و قربانی اور لوگوں کے وفور شوق نے کبھی اس تدبیر کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔ یہاں تک کہ جب آپ ہسپتال میں بستر مرگ پر دراز تھے، باوجود ہسپتال کی پابندیوں کے آپ کی مجلس کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لوگ صحت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر حضور" کے بستر کے اردگرد جمع رہتے تھے۔ آپ" کے کمرہ کے ہجوم کو کم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کوئی تجویز کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر مایوس ہو کر یہ کوشش چھوڑ دی گئی۔ جب زندگی میں آپ" کا آستانہ ہر ایک کے لیے کھلا رہا تو موت کے وقت پابندی کیسی؟ لہٰذا آپ" نے مجلس میں ہی جان جان آفریں کے سپرد کی۔"[1]

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۸۸، ۸۹

میانہ روی

میانہ روی، اعتدال اور تحمل آپ ؒ کی طبیعت کی خاص خوبیاں تھیں۔ اگر کوئی آپ ؒ کے خیالات یا تحریرات پر اعتراض کرتا تو اس کو نہایت خندہ پیشانی سے سنتے اور تحمل کا دامن ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چھوڑتے یہاں تک کہ صریحاً غلط دلائل دینے والے کے ساتھ بھی بڑی نرمی اور شفقت سے پیش آتے۔ ڈاکٹر دل محمد قریشی صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔

"مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب جنہیں مذہب سے خاصا شغف تھا لیکن ان کے نظریات سے اکثر اختلاف کے پہلو نکلتے رہتے تھے، حضرتؒ کی خدمت میں بحث کی گرما گرمی میں آداب کی بیشتر حدود کو پار کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے مریدین ان کی اس بے باکی سے پریشان ہو کر تنبیہ کے لیے بھی تیار ہو گئے لیکن حضرتؒ کی پیشانی پر کوئی بل نہ آیا اور آپ ان کی بلند آواز کے تمام دلائل کو سنتے رہے اور اپنی دھیمی اور پر سکون آواز میں ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دو مرتبہ مریدین میں سے کسی نے ان صاحب کو آداب کی حدود کی طرف متوجہ بھی کرنا چاہا لیکن حضرتؒ نے فرمایا: نہیں ان کو اپنی طبیعت کے مطابق گفتگو جاری رکھنے دی جائے۔ اس کے باوجود جب بھی حضرتؒ نے ان کا ذکر کیا تو اچھے الفاظ میں کیا۔" (۱)

فرقہ بازوں اور نفرت پھیلانے والے مولوی صاحبان کو آپ ؒ پسند نہ فرماتے تھے اور معتدل علماء کی روش کو سراہتے اور علماء کی زیادتیوں کی یہ ایک حقیقی تاویل فرماتے کہ اگر فلاں گروہ حد اعتدال سے بڑھ نہ جاتا تو اس کا مقابلہ کوئی نہ کرتا۔ یہ مقابلہ قدرتی ردعمل ہے جو بے اعتدالیوں کے نتیجے میں ہو رہا ہے۔ یہ قدرت کا اپنا کام ہے اور ناقص فعل کا قدرتی انتقام۔ کسی مسلمان کو کافر کہنے والے اور بددین کہنے والے لوگوں کے اس رویے کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ فرماتے کہ مسلم ایک جماعت ہے کافروں اور مشرکوں کا ایک گروہ ہے۔ ان میں خلط ملط کیسے ہو سکتا ہے۔ جو مسلمان ہے وہ مسلم جماعت کا ہر حال میں ایک فرد ہے۔ جس طرح مسلمانوں کو اپنے اسلام سے

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۸۷

ہمدردی ہے' بالکل اسی طرح مشرکوں اور کافروں کو اپنے شرک و کفر سے ہمدردی ہے۔ اور وہ اپنے گروہوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے شرک و کفر کے عقیدوں پر ناز کرتے ہیں۔ بت پرستی کو وہ اپنا مذہب سمجھتے ہیں اور اسلام سے انہیں ہر طرح سے بیر ہے۔

حضور قبلہ عالم" ہر طبقے اور ہر فرقہ کے علماء سے اچھا سلوک فرماتے۔ ان کی عزت افزائی فرماتے۔ باوجود اس کے کہ بعض اختلافی مسائل کو پسند نہ فرماتے لیکن ان کے عالم دین ہونے کی وجہ سے قدر فرماتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہر طبقے کے علماء کو حضور قبلہ عالم سے عقیدت تھی۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"اہل علم کی حضور" بڑی عزت افزائی فرماتے اور مولوی صاحبان بھی اکثر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مطمئن جاتے۔ ایک دفعہ مولانا محمد شفیع صاحب" (سرگودھا والے) مع اپنے چند شاگردان کرام کے تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم" نے اپنے خاص خادم حافظ دوست محمد صاحب کو ان کی خدمت پر لگا دیا۔ سردی کا موسم تھا۔ بہترین کھانا اور بہترین بستر مہیا کیا گیا' گرم پانی ہر وقت تیار۔ حافظ صاحب محترم نے بڑی جانثاری سے اپنے مرشد معظم کی اطاعت میں مہمان حضرات کی خدمت کی۔ بیربل شریف میں دستور ہے کہ بعد نماز صبح درود شریف بصیغہ ندا بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے اور دعا کے بعد ختم خواجگان ہوتا ہے۔ لیکن اس روز حضور قبلہ عالم" نے بعد نماز فوراً فرمایا: بھائی آج مولانا صاحب تشریف لائے ہیں۔ آج باقی وظائف سب ختم' آج صرف درس قرآن ہو گا۔ مولانا نے درس دیا اور خوش خوش گئے۔ اس رواداری پر قربان جایئے کیونکہ مولانا صاحب دیوبندی مشرب کے عالم تھے۔ ان کے ہاں دستور کچھ اور ہے۔ وہ ندا کے ساتھ درود شریف نہیں پڑھتے اور بلند آواز کے ساتھ پڑھنا تو گویا ان کے ہاں ممنوع ہے۔ حضور قبلہ عالم" نے ان کے لحاظ سے اور اس خیال سے کہ مولانا صاحب بحث میں نہ الجھ جائیں یا ناپسندیدگی کی ہوا نہ چل پڑے اپنے معمول کے وظائف ملتوی کر دیئے۔"[1]

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۴۶

الحاج حافظ دوست محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیربل شریف حاضر خدمت ہوا تو حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ تبلیغی جماعت والے آئے تھے۔ دعائیں بہت مانگتے تھے اور اچھے لوگ تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ میں بمع خدام ان کے ساتھ تبلیغ کے لیے سفر پر چلوں۔ میں نے جواب دیا: میں بوڑھا آدمی ہوں البتہ یہ دوست آپ کے ساتھ اس شرط پر چلیں گے کہ جب ان کی مرضی ہو گی ان کو اجازت دے دی جائے اور یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ وہ سہ روزہ وغیرہ پورا کریں۔ جب انہوں نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا تو میں نے انہیں کہا کہ میں بھی تمہارے والا ہی کام کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ جھاوریاں والے جو تبلیغی جماعت کے اکابر بزرگوں میں سے تھے اور حضرت رائے پوریؒ سے روحانی نسبت رکھتے تھے' اکثر بیرون ملک تبلیغی دوروں پر رہتے تھے۔ لیکن جب کبھی واپس جھاوریاں تشریف لاتے تو حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں بڑی عقیدت سے بیربل شریف حاضر ہوتے۔ حضور قبلہ عالمؒ بھی ان کا حددرجہ اکرام فرماتے اور ان کے زہد و اتقا اور تبلیغی مساعی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے۔

* * * * * *

باب ۱۴

معمولات

تصوف اسلام کے نظری مطالعے اور بزرگان دین کی سوانح حیات کے پڑھنے کے بعد طریقت کا یہی خلاصہ سامنے آتا ہے کہ حسن خلق کے ساتھ انسانیت کی ہمہ گیر فوزوفلاح اولیاء اللہ کی زندگی کا مطمح نظر رہا ہے جس کے لیے انہوں نے مختلف طریقے اپنائے، لیکن مقصدیت میں سرمو فرق نہیں آیا۔ غالباً اسی لیے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے اپنے اس شعر میں طریقت کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

؎ طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

انسان کی زندگی کے دن رات تو کسی نہ کسی صورت میں بسر ہو جاتے ہیں لیکن اولیاء اللہ کے لیل و نہار اپنے محبوب حقیقی کے ذکر فکر میں، دین کی خدمت میں اور انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی پاکیزہ زندگیاں نہ صرف ہمارے لیے نمونہ بنتی ہیں بلکہ ان کی زندگیوں کا مطالعہ روحانی فیوضات کا بھی سرچشمہ ہوتا ہے۔ جب کسی بزرگ کی زندگی پر کوئی کتاب نظر سے گزرتی ہے تو ان کے سوانحی حالات، تصرفات، ارشادات اور ملفوظات کے ساتھ ساتھ روزمرہ زندگی کے معمولات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اول الذکر تمام چیزیں جز وقتی ہوتی ہیں جو جلد ذہنوں سے محو ہو جاتی ہیں لیکن عمر کے وسیع حصے پر محیط اور مشاہدے کے دائرہ کار میں ہونے کے سبب معمولات کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ تھوڑے سے تفکر سے فرد کی شخصیت کا متحرک نمونہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ ایک دفعہ ابوالبرکات حضرت سید فضل شاہ صاحب جلالپوری رحمتہ اللہ علیہ گجرات میں کسی مقام میں دورے پر گئے تو ایک معمر دیہاتی نے آپ“ سے کہا ”کہ آپ“ کی آمد اور استقبال کی شان و شوکت تو جلد ہمارے ذہنوں سے محو ہو جائے گی لیکن آپ“ کے والد اعلیٰ حضرت حیدر شاہ صاحب جلالپوری رحمتہ اللہ علیہ کا کھلا گریبان کبھی نہیں

بھولے گا۔" چنانچہ اس افادیت کے پیش نظر ذیل کی سطور میں حضور قبلہ عالم" کے معمولات زندگی کی جھلک دکھانا مقصود ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے معمولات جاننے کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو وہ حضرات جانتے ہیں۔ جن کو حضور قبلہ عالم" کے ساتھ کافی عرصہ زندگی گزارنے کا موقع ملا اور مدت تک خدمت اقدس میں آتے جاتے رہے اور سفر و حضر میں ساتھ رہے۔ راقم الحروف کو حضور قبلہ عالم" کی زندگی کے آخری سالوں میں چند ماہ مسلسل رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس عرصے میں جو باتیں مشاہدے میں آئیں ان کا ذکر کرتا ہوں۔

لباس و خوراک

پرانی وضع کے گاؤں بیربل شریف کے شمال مشرق کی جانب ایک مکان جسے اہل دہ کی زبان میں "بڑوں کی بیٹھک" کہا جاتا ہے' آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے سروقد' رخ تاباں' پیشانی درخشندہ' تیکھے نقوش' حنائی ریش مبارک والے ایک بزرگ تشریف فرما ہوتے تھے جو محویت کے عالم میں سربہ زانوں' اپنی نگاہ مستانہ اور جذب قلندرانہ سے ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور جن کی بدولت دیہات کا یہ ایک سادہ مکان انوار الٰہی کا مسکن بنا ہوا تھا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سفید سادہ لباس میں ملبوس کھلا کرتہ' تہ بند اور دستار مبارک کے ساتھ کاندھے پر چادر اوڑھے ہوتے تھے۔ سر پر شرقپوری ٹوپی رکھتے۔ عمامہ مبارک نہایت ڈھیلا ہوتا اور اسے مسنون طریقے سے باندھتے تھے' جو بہت خوشنما لگتا تھا۔ کرتہ مبارک کے بٹن کبھی کھلے ہوتے اور کبھی بند۔ کندھے پر چادر کبھی سفید ہوتی اور کبھی لکیردار چار خانے والی۔ جب آپ" چلتے تو اکثر یہ چادر زمین پر لٹک رہی ہوتی۔ سردیوں کے موسم میں لارنس پور کا بنا ہوا ایک کمبل استعمال فرماتے' ضعف کی وجہ سے کبھی تکیہ کے سہارے بیٹھتے اور کبھی لیٹ کر استراحت فرماتے۔ جسم مبارک نہایت نحیف اور بیماریوں کی آماجگاہ تھا۔ کبھی درد ریاح کی شکایت ہے اور کبھی نزلہ کا زور' دمہ کا عارضہ دائمی تھا۔ بیماری کی کمی بیشی روزمرہ کے معمولات پر اثرانداز ہوتی رہتی تھی۔

کھانا آپ" نہایت کم کھاتے' زیادہ کھانے کو اور بھوکی نظر سے کھانے کو سخت ناپسند فرماتے۔

فرماتے کہ "میں دوستوں کے لقمے گنتا رہتا ہوں' اس لیے کہ یہ میرے فرائض میں ہے کہ ہر آن اور ہر قدم ان دوستوں کی اصلاح کی فکر رکھوں جن کی اصلاح میرے ذمے ہے' میں اس کا ذمہ دار ہوں اور مجھ سے اس کی پرسش ہو گی۔" اکثر فرماتے کہ فقر کی بنیاد ان چار باتوں پر ہے۔ قلت طعام' قلت کلام' قلت منام اور قلت اختلاط مع الانام۔ کم کھانا' کم بولنا' کم سونا اور خلوت لایعنی باتوں اور مجلسوں سے بچنا اور اکثر یہ شعر پڑھتے:

؎ لب ببند و چشم بند و گوش بند
گر نہ بینی سر حق برما بخند

کھانے کی چیزوں میں مچھلی آپ" کو بہت پسند تھی۔ جس دن مچھلی کے سالن کے ساتھ کھانا کھاتے تو فرماتے کہ آج کھانا سیر ہو کر کھایا ہے۔ حضور قبلہ عالم" کی اس پسند کا صرف اس ناچیز کو پتہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ چوہدری محمد افضل خاں صاحب اور یہ ناچیز لاہور سے بیربل شریف کے لیے چلے۔ راستے میں چوہدری صاحب نے کہا کہ سرگودھا سے لنگر کے لیے کچھ لے لیں۔ راقم نے چوہدری صاحب کو بتایا کہ حضور قبلہ عالم" کو مچھلی بہت پسند ہے اور وہی لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا تو آپ" اس دن بہت خوش ہوئے۔ کھانا کھانے کے بعد آپ" نے وہی ارشاد فرمایا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ پھلوں میں بہت کچھ آتا تھا۔ کچھ چیزیں آپ" بیٹھک میں خواص کے لیے رکھ لیتے' باقی اشیاء کے دو برابر حصے کر کے گھر میں بھجوا دیتے۔ کھانا عموماً آپ" گھر کے اندر تناول فرماتے۔ سفر کے دوران دوستوں میں بیٹھ کر کھاتے۔ لیکن بہت کم۔ میزبانوں کو سادگی کی تلقین فرماتے۔

روزمرہ کے معمولات

آپ" نماز فجر عموماً مسجد میں ادا فرماتے' صبح کی نماز کے بعد بیربل شریف میں پرانے دستور کے مطابق شماروں پر درود شریف پڑھا جاتا تھا۔ اس کے بعد ختم خواجگان پڑھا جاتا جس میں صرف خواص شریک ہوتے۔ عام نمازی درود شریف کی دعا کے بعد چلے جاتے۔ ختم خواجگان کے بعد آپ" دعا فرماتے' پھر کسی صاحب سے مخاطب ہو کر اس کا حال دریافت فرماتے' کیونکہ شام کے

بعد آنے والے حضرات اکثر رات کو زیارت سے محروم رہتے اور صبح ہی نماز فجر کے بعد ملاقات ہوتی۔ اس طرح گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اشراق کی نماز تک۔ آپ" مسجد میں ہی تشریف رکھتے۔ اشراق کے بعد ناشتے کے لیے زائرین کو ارشاد ہوتا اور تمام مہمان حضور" کے ساتھ گھر آتے۔ آپ" خود حرم شریف میں تشریف لے جاتے اور مہمانوں کا ناشتہ باہر بھجوا دیتے۔ چائے پیتے اور کچھ آرام کرنے کے بعد آپ" حرم شریف سے باہر بیٹھک میں تشریف لاتے۔ گرمیوں میں اکثر بیٹھک مبارک کے اندر تشریف رکھتے تھے جہاں ایک قالین بچھا ہوتا اور حضور" کے لیے ایک تکیہ رکھا ہوتا۔ موسم اچھا ہوتا تو برآمدے کے مغربی کونے میں سوتی کپڑے کا ایک پتلا گدا بچھا ہوتا جہاں آپ" تکیہ کے سہارے اس پر تشریف رکھتے اور مہمان برآمدے میں بیٹھ جاتے۔

ہفتے میں دو یا تین بار باہر باغ یا کھیتوں میں جانے کا پروگرام ہوتا۔ اکثر دور جانا ہوتا تھا اس لیے آپ" گھوڑی منگوا لیتے۔ تقریباً نو دس بجے آپ" گھر سے نکلتے' کچھ احباب ساتھ ہو لیتے' بعض اوقات خانقاہ شریف سے ہو کر جاتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو واپسی پر خانقاہ شریف تشریف لاتے اور اپنے آباؤ اجداد کی قبور پر فاتحہ خوانی کرتے۔ پہلے اپنے جدامجد اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر' پھر والد ماجد" کی قبر پر تشریف لاتے اور کچھ دیر مراقبہ فرماتے۔ اگر کوئی حافظ صاحب ساتھ ہوتے تو سورہ دہر یا کسی سورۃ کی تلاوت کی جاتی اور ختم پڑھ کر آپ" دعا فرماتے۔ تقریباً ۱۲ بجے کے لگ بھگ آپ" گھر تشریف لاتے۔ کچھ دیر تکان کی وجہ سے باہر تشریف رکھتے۔ احباب جسم مبارک دباتے پھر آپ" گھر تشریف لے جاتے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے۔

نماز عصر سے کچھ دیر پہلے آپ" باہر تشریف لاتے۔ خدام ایک چارپائی اور تکیہ گھر کی دیوار کے سائے میں رکھ دیتے اور اس کے آس پاس لکڑی کے بنے ہوئے موہڑے زائرین کے بیٹھنے کے لیے رکھ دیئے جاتے۔ اگرچہ چارپائی پر بیٹھنا آپ" کو ناپسند تھا اور فرماتے کہ یہ زمیں داروں کا کام ہے' صوفیوں کا نہیں' لیکن نچلی زمین خاصی گرم ہوتی اس لیے مجبوراً بیٹھنا پڑتا۔ نماز عصر کی اذان ہوتی تو حافظ ولی محمد صاحب امام مسجد کسی طالب علم کو جماعت کی اطلاع کے لیے بھیج دیتے۔ نماز عصر کے بعد آپ" گھر تشریف لاتے اور چائے نوشی کے لیے گھر کے اندر تشریف لے جاتے یا کبھی باہر بھی منگوا لیتے۔ مہمانوں کی چائے علیحدہ آتی۔ عرس کے علاوہ تمام دنوں میں دس پندرہ مہمان

ہوتے۔ پانچ چھ خدام ان کے علاوہ لنگر میں کھانا کھاتے۔

مغرب کی نماز تک مجلس لگی رہتی' مقامی لوگ بھی حسب ضرورت آتے جاتے رہتے' جب نماز مغرب کا وقت قریب ہوتا تو احباب کے ساتھ آپ" مسجد میں تشریف لے جاتے' مسجد میں اوابین کے نوافل کے بعد کچھ دیر آپ" وظیفہ میں مشغول رہتے۔ پھر احباب کی جانب منہ کر لیتے جو اکثر پیچھے بیٹھے ہوتے تھے۔ عموماً نوواردوں کا احوال پوچھتے' ہر ایک نئے آنے والے سے سفر کی تفصیل کے بارے میں استفسار فرماتے۔ اس طرح تقریباً پون گھنٹہ مسجد میں قیام رہتا' پھر احباب کے جلو میں گھر تشریف لاتے' نماز عشاء گھر میں ہی ادا فرماتے' جس دن مہندی لگانے کا پروگرام ہوتا تو نماز عشاء کے بعد ہاتھ میں لالٹین لیے باہر تشریف لاتے' اس وقت مہمان آرام کے لیے جا چکے ہوتے تھے۔ ریش مبارک میں مہندی لگانے کے لیے گاؤں کے حجام کو بلوایا جاتا۔ ہرنولی کے پتے اوپر باندھنے کے لیے خادم پہلے ہی مہیا کر رکھتا تھا۔ مہندی لگانے کے بعد آپ" گھر تشریف لے جاتے' مہندی لگانے کا پروگرام اکثر پندرہ بیس دن کے بعد ہوتا' البتہ اگر سفر کی تیاری ہوتی تو روانگی سے ایک دن پہلے مہندی لگوا لیتے تھے۔

عصر کے وقت ڈاک آتی تھی جس میں احباب کے خطوط ہوتے' جن کا آپ" مطالعہ کر کے بستے میں رکھ دیتے' پھر کسی دن ان کا جواب لکھتے اور سپرد ڈاک کرا دیتے تھے۔ خط کسی عام کا ہوتا یا خاص آدمی کا آپ" اس کا جواب جلد یا بدیر ضرور مرحمت فرماتے۔ شروع شروع میں آپ" اپنے ہاتھ سے خطوط کا جواب لکھتے۔ لیکن رعشہ کی وجہ سے الفاظ کے حروف صحیح نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے عموماً آپ" کسی پڑھے لکھے خادم سے خط کا جواب املا کرواتے' اگر کسی سفر کا پروگرام ہوتا تو بذریعہ پوسٹ کارڈ اپنے مخلص احباب کو نہایت مختصر الفاظ میں مطلع فرما دیتے۔ مطالعہ کا شوق آپ" کو تمام عمر رہا۔ اس عہد کے برصغیر پاک و ہند کے صف اول کے دینی اور علمی رسائل جاری کروا رکھے تھے' جو باقاعدگی سے بذریعہ ڈاک آپ" کی خدمت میں پہنچتے تھے۔ ان رسائل میں الفرقان لکھنؤ' تجلی دہلی' ترجمان القرآن لاہور' آئینہ لاہور اور تاج کراچی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان رسائل میں جو مضمون آپ" کو پسند ہوتا اہل علم حضرات کے سامنے اس کا ذکر فرماتے کہ فلاں نے فلاں مضمون بہت اچھا لکھا ہے۔ علمی بحثوں میں بھی اس کا ذکر فرماتے رہتے۔

جمعہ کے دن غسل فرما کر کپڑے تبدیل فرماتے اور جمعہ کی نماز کے وقت چپکے سے مسجد میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ گرمی کے موسم میں خدام پنکھے کا انتظام کر لیتے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ" کے اردگرد نمازی زیارت کے لیے جمع ہو جاتے' بعض اوقات آپ" جمعہ کے دن بقیہ نماز گھر میں ادا فرماتے۔ جمعہ کے دن عموماً آس پاس کے دیہات کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ اس لیے جلد بیٹھک مبارک پر تشریف لاتے اور اس دن نماز عصر تک بھرپور محفل قائم رہتی۔

حضور قبلہ عالم" ہر عرضی گزار کی درخواست نہایت خندہ پیشانی سے سنتے خواہ چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہوتا۔ امتحانات کے دنوں میں سکول کے بچے پاس ہونے کی دعا کے لیے حاضر ہوتے۔ حضور" ان کی طبع کے مطابق گفتگو فرماتے اور پاس ہونے کے لیے دعا بھی فرماتے۔ گاؤں کے لوگ اپنے گھروں کے معاملات میں آپ" سے مشورہ کرتے۔ اگر باپ بیٹے کا تنازعہ بھی ہوتا تو تب بھی آپ" کے پاس آتے۔ حضور قبلہ عالم" دونوں کے دلائل نہایت غور سے سنتے اور فیصلہ فرماتے۔ لوگ آپ" کے فیصلوں سے مطمئن ہو کر لوٹتے۔ غریبوں کا آپ" کو بہت خیال ہوتا۔ اہل دہ کے نادار طبقہ کی آپ" دامے درمے مدد فرماتے۔ قحط سالی میں غرباء میں آٹا تقسیم فرماتے۔ پڑوسیوں کا خاص خیال رکھتے' اہل دہ اور علاقے کی فلاح و بہبود کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے اور حتی المقدور اپنے وسائل کو ان کاموں میں بروئے کار لاتے۔

دعا و تعویذات

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصیت اور جامعیت یہ عطا فرمائی تھی' کہ توکل اور تبتل کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مقرر کیے ہوئے سلسلہ اسباب اور انسانی تدبیر اور کوشش کے فطری نظام کی اہمیت پر برابر زور دیتے تھے اور زندگی کے کاروبار میں یا بیماریوں میں ترک تدبیر و علاج اور تعطل اسباب و علل کے آپ" سخت مخالف تھے' اپنے اسی مزاج اور اصول کی بنا پر ہر کام میں پورے طور پر تدبیر اور وسائل و اسباب سے کام لیتے تھے۔ بیماری کی صورت میں دوا' علاج اور پرہیز کا پورا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو بھی اسی طرز عمل کی ہدایت اور تاکید فرماتے' لیکن قلب اس یقین سے معمور اور مطمئن رہتا کہ

کارساز اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی منشاء ہے' مگر اشیاء میں خاصیتیں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہی رکھی ہیں اور اسی نے تدبیر اور اسباب کے استعمال کا حکم دیا ہے۔

اکثر فرماتے کہ تین قسم کے انسان ہوتے ہیں:۔

ا۔ اہل تدبیر: وہ جن کا دارومدار کلی طور پر تدبیر پر ہوتا ہے۔

۲۔ اہل تقدیر: وہ جو صرف تقدیر پر انحصار کرتے ہیں۔

۳۔ اہل تدبیر و تقدیر: وہ جو تدبیر سے بھی کام لیتے ہیں اور تقدیر پر بھی بھروسہ رکھتے ہیں۔

عام مادی دنیا صرف تدبیر پر چلتی ہے اور اونچے درجے کے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہر حال میں تقدیر پر نظر رکھتے ہیں اور یہ بہت ہی قلیل اور خال خال بزرگ ہوتے ہیں اور اس صفت کا متحمل کوئی ہی اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔

حضور" فرماتے: "ہم تو تدبیر اور تقدیر دونوں کے قائل ہیں' اسباب ہی کو سب کچھ سمجھنا جیسا کہ آج کل ہمارا حال ہے مقام ایمان کے منافی ہے اور ان اسبابی حیثیت کا انکار بھی بھاری غلطی ہے' اعتدال کی راہ ہی صراط مستقیم ہے۔" (۱)

عام طور پر لوگ بیماری' مقدمے و دیگر کام کاج کے سلسلے میں اپنی اپنی ضرورت کا اظہار کرتے۔ اس سلسلے میں آپ" مذکورہ بالا اسباب و تدبیر کے فطری نظام کو پیش رکھتے ہوئے بیماروں کو پینے کے لیے تعویذ مرحمت فرماتے اور ساتھ علاج بھی تجویز فرماتے۔ بڑا خوش نصیب وہ ہوتا جو صرف دعا کا طالب ہوتا۔ کیونکہ دعا ہی سب کچھ تھی۔ دعا مانگنے کا ایک خاص انداز تھا۔ اکثر بے ساختہ بازو مبارک لمبے ہو جاتے تو دیکھنے والے محسوس کرتے کہ جیسے اجابت کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ باقی تعویذ اور علاج کی مختلف صورتیں صرف عوام کی خوشی اور اعتقاد کا ذریعہ ہوتیں' ہر قسم کی بیماری کے لیے "عرق مبارک" استعمال کرنے کا حکم فرماتے اور کالی اور لال گولیاں جو اکثر گھر میں تیار کی جاتیں عنایت فرماتے۔ اپنے پڑوس میں ایک مائی کو عرق مبارک کشید کر کے رکھنے کی تلقین تھی۔ جو بیمار آتا اس کو اس مائی سے خریدنے کا حکم فرماتے۔

ا۔ شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۱۰۴

اس طرح اس کی گزر اوقات کا سامان پیدا ہو جاتا۔ درد ریاح کے مریض چارپائی پر لائے جاتے' وہ دوسرے دن گھر چل کر جاتے۔ ایسے مریضوں کو آپ" دم بھی کرتے اور ساتھ علاج بھی تجویز فرماتے۔

اسباب و علل اور انسانی تدبیر کے فطری اصول کا جہاں تک تعلق ہے وہ اپنی جگہ بجا ہے لیکن ہر قسم کے مرض کے لیے "عرق مبارک" اور ایک ہی قسم کی گولیوں کا استعمال بہرطور محل نظر ہے' اصل بات یہ تھی کہ حضور قبلہ عالم" کی خدمت میں حاضری ہی بفضلہٖ تعالیٰ شفاء کا ذریعہ ہوتی باقی سب کچھ بہانہ اور اخفاء کا ذریعہ تھا۔

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

کے مصداق سمجھنے والے جانتے تھے کہ اصل راز کیا ہے؟

بیربل شریف کا رہنے والا حکیم ظہور مرحوم جو گاؤں میں معمولی دیسی ادویات کی دکان کرتا تھا' جس کی بیوی فوت ہو چکی تھی اور چند بچیاں اس کے زیر کفالت تھیں' غربت و افلاس کا دور دورہ تھا' حضور قبلہ عالم" اسے حکیم ظہور کہہ کر پکارتے تھے۔ اگر کوئی سنجیدہ مریض آ جاتا تو آپ" فوراً حکیم ظہور کو بلا بھیجتے۔ وہ بیچارہ اتنا غریب اور تنگ دست تھا کہ بعض اوقات گرمیوں کے موسم میں اس کے گلے میں قمیض بھی نہ ہوتی۔ مریض کے لواحقین اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے' لیکن حضور قبلہ عالم" حکیم صاحب کو حکم فرماتے کہ مریض کی نبض دیکھو اور دوا تجویز کرو۔ وہ اس سلسلے میں جو کچھ کرتا حضور قبلہ عالم" کے حسب الحکم کرتا۔ اگر مرض کی شدت ہوتی تو حکیم صاحب مریض کو دوائی پلاتے جس سے بفضلہٖ تعالیٰ افاقہ ہو جاتا۔ ایسے مریض جن کو بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹروں کی ادویات سے کچھ فائدہ نہ ہوا ہو' حکیم صاحب کی ایک دو خوراک سے افاقہ ہو جاتا۔ پھر حکیم صاحب اور مریض کے لواحقین کا براہ راست تعلق ہو جاتا اور اس طرح اس غریب کی گزر اوقات کا سبب پیدا ہو جاتا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حکیم ظہور مرحوم نے اس ناچیز کو سنایا کہ ایک دفعہ آدھی رات کو حضور قبلہ عالم" نے مجھے بلا بھیجا۔ گرمیوں کا موسم تھا' میں گھر میں قمیض اتار کر سویا ہوا تھا۔ حکم کی

تعمیل میں اسی حالت میں چلا گیا۔ جب حاضر ہوا تو عجیب سماں تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ کے گھر کی ڈیوڑی کے باہر ایک کار کھڑی ہے۔ اس کی پچھلی سیٹ پر ایک نوجوان عورت درد سے کراہ رہی ہے اور اس کا خاوند حضور قبلہ عالمؒ کے ساتھ کھڑا ہے۔ پہلے تو مجھے اپنی حالت پر نہایت شرمندگی ہوئی لیکن حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ مریضہ کی نبض دیکھو۔ میں حضورؒ کے حکم کی تعمیل میں مرض کی تشخیص تک پہنچ گیا کہ مریضہ کو شدید دردزہ کی تکلیف ہے۔ آپؒ نے حکم فرمایا کہ اس کو دوا دو۔ اتفاق سے میرے پاس سوائے سفوف ہاضمہ کے جو اکثر حضور قبلہ عالمؒ تجویز فرماتے تھے اور کوئی دوا موجود نہ تھی۔ میں نے فوری طور پر اس کی خوراک بنا کر مریضہ کو پلائی تو اسے آرام آ گیا' میں خود بھی حیران تھا کہ اس دوا کا دردزہ کے ساتھ کیا تعلق؟ بہرحال مریضہ کو آرام آنے پر اس کا خاوند اسے لے کر واپس سرگودھا چلا گیا۔ ایک دو دفعہ بعد میں بھی وہ اس سلسلے کے لیے ادویات لے گیا۔

حضور قبلہ عالمؒ کے معمولات میں جو تعویذ لکھے جاتے اور جو ادویات مریضوں کے لیے تجویز کی جاتیں' افادہ عام کے لیے ان کو یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

تعویذات

ا۔ جملہ امراض یا بیماری' حفاظت اور مشکل کے حل کے لیے
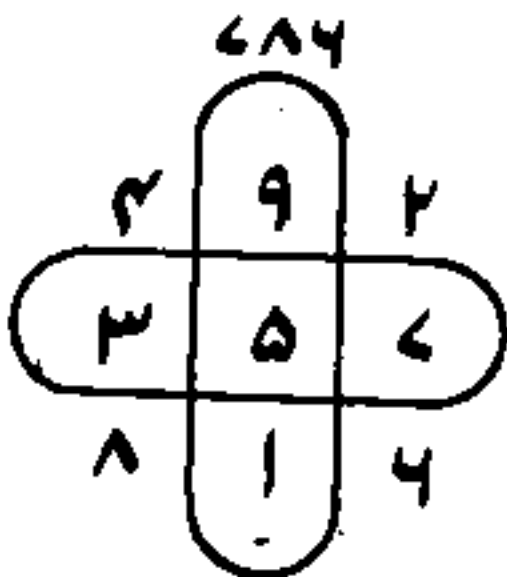
۲۔ شفاء کے واسطے بیماروں کو پلانے کے لیے

یاحی یا قیوم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۔ دھرن لڑ یعنی ناف پڑنے کے لیے

یہ تعویذ ساعد یعنی بائیں ہاتھ کی کلائی پر باندھا جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۴۔ برکت زراعت اور اولاد کے لیے

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ ان اللّٰہ خالق الحب و النوی یخرج الحیی من المیت و یخرج المیت من الحی۔ ذالکم اللّٰہ فانی توفکون۔ (سورہ الانعام ت ۹۵)

۵۔ جن پری، دیو کے سایہ اور آسیب کے لیے

ححححح تم وکمل

۶۔ ہر بیماری اور پریشانی کے لیے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔

۷۔ اضافہ دودھ اور حمل کے لیے

اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الا رحام و ماتز داد و کل شی عندہ بمقدار عالم الغیب و الشھادۃ الکبیر المتعال۔ برحمتك یا ارحم الرحمین۔

۸۔ اسقاط حمل اور تولد کے لیے

یامبدی۔یامبدی۔ یامبدی۔ یامبدی۔ یامبدی۔ یامبدی۔ یامبدی۔ یامبدی۔ یامبدی۔ یامبدی

۹۔ گریہ اطفال کے لیے

یااللہ یااللہ یااللہ یااللہ

یاغفور	۴ احدٌ	۹ حیٌّ	۲ خبیرٌ	یاکریم
یاغفور	۳ لطیفٌ	۵ بصیرٌ	۷ کبیرٌ	یاکریم
یاغفور	۸ قدیرٌ	۱ واحدٌ	۶ باریٌ	یاکریم
یاغفور				یاکریم

یارحیم یارحیم یارحیم یارحیم

۱۰۔ چارپایہ یا بچہ کو نظربد کے خلل کے لیے

۷۸۶

ھو	۸۰	وہ	وہ
۳	ھو	۲	وہ
۳	ھو	۲	وہ
۳	ھو	۲	وہ

بحق یا بدوح

۱۱۔ سایہ جن کے لیے

ا۔ بازو پر باندھے اور ۲۔ پانچ عدد لکھ کر مریض کی ناک میں یکے بعد دیگرے دھواں دے۔

۴	ع	ع	س	ح	و
۲	د	ل	م	۲	ی

۱۲۔ اولاد کے لیے

عورت عقیمہ یعنی جس کے اولاد نہ ہوتی ہو لکھ کر اس کی کمر سے باندھے

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُ کُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ اِلٰهَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (۳:۶)

یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔ یا محمد ﷺ ۔

۱۳۔ ہر بیماری میں شفا کے لیے

۷۸۶

۸	۱	۶	بحق
۳	۵	۷	یا
۴	۹	۲	بدوح

نوٹ:۔ نقش گلے میں باندھے اور آیات شفاء لکھ کر پلایا جائے۔

۱۴۔ تنگ دستی اور فراخی رزق کے لیے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِاللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (۵۷:۲۹) مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ کھیعص حمعسق۔

حم حم حم حم حم حم حم

نوٹ:۔ یہ تعویذ حضور قبلہ عالمؒ اپنے استعمال شدہ پرانے کپڑے پر لکھ کر دیا کرتے تھے۔

۱۵۔ چوری ہونے یا کسی چیز کے گم ہونے کی صورت میں

سائل کی پگڑی یا رومال وغیرہ کے کونے کو پکڑ کر ک ہ ی ع ص پڑھ کر چھچی انگلی سے شروع کر کے باری باری پانچوں انگلیاں بند کرتا جائے پھر ح م ع س ق پڑھ کر آخری بند شدہ انگلی سے باری باری کھولتا جائے پھر فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۲: ۱۳۷) پھر اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ (۸۶ : ۸) پڑھ کر گانٹھ میں پھونک مارے۔ ان شاء اللہ جلد چوری یا گم شدہ مال کا سراغ مل جائے گا۔ (اہل سلسلہ سے اجازت شرط ہے)۔

۲۔ مجرّبات

۱۔ عرق مبارک (جگر اور معدہ کے جملہ امراض کے لیے)

سونف، کاسنی، زرشک، مکو، افسنتین، گل سرخ، گل بنفشہ، بال چھڑ، تخم کشوث، ہر ایک ۵ تولہ، چھلکا شرینہ اور کھوی ہر ایک دو تولہ، عرق کشید سات بوتل۔

استعمال: صبح منہ نہار ۳ تولہ۔ شام ۵ تولہ۔

۲۔ معجون نجاح (مالیخولیہ کے لیے)

رات کو معجون نجاح ہمراہ دودھ جس کے اندر افتیمون کی ایک پوٹلی میں سہ جوشہ کیا جائے اور عشاء کے وقت استعمال کیا جائے۔

۳۔ سفوف ہاضمہ

نوشادر، نمک سیاہ، مرچ سیاہ، الائچی سیاہ، گیرو ہر ایک ۲ تولہ۔ ست پودینہ ۳ ماشہ۔ تمام اشیاء کو باریک کر کے سفوف بنائیں۔

استعمال: کھانا کھانے کے بعد ۳ رتی استعمال کریں۔ ٹھنڈے پانی سے غسل نہ کریں اور بادی اشیاء سے پرہیز کریں۔

۴۔ کالی پھکی (تیزابیت معدہ اور امعاء کی اصلاح کے لیے)

سیماب (پارہ) گندھک آملہ سار، الائچی سیاہ، چرائتہ، زیرہ سفید، فلفل سیاہ، سہاگہ فلفل دراز،

سندھی نمک' زنجبیل' نمک سیاہ' پوست ہلیلہ زرد' پوست آملہ' پوست بلیلہ' دانہ الائچی خورد' دست اجوائین' ست الائچی' ست پودینہ' نوشادر ہر ایک چھ ماشہ۔ پارہ اور گندھک کو پہلے کھرل کریں۔ پھر دوسری اشیاء کا سفوف بنا کر ملا لیں۔

استعمال: بعد خوراک صرف ۴ رتی استعمال کریں۔

۵۔ سفوف ہاضمہ (ٹوکیں دستوں کے لیے)

بال چھڑ' موٹی الائچی' مصطگی رومی' ہر ایک ا تولہ' سفوف بنائیں۔

استعمال: بعد خوراک ا ماشہ ا تولہ گل قند کے ساتھ استعمال کریں۔

۶۔ زعفرانی گولیاں (اٹھرا کے لیے)

مرچ سیاہ' سہاگہ' ہلدی' کرفس' اجوائن خراسانی' ادرک' خرما' نخود بریاں ہر ایک ۳ ماشہ۔ اسپند' تخم کثوث' گندھک آملہ سار' اندرجو' سروالی ہر ایک ۶ ماشہ۔ آملہ' ہلیلہ' بلیلہ' بچھ' نمک سیاہ' نمک سفید' ہر ایک ایک ماشہ۔ افیون ا ماشہ۔ زعفران اصلی ا تولہ۔ تمام اشیاء کو باریک کر کے ہمراہ آب بقدر مرچ سیاہ گولیاں بنائیں۔

استعمال: حمل کی صورت میں ایک گولی منہ نہار پانی سے کھائیں اور پیدائش کے بعد بچے کو چوتھا حصہ گولی پانی میں حل کر کے پلائیں۔ تمام بادی اشیاء سے پرہیز کریں۔

۷۔ کالی گولیاں (ہر قسم کے دردوں اور بندش حیض کے لیے)

مصبر ۴ تولہ' سہاگہ ۲ تولہ' مرچ سیاہ ۲ تولہ' گل بنفشہ ۶ ماشہ' گل سرخ ۶ ماشہ' آٹا ملٹھی ۶ ماشہ باریک کر کے سفوف بنائیں اور شہد میں بقدر مرچ سیاہ گولیاں بنائیں۔

استعمال: دو گولی ہمراہ دودھ گرم استعمال کریں۔

۸۔ سرخ گولیاں (خون کی کمی' رطوبت کی زیادتی اور شوگر کے لیے)

کشتہ فولاد (فریکارب ۳ تولہ)' بیج بند ا تولہ' تخم پلاس (پھمیرا)' تخم شربنہ ا تولہ تینوں بیجوں کو باریک کر کے کشتہ فولاد میں ملا کر شہد میں بقدر ۳ رتی گولیاں بنائیں۔

استعمال: بعد خوراک یا صبح ناشتے کے بعد یا رات ہمراہ دودھ یا چائے استعمال کریں۔

پرہیز: خالی پیٹ نہ کھائیں' ہوا سے بچیں تاکہ پسینہ آئے۔

۹۔ نسوانی ٹکور (بندش حیض کے لیے)

نمک ۱۰ تولہ' نیم کوفتہ ۱۰ تولہ' سوئے ۱۰ تولہ' تیل میٹھا ۱۰ تولہ۔ حسب ضرورت تیل ملائیں اور نصف حصے کو توے پر پوٹلی بنا کر گرم کریں۔ پھر دوسرے نصف حصے کو گرم کر کے ٹکور کرتے جائیں۔

استعمال: ایام حیض سے ۱۰ دن پہلے شروع کیا جائے۔ دوران ماہواری دو عدد کالی گولیاں ہمراہ دودھ استعمال کریں۔

پرہیز: ٹھنڈے پانی کے استعمال سے بچیں۔

۱۰۔ تریاق صبیان (بچوں کے لیے)

تربد ا تولہ' چھلکا ہرڑ ا تولہ' پودینہ ا تولہ' ریوند خطائی ۴ ماشہ سفوف بنائیں۔

استعمال:۔ ا ماشہ ایک سال کے بچے کے لیے علی الترتیب ہمراہ چار عرقہ یا شربت بنفشہ استعمال کریں۔

۱۱۔ جواہر مہرہ نمبرا (بے ہوشی کے لیے)

مرجان' عقیق' صدف عمدہ ہر ایک چھ ماشہ کوفتہ کریں۔ پھر آدھ سیر عرق گلاب میں کھرل کریں حتیٰ کہ غبار ہو جائے۔ پھر ورق نقرہ ۶ ماشہ' ورق طلا ۳ ماشہ ملائیں۔ پھر زعفران چھ ماشہ' کشتہ بارہ سنگھا ۳ ماشہ ملا کر بقدر مرچ سیاہ گولیاں بنائیں۔ ایک گولی ہمراہ گل قند' مربہ آملہ یا مربہ

ہرڑ استعمال کریں۔

۱۲۔ جواہر مہرہ نمبر ۲ (نزلہ کے لیے)

مرجان، عقیق، زہر مہرہ خطائی، تبرجد ہر ایک ۶ ماشہ۔ صدف اڑھائی تولہ۔ تمام کو آدھ سیر عرق گلاب میں کھرل کریں حتیٰ کہ غبار ہو جائے۔ پھر سفوف کے ا تولہ وزن میں مندرجہ ذیل کا اضافہ کریں۔ الائچی خورد ۳ ماشہ، تباشیر ۶ ماشہ، زعفران ۳ ماشہ، زربلی ۲ رتی۔ بقدر مرچ سیاہ گولیاں بنائیں۔ مناسب بدرقہ کے ساتھ ا گولی استعمال کریں۔

مجلس کا رنگ ڈھنگ

اولیاء اللہ کی مجالس فیوض و برکات کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جتنا وقت ان کی صحبت میں گزرتا ہے وہ سالک کی تربیت کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کا ہر لمحہ عبادت میں شمار کیا جاتا ہے اور عبادت بھی خالص ہوتی ہے۔

؎ یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ہر بزرگ کی محفل کا انداز اور رنگ ڈھنگ الگ ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں بزرگ توجہ دینے کے لیے مریدین کو حلقہ میں بٹھا کر توجہ دیا کرتے تھے۔ بعض سلسلوں میں حلقہ میں بیٹھ کر ذکر جہر ہوتا ہے اور بعض حضرات قوالی اور نعت خوانی کے ذریعے باطنی توجہ کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ حضور قبلہ عالمؒ کے طریق توجہ پر ہم پہلے باب میں بحث کر چکے ہیں کہ آپؒ کا توجہ دینے کا کوئی رسمی طریقہ نہ تھا بلکہ آپؒ کی مجلس ہی میں سب کچھ ہوتا رہتا تھا اور محفل میں بیٹھا ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فیض حاصل کر رہا ہوتا تھا۔ بالخصوص دوران محفل حضور قبلہ عالمؒ جس شخص سے مخاطب ہوتے تھے وہ خود محسوس کرتا تھا کہ باتوں باتوں میں حضورؒ اس کے ساتھ کیا کچھ کر گئے ہیں۔ بنیادی طور پر بیربل شریف کا سادہ اور دیہاتی معاشرہ تھا جس کی جھلک مجلس کے ماحول میں بھی دکھائی دیتی تھی لیکن باہر سے آپؒ کی خدمت میں ہر طبقہ زندگی کے لوگ

حاضر ہوتے تھے۔ بادی النظر میں گفتگو کے موضوعات کوئی خاص دینی نہیں بلکہ زیادہ تر دنیاوی قسم کے ہوتے تھے لیکن ہر موضوع کی گفتگو کے دوران حضور قبلہ عالم ؒ کی توجہ تاثیر اور تاثر میں اپنا کام برابر کر رہی ہوتی تھی۔ بعض اوقات آپ ؒ اپنے چھوٹے چھوٹے جملوں سے مجلس کو زعفران زار کر دیتے تھے کیونکہ آپ ؒ کی مجلس مبارک ہلکے اور سنجیدہ مزاح سے بھرپور رہتی تھی۔

پانچ سات آدمی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ کسی کو کسی سے بات کرنے کی جرأت نہیں۔ ہر ایک اپنی باری (توجہ) کا منتظر ہے۔ آپ ؒ ہر ایک سے فرداً فرداً احوال پوچھ رہے ہیں۔ عموماً سفر کے حالات سے گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔ راستے کی مشکلات' سواری کی نوعیت' روانگی کا وقت' علاقے اور گاؤں کے حالات وغیرہ کے بعد اگر کوئی ڈاکٹر ہے تو اس کے پیشہ کی معلومات پر بات ہوتی ہے۔ اپنی بیماری سے متعلق بھی اس سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ زمیندار ہے تو فصل' چارہ' آبپاشی اور مویشیوں سے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ کوئی عالم یا جدید تعلیم یافتہ ہے تو علمی مسائل زیر بحث ہیں۔ تاجر ہے تو اشیاء کی گرانی کا ذکر ہوتا ہے۔ غرضیکہ عجب منظر ہے' نہ کوئی مراقبہ ہے' نہ کسی کو احساس توجہ لیکن جس کسی سے ایک دفعہ بات ہو جاتی ہے وہ اپنی دلی کیفیت کا اندازہ خود کر سکتا ہے۔ اجنبی جب ایک بار حضور ؒ کی مجلس میں بیٹھ کر لطف اندوز ہوتا ہے تو حضور قبلہ عالم ؒ کے دوبارہ گھر سے باہر تشریف لانے تک اس کی بے تابی یہ پوچھنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ دوبارہ حضور قبلہ عالم ؒ کے باہر تشریف لانے کا کیا وقت ہے؟

علماء کی قدردانی کا یہ عالم ہے کہ ان کے اکرام کے لیے انہیں اپنے پاس بٹھایا جاتا ہے اور ان کے طعام کا اہتمام بذات خود کیا جاتا ہے۔ علمی گفتگو ہوتی ہے تو وہاں دیوبندی اور بریلوی کی کوئی تفریق نہیں' سب علماء کو اسلام کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ متنازعہ مسائل میں ہر ایک کی دلیل کو نہایت توجہ سے سنا جاتا ہے۔ ہر شخص اپنا مافی الضمیر خوشی سے پیش کر سکتا ہے اور ہر ایک سے اپنا نقطہ نظر بڑی وضاحت سے بیان کیا جاتا ہے۔ اپنے اوپر کئے گئے اعتراضات کو بڑی خندہ پیشانی سے سنا جاتا ہے اور ان کا جواب بھی بڑی نرم روئی سے دیا جاتا ہے' نہ چہرے پر غصے کے آثار ہیں نہ آواز میں کوئی تغیر ہے۔ ایسے مسائل جو ملت کے انتشار کا سبب بنے ہوئے ہیں

انہیں نہایت آسان الفاظ میں سمجھایا جاتا ہے۔ کسی پر اپنی رائے مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ جہاں علماء کی علمی اور دینی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے وہاں صوفیاء کی دینی خدمات کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ مجلس میں علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے رہتے ہیں اور مجلس میں موجود ہر شخص خواہ وہ ان پڑھ ہے یا تعلیم یافتہ برابر مستفید ہوتا رہتا ہے۔

رفاہ عامہ اور اہل دہ کی خدمات کا اتنا جذبہ ہے کہ سڑکوں اور راستوں کی مرمت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اگر راستے میں کسی نالے پر پل نہیں تو اس کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ غرباء کی بودوباش کا حال پوچھا جاتا ہے۔ کہیں کسی مستحق کے گھر آٹا بھجوایا جاتا ہے اور کسی کو روزی کمانے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔ غرباء کی مالی امداد کا ایک انوکھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے پاس سے رقم دے کر تجارت کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

بعض اوقات مجلس پر کسی مصالحتی عدالت کا گمان ہوتا ہے۔ آس پاس کے علاقے کے لوگ اپنے مسائل کے سلسلے میں فیصلوں کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ ہر دو فریق کے بیانات نہایت توجہ سے سنے جاتے ہیں۔ جب دونوں کے بیانات ختم ہو جاتے ہیں تو فہم و فراست کا یہ عظیم پیکر معاملہ کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ہر ایک فریق کی غلطی کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔ پھر فیصلہ سنایا جاتا ہے جو عموماً ہر دو فریق کے لیے قابل قبول ہوتا ہے۔ فصلی مقدمات کی جس زمانہ میں آپ عملاً مقدمات سنتے تھے جن لوگوں نے مجلس میں بیٹھ کر کاروائی دیکھی اور سنی وہ کہتے ہیں کہ آپ" نے بعض نہایت الجھے ہوئے مقدمات کے ایسے فیصلے دیئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

* * * * * *

باب ۱۳

کرامات

خالق حقیقی سے محبت اور اتباع سنت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کمال استقامت کی وجہ سے مقربان بارگاہ الٰہی کا کوئی فعل کرامت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہدایت خلق اللہ طالب حق (سالک) کی تربیت' مردہ دلوں کو زندہ کرنا' عبادت الٰہی میں مشغول رہنا' جلوت و خلوت میں ذات باری عز اسمہ سے تعلق قائم رکھنا' ہر وقت اور ہر کام میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھنا یہ تمام امور اولیاء اللہ کے فرائض منصبی میں شامل ہیں۔

اولیائے کرام سے منسوب ہر خرق عادت اور اسباب و علل سے بے نیاز فعل کو کرامت کہا جاتا ہے اصطلاحی معنوں میں خرق عادت' انعام و کرام یا خلاف عادت واقعہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی حفظ و حمایت کا ذریعہ بناتا ہے' کرامت کہلاتا ہے۔ کرامات اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہیں اور ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو مسلمان ہو اور کتاب و سنت پر عمل کرنے والا ہو۔ کوئی خلاف عادت واقعہ اسی وقت کرامت کہلائے گا جب اس کا محل صدور مومن' متبع سنت اور کامل التقویٰ ہو۔ اگر ایسا واقعہ کسی غیر مومن اور غیر متبع سنت سے صادر ہو تو وہ اصطلاح میں کرامت نہیں بلکہ استدراج کہلائے گا۔ استدراج کافر یا فاسق سے سرزد ہوتے ہیں اور اس سے خلاف شرع باتیں ظہور میں آتی ہیں۔

کرامات کا ظہور دو طرح سے ہوا کرتا ہے۔ اول اضطراری کہ ظاہری وجود سے کوئی امر عارف کی ذات پاک کے لیے باعث اضطرار ہو اور اس اضطرار میں کرامت کا ظہور من جانب اللہ ہوتا ہے' جس میں عارف کی ذات کو دخل نہیں ہوتا۔ دوم اختیاری کہ عارف کی ذات خودبخود ایک امر ناممکن الوجود کی خواہش پر اتر آتی ہے۔ یہاں تک کہ ذات باری عز اسمہ اس کو وقوع اور وجود کا جامہ پہنا دیتی ہے اور خلق اللہ پر اپنے اولیاء کی ایک حجت قائم کر دیتی ہے۔ ہمارے ہاں جتنی کرامات مانی جاتی ہیں' جن کا ظہور اکثر اولیاء اللہ سے ہوتا رہتا ہے' اس کے صرف دو اہم

ذرائع ہیں—— کشف اور تصرّف۔

ا۔ کشف

جسکو مکاشفہ بھی کہتے ہیں اور اس کا دل کے حالات معلوم کرنے سے تعلق ہوتا ہے۔ کشف ایک نامعلوم چیز کے معلوم ہو جانے کی کیفیت کا نام ہے جبکہ ظاہری حس سے کام نہ لے کر باطنی حس سے احساس پیدا ہو گیا ہو۔ اس میں کئی صورتیں ہیں جیسے خواب کے ذریعے قلبی کیفیت کے واسطے سے' فراست صادقہ سے یا پھر کبھی عینی نمونہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ عام طور پر کشف قلبی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اکثر صوفیائے کرام اس آئینہ جہاں نما سے کام لیتے ہیں اور عام سالکین اسی حصے میں ہوتے ہیں۔

۲۔ تصرّف

اس کا تعلق روحانی اور باطنی قوت کا اثر ڈالنے سے ہے۔ اصطلاح صوفیاء کرام میں کائنات کی چیزوں میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا کرنا جس کے لیے اس وقت وہ چیز فطرتاً اور عادتاً تیار نہ ہو۔ تصرف درحقیقت کرامات کا سرچشمہ ہے یا کرامات کا تخم جس کا ثمر کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تصرف کی بھی کئی اقسام ہیں۔ جیسے تصرف نفسی' تصرف وجدانی' تصرف سمانی اور تصرف القائی وغیرہ۔

بزرگان دین کے حالات پر غور کرنے سے صرف انہی دو اقسام کے اندر کرامات نظر آتی ہیں' کہ کبھی انہوں نے کسی کے دل کا حال بیان کر دیا یا کسی دوسرے مقام یا دوسرے شہر کے بعض واقعات بتا دیئے۔ کسی ہونے والے واقعہ کی خبر دے دی۔ کسی کا دل کسی کامؑ یا شخص کی طرف پھیر دیا۔ کسی مریض کو اچھا کیا یا کسی روح سے ملاقات کرا دی وغیرہ وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز غیر ممکن نہیں ہے اور نہ ہی کوئی صاحب عقل انہیں محال کہہ سکتا ہے۔ البتہ ان کاموں کے ظاہری اسباب و علل نظر نہیں آتے اور علت و معلول کا سلسلہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔

اولیاء اللہ صرف اپنی روحانی قوت اور باطنی تصرف سے ان کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔

اگرچہ ان کے اسباب و علل ہماری نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور جدید سائنسی ایجادات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ جس کسی نے علم النفس کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اسے معلوم ہو گا کہ قدرت کاملہ نے انسان میں عجیب و غریب قویٰ و دیعت فرمائے ہیں اور ان کے ذریعے مذکورہ بالا کمالات انسان میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ [1]

کرامات کی شرعی حیثیت

صوفیاء اور اہل اللہ سے کرامت اور خرق عادت واقعات کا ظہور برحق ہے۔ ان کا برحق ہونا براہ راست قرآن و سنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ اس لیے بہت سے علما اہلسنت و جماعت' فقہا' محدثین اور متکلمین سب ظہور کرامت کے قائل ہیں۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں درج ہے کہ کَرَامَاتُ الْاَولِيَاءَ حِقٌّ۔ اولیاء کی کرامتیں برحق ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ میں ہے۔ اِتَّقُوْ بِفِرَاسةِ الْمُوْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظَرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ (مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)۔ [2] ایک اور حدیث قدسی میں وَكُنْتُ سَمْهَ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ و بَصَرَهٗ الَّذِىْ يُبْصِرُ وَيَدَهُ اَلَّتِىْ يُبطِشُ بِهَا وَرِجْلَهٗ اَلَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا (میں اپنے محبوب بندے کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔) [3] مقرب الٰہی بندے کا اللہ کے نور سے دیکھنا' سننا اور اس کی عطاکردہ قوت سے پکڑنا عام لوگوں جیسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کرامات اولیاء پر علماء کی مستقل کتابیں موجود ہیں۔ امام قشیریؒ نے اس ضمن میں سینکڑوں مختلف اولیائے کرام کی کرامات درج کی ہیں۔ امام شعرانی نے "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ کرامات کے ثبوت میں آیات و احادیث میں بے شمار آثار موجود ہیں اور ابن تیمیہؒ نے بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱۔ "خزینہ معرفت" میں مندرج کرامات پر حضور قبلہ عالمؒ کی کی گئی سیر حاصل بحث کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔

۲۔ صوفیاء اور حسن اخلاق۔ حافظ محمد سعد اللہ بحوالہ شرح عقائد نسفی ص۔ ۱۵۰۔ طبع لاہور

۳۔ بحوالہ صحیح بخاری جلد دوم ص۔ ۹۶۳ طبع کراچی

اور اولیاء اللہ کی کرامت درج کی ہیں۔ [1]

کرامات اور صوفیاء کرام

صوفیاء نے کرامت کے اخفاء کو واجب قرار دیا ہے۔ البتہ جب کوئی ایسی ضرورت پیش آئے یا ایسا سبب موجود ہو تو اظہار میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً کفار اور معاندین کے سامنے شریعت کی نصرت کا معاملہ ہو یا گمراہ اور جھوٹے جادوگروں کے جادو توڑنے کا مسئلہ ہو یا جہاں طالبان حق و مریدین کے ایمان و یقین میں مزید پختگی کی ضرورت ہو یا صورت حال ایسی ہو کہ اس میں اقتدار و اختیار باقی نہ رہے وہاں صوفیاء نے کرامت کے اظہار کو جائز رکھا ہے۔ اور ایسے مواقع پر صوفیاء نے اپنے خداداد تصرف اور طاقت کا مظاہرہ کیا ہے مگر آج کل علم کی کمی کی وجہ سے یہ گمراہ کن صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ اگر کسی آدمی کے دم اور تعویذ سے بیمار تندرست ہو جائے یا کسی بے اولاد کے گھر اولاد ہو جائے یا کوئی مجرم جیل سے رہا ہو جائے وہ بڑا ولی تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ولایت کا معیار نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے کرامات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ صوفیاء کے نزدیک سب سے بڑی کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”جان رکھو! اولیاء اللہ کی سب سے بڑی کرامت اطاعت الٰہی پر ہمیشگی اور معاصی اور منکرات سے محفوظ رہنا ہے۔“ [2]

معروف صوفی ابوالعباس احمد بن سبکیؒ کے قول کے مطابق ”تمام افعال و اخلاق اور ادا میں نبی اکرم ﷺ کی متابعت سے بڑھ کر کوئی افضل و برتر مقام نہیں۔“ [3]

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے نامور خلیفہ مولانا حسام الدینؒ نے ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں عرض کی کہ ”مخدوما! خلقت مجھ سے کرامت

۱۔ بحوالہ صحیح بخاری جلد دوم ص۔ ۱۱۴

۲۔ صوفیاء اور حسن اخلاق ص۔ ۱۱۵۔ بحوالہ رسالتہ قشیریہ

۳۔ ایضاً۔ ص۔ ۱۱۶ بحوالہ شذرات الذہب

طلب کرتی ہے۔" آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"دروازہ خدا پر استقامت سے کام لینا ہی کرامت ہے۔ تم اپنے کام میں لگے رہو۔ کب تک کرامت کے طالب بنو گے۔"

علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ نے "روح المعانی" میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصے میں ان امور پر قابل قدر بحث کی ہے اور محقق صوفیاء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ جن کا ماحصل انہیں کے الفاظ میں یہ ہے۔

"تمام غیبی باتوں کی اطلاع اور مکاشفات بلکہ وہ تمام چیزیں جو کہ صوفیاء کو تجلیات کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں' اصلاً مقاصد سلوک میں سے نہیں اور نہ سالک کامل ان چیزوں کی پرواہ کرتا ہے۔" (۱)

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ آدمی کے ذریعے حسی کرامات کا ظہور اس کی افضلیت کی دلیل نہیں۔ صوفیاء کے نزدیک بعض ایسے اقوال موجود ہیں جن میں کرامت کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور اس کے اظہار کو سخت ناپسند کیا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر کرامت کا اخفاء اس طرح فرض کیا ہے جیسے اپنے انبیاء پر معجزہ کا اظہار فرض کیا ہے۔" (۲)

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مشائخ اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ ان کے خلفاء میں اظہار کرامت کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ ان کے نزدیک کرامات کا ظہور راہ سلوک میں کوئی بلند درجہ نہیں بلکہ حجاب راہ ہے۔ اسی لیے کامل اولیائے کرامؒ ایسے فعل جس سے ان کی کرامت منسوب ہو اخفاء میں رکھنے کو افضلیت دیتے ہیں۔

صاحب تذکرہ حضور قبلہ عالمؒ کا ایک ایسا ہی واقعہ ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم نے نقل کیا ہے۔

۱۔ صوفیاء اور حسن اخلاق ص۔ ۱۱۶۔ بحوالہ تفسیر روح المعانی

۲۔ ایضاً ص۔ ۱۱۹ بحوالہ سیر الاولیاء

"ایک مرتبہ حضرت" میرے ہاں قیام فرما تھے۔ شب کو چند نعت خواں آ گئے۔ گیارہ بجے شب نعت خوانی ختم ہوئی۔ حضرت" اٹھ کر سونے کے کمرے میں جانے لگے۔ ایک نعت خوان نے مجھ سے کہا کہ میرا دس بارہ سال کا لڑکا کئی روز سے گھر سے غائب ہے۔ بڑی پریشانی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو اس وقت جبکہ وہ تھکے ہوئے ہیں اس بارے میں زحمت دوں۔ لیکن حضرت" اس کی بات سن کر رک گئے۔ نعت خوان کے سر پر بندھا ہوا رومال اتار کر اس میں گرہ لگا کر فرمایا: جب تک لڑکا واپس نہ آئے گرہ نہ کھولنا۔ دوسرے روز شام کو نعت خوان خوش خوش آیا اور مجھے بتایا کہ لڑکا شیخوپورہ سے اس کو ڈرامائی انداز میں مل گیا ہے۔ اس روز حضرت" میرے ہاں سے تشریف لے جا چکے تھے۔ میرے لیے تو یہ بہت بڑی خبر تھی۔ چنانچہ تیسرے روز مجلس میں میں نے حضرت" کی خدمت میں اطلاعا" عرض کرنا چاہا۔ میں نے ابھی نعت خوان کا نام ہی لیا تھا کہ آپ" نے سنی ان سنی کر کے موضوع گفتگو بدل ڈالا تاکہ مجلس میں بیٹھے ہوئے حضرات کو معلوم نہ ہو کہ کیا بات تھی۔ میں حضرت" کی بے نیازی اور اخفاء پر حیران رہ گیا۔" (۱)

حضور قبلہ عالم" کی کرامات

کرامات اولیاء کے بارے میں جو بحث کی گئی ہے اس کے ذریعے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کرامت کے اصل ذرائع دو ہیں جن میں پہلا کشف اور دوسرا تصرف۔ ان دونوں کا ثمرہ کرامت ہے۔ حضور قبلہ عالم" کی جن کرامات کا اگلی سطور میں ذکر آئے گا اس میں اس بات کی تمیز نہیں کی گئی کہ واقعہ کا تعلق کشف سے تھا یا تصرف سے۔ حضور قبلہ عالم" کی شخصی جامعیت کا یہ کمال تھا کہ وجود مبارک کو کرامت سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد" کا جب حضرت قبلہ عالم" سے تعلق پیدا ہوا تو ان کی محبت شیخ کا یہ عالم تھا کہ ماہی بے آب کی طرح زیارت کے لیے تڑپتے رہتے تھے۔ وہ لاہور سے اپنی عسرت اور مصروفیت کے باوجود ہفتے عشرے

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۸۵، ۸۴

کے اندر بیربل شریف پہنچ جاتے تھے۔ لوگ انہیں وہاں اکثر دیکھ کر حیران ہوتے۔ اس زمانے میں حضرت اقدس" کی اتنی شہرت بھی نہیں تھی۔ لوگ حضرت قبلہ حاجی صاحب" کی وارفتگی کو دیکھ کر اکثر پوچھتے کہ آپ" نے حضرت صاحب" کی کونسی کرامت دیکھی ہے کہ آئے دن آپ" ان کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔ تو حضرت قبلہ حاجی صاحب" جواب میں فرماتے کہ "مجھے تو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا سارا وجود کرامت ہی کرامت نظر آتا ہے۔" اس ضمن میں عام طور پر حضور قبلہ عالم" اخفاء سے کام لیتے' عاجزی اور انکساری کا ہمہ وقت اظہار فرماتے اور اپنی باتوں کو اپنے بزرگوں کی دعا و برکات پر محمول فرماتے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہدایت خلق اللہ' متوسلین کے دلوں میں تصرف باطن اور القائے فیض آپ" کی ذات اقدس سے اس قدر ظہور میں آیا کہ اس کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آئے۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پیدا ہوئی۔ معاصی چھوڑ کر ذکر و فکر میں مشغول ہوئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ دنیا کی محبت دلوں سے نکل گئی۔ اور ان کے دل دائمی طمانیت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ حضور قبلہ عالم" کے ہر مرید اور تعلق دار کی اپنی ایک الگ داستان ہے اور اس تعلق کے نشیب و فراز سے اٹھنے والے وہ واقعات ہیں جن میں ہر واقعہ اور حضور قبلہ عالم" کا ہر فرمان کرامت نظر آتا ہے۔ ان سب واقعات کو نقل کرنے کے لیے کئی اوراق درکار ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں واقعات کا انتخاب ایک کٹھن مرحلہ بن جاتا ہے۔ تاہم "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق تبرک کے طور پر چند واقعات کا ذکر خیر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب" نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیربل شریف کی سرزمین میں حضور قبلہ عالم" کے ساتھ خانقاہ سے ملحق قبرستان کے مشرقی کنارے ہم سفر تھا۔ شام کا وقت تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ خاموش اپنے محبوب حقیقی کے جلوؤں میں مست میرے آگے جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا حضور ایک عرض ہے۔ مدت سے ایک سوال زیرلب رہتا ہے۔ فرمایا: کہو کیا سوال ہے؟ میں نے عرض کیا۔ حضور"! ھو الظاھر و الباطن باطن تو خیر نظر سے اور خیال و وہم سے پوشیدہ ہے اور پوشیدہ رکھنے کے لیے ہی باطن فرمایا: لیکن ھو الظاھر —— وہ ظاہر کہاں ہے' سبحان اللہ' سبحان اللہ' سبحان اللہ میں قربان جاؤں اس ویلے (وقت) توں۔

حضورؒ ٹھٹک گئے۔ مڑ کر دیکھا۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ اب میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ آپؒ متوجہ ہوئے۔ "اور متوجہ ہوئے" کے کیا معنی ہیں۔ یہی توجہ ہی ہے جو طالب راہ مولا کی غذا ہے' یہی اس کی سواری ہے۔ یہی توجہ ہی تربیت کرنے والی مشین ہے۔ جب کسی سالک کو کامل کی توجہ مل جاتی ہے تو پھر وہ ماں کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ مشفق ماں کی گود ہی بچے کی تربیت کی ضامن ہے۔ ماں کے درجے کے مطابق بچہ تربیت پا لے گا۔ حضورؒ نے تھوڑی سی توجہ کے بعد فرمایا: "یہی تو ظاہر ہے" ہاتھ ذرا لمبا ہوا گویا نشان دہی فرما رہے ہیں۔ بس ایک بجلی کوندی' ایک لیلتہ القدر کی جھلک نظر آئی اور میں اطمینان کی ایک نہایت ہی خوبصورت کیفیت سے سرفراز ہوا۔ اور معلوم ہوا گیا کہ ظاہر کیا ہے اور ھو الظاھر کے کیا معنی ہیں۔ اس وقت کی یاد' اس نظارے کا نقشہ' اس کیفیت کا احساس' اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب بھی میں "ھو الظاھر" کو اسی طرح دیکھ رہا ہوں جیسا کہ مرشد کامل نے دکھلایا تھا۔ [۱]

۲۔ جناب حافظ حبیب شاہ صاحب اپنی پہلی حاضری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں ۱۹۵۵ء میں جناب حافظ دوست محمد صاحب کی معرفت شام کے وقت بیربل شریف میں حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مغرب کی نماز کے بعد آپؒ مراقب ہوئے تو پشت مبارک کی طرف سے حضور رحمتہ اللہ علیہ کے کندھے دبانے لگا۔ اتنے میں ایک اور گجرات کے رہنے والے مرید حاضر ہوئے وہ بھی دبانے لگے۔ تو آپؒ نے پوچھا "کون ہے ،بیلیا؟" اس نے اپنا اور اپنے گاؤں کا نام عرض کیا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اس کے والد اور دوسرے گھر والوں کا احوال پوچھا۔ معاً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ تو کوئی دنیا دار پیر ہے۔ اس آدمی سے پہلے میں کندھے دبا رہا تھا۔ انہیں پہلے میرا حال پوچھنا چاہئے تھا۔ آپؒ نے فوراً فرمایا کہ "بھائی میں جس آدمی کے گھر والوں کا واقف کار نہیں ہوں اس کے گھر والوں کی خیر و عافیت کیسے پوچھوں۔" مجھے ایک یہ بھی وہم تھا کہ جب سب باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں تو کسی بزرگ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس خیال کے جواب میں آپؒ نے فرمایا: "سب باتیں آدمی خود پڑھ لکھ کر

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۲۰' ۱۹

حاصل نہیں کر سکتا۔" حضور قبلہ عالمؒ کے یہ دونوں ارشادات میری لیے نشتر کا کام کر گئے اور مجھے سخت ندامت ہوئی اور مجھ سے وہاں بیٹھا نہ گیا اور میں مسجد سے باہر آکر گلی میں خوب رویا۔ اس کے بعد میری دنیا بدل گئی۔ فکر و نظر میں تبدیلی آتی گئی۔ دنیا اور مافیہا کی محبت دل سے نکلی اور حضور قبلہ عالمؒ کا تصور اور محبت غالب رہنے لگی۔

۳۔ حافظ دوست محمد صاحب ساکن جوہرآباد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور قبلہ عالمؒ میری دعوت پر میرے گاؤں کلیال تشریف لائے۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ، صوفی محمد اقبال صاحبؒ، پیر سید محمد شاہ صاحبؒ اور قاضی محمد رضا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ شاہ پور والے نعت خوان دونوں بھائی فیروزدین اور عزیزدین بھی ہمراہ تھے۔ میری والدہ کے چالیسویں کا موقع تھا۔ میں نے ایک کڑاہ حلوہ تیار کروایا جو تقریباً دو سو آدمیوں کے لیے کافی تھا۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ تین لاوارث اور غریب آدمی میرے پاس لاؤ۔ آپؒ نے ایک برتن میں حلوہ ڈالا اور تینوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد آپ رحمتہ اللہ علیہ نماز مغرب کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد فرمایا کہ اپنی برادری میں اعلان کر دو کہ حلوہ ختم کرنے کا زور لگا لیں۔ چنانچہ رات گئے تک حلوہ لوگوں میں تقسیم ہوتا رہا۔ تقریباً پانچ سو آدمیوں نے حلوہ کھایا۔ اس کے باوجود حلوہ بچ رہا۔

۴۔ حافظ حبیب شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ کھوڑہ میں نماز فجر کے بعد آپ باہر اٹھلاں والے بادشاہ صاحب کے مزار پر تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب کے علاوہ ملک حبیب الرحمٰن مرحوم بھی آپؒ کے ہمراہ تھے۔ مزار شریف پر پہنچ کر فاتحہ کے بعد آپؒ باہر تشریف لائے اور ساتھ والی مسجد میں لیٹ گئے۔ ملک صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ یہ بزرگ اٹھلاں والے بادشاہ کہہ کر پکارے جاتے ہیں مگر پتہ نہیں کہاں سے آئے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا "ہندوستانی بولی بولتے ہیں اور بھگوے کپڑے پہنتے ہیں۔" پھر بات کو چھپانے کے لیے فرمانے لگے: "پرانے بزرگ ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہاں سے آئے ہوں گے۔"

۵۔ چوہدری دوست محمد ساکن ۲۴ چک شمالی ضلع سرگودھا کا بیان ہے کہ ہمارے سابقہ گاؤں جہانے والا میں ہمارا ایک مخالف جو اس وقت بی ڈی ممبر بھی تھا' بڑا عیار قسم کا آدمی تھا۔ جو ہر

وقت ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ اس نے چند اوباش قسم کے آدمیوں کو ہم نوا بنا کر ہمارے محلہ میں ایک مکان کو گرا دیا اور سارا سامان باہر پھینک دیا اور کچھ جلا دیا۔ اس نے اس بات پر اکتفا نہ کیا بلکہ تھانہ میں ہمارے خلاف پرچہ بھی کرا دیا کہ انہوں نے ہماری جگہ پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے' لہٰذا ان لوگوں کو تھانے میں بلا کر سرزنش کی جائے اور قانونی کارروائی کی جائے۔ چنانچہ ہمارے رشتہ داروں نے اس کی اس ساری کارروائی کی اطلاع کر دی۔ میرے والد صاحب کو بڑی تشویش ہوئی۔ انہیں اور کچھ نہ سوجھا فوراً بیربل شریف سرکار رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ من و عن عرض کیا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے دعا فرمائی اور فرمایا: "تم وہاں پہنچو اللہ بیلی ہو گا' فکر کی کوئی بات نہیں بھین بھنک ٹھیک ہو جائیں گے" والد صاحب نے گھر آ کر برادری کے ایک دو آدمی ساتھ لیے اور تھانہ میں پہنچ گئے۔ انہیں کچھ جھجک اور خوف بھی دامن گیر تھا کہ مخالف بڑا عیار قسم کا آدمی تھا۔ قبل ازیں تھانے سے میل ملاپ بھی کر چکا تھا اور اپنے ساتھ اوباش قسم کے گواہ بھی ملا لیے تھے۔ اس وقت وہ بھی تھانے میں موجود تھا۔ تھانیدار نے ہمارے لوگوں کے بیان لیے اور دوسرے دن کی تاریخ دے دی۔ دوسرے دن دیکھا تو نقشہ ہی بدلہ ہوا تھا۔ تھانیدار نے ہمارے مخالف کو بمعہ ان کے ہمراہیوں کے اندر بند کر دیا اور ہمارے لوگوں کو باعزت طور پر بٹھایا۔ اور پھر انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ صحیح صحیح واقعہ بیان کریں ورنہ جیل بھیج دوں گا۔ آخر کار فیصلہ ہمارے حق میں ہوا اور اس پر تاوان بھی پڑا۔ اس فیصلے کے بعد میرے والد صاحب سیدھے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: "وہ بھین بھنک سمجھا تھا اکیلے ہیں اور درویشوں سے ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

۶۔ حاجی شیر محمد صاحب (شیرباز) ساکن کھوڑہ بیان کرتے ہیں کہ صوفی محمد اسماعیل صاحب جو کھوڑہ کے رہنے والے تھے اور پرانے ٹرانسپورٹر تھے' ان میں سارے شرعی عیب موجود تھے۔ جب سے حضرت قبلہ عالمؒ کھوڑہ تشریف لانے لگے تو ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ آج وہی محمد اسماعیل ذکر و فکر میں مگن پانچ اوقات کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں اور تہجد خوان بھی ہیں۔ مسجد سے انس رکھتے ہیں جامع مسجد کھوڑہ کی تعمیر نو کر کے علاقہ بھر کی بہترین مساجد میں شامل کر

دیا ہے۔

یہی حال ملک خادم حسین مرحوم کا تھا۔ خود ڈرائیور اور ٹرانسپورٹر تھے۔ ان کی جوانی کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز تھی۔ لڑائی بھڑائی اور سیاسی ہتھکنڈوں کے ماہر تھے۔ مگر جب حضور قبلہ عالمؒ کی نظر عنایت کا شکار ہوئے تو ایسے سدھرے کہ عجز و انکساری کا مجسمہ بن گئے۔ کھوڑہ میں آپؒ جب تشریف لے جاتے تو پہلے اور آخری دن صرف انہی کی دعوت قبول ہوتی تھی۔

محمد نواز مرحوم بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل تھے۔ پہلے پولیس میں ملازم تھے اور ان کی ساری زندگی ایسے ہی گزری جیسے پولیس کے ایک عام سپاہی کی ہوتی ہے مگر جب حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی غلامی میں آئے تو پابند صوم و صلوٰۃ ہوئے۔ کبھی تہجد قضا نہ ہوئی۔ کھوڑہ میں اکثر آپؒ کی خدمت میں حاضر رہتے اور اپنے بچوں کے متعلق حضرت قبلہ عالمؒ سے دعائیں کرواتے کہ اللہ تعالیٰ گھربار والا بنائے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی دعا سے اس کی پانچ بچیاں اچھے اچھے گھروں میں بیاہی گئیں اور تین بیٹے بھی اپنے اپنے گھروں میں خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۷۔ صوفی محمد حیات مرحوم ساکن جوہرآباد کا بیان ہے کہ میں فوج کی ملازمت کے دوران دلی سے سرہند شریف زیارت کے لیے گیا۔ وہاں ایک سفید ریش بزرگ سے ملاقات ہو گئی۔ دوران گفتگو انہوں نے اپنی جانب بیعت ہونے کی رغبت دلائی اور آمادہ کرنا چاہا۔ مگر میری طبیعت میں اتنی اکتاہٹ پیدا ہوئی کہ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس بزرگ نے کہا: اپنے حضرت صاحبؒ کو میرا سلام عرض کرنا۔ بات آئی گئی ہو گی۔ کچھ دنوں بعد جب میں بیربل شریف حاضر خدمت ہوا تو حضورؒ سے سفر سرہند کا حال اور ان بزرگوں کا سلام عرض کیا۔ سبحان اللہ آپؒ سرکار نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا: "جی ہاں۔ وہ بزرگ دوسروں کے مرید اغوا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔"

۸۔ حاجی محمد خان ساکن بھوتہ ضلع گجرات کا بیان ہے کہ ایک دن میں حاضر خدمت تھا کہ چند معزز لوگ جو سیاست دان معلوم ہوتے تھے' آپؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ صدر ایوب خان مرحوم کا دور حکومت تھا۔ ان دنوں صدر ایوب خان نے شیخ مجیب الرحمٰن کو اگر تلہ سازش

کیس میں قید کر رکھا تھا۔ ان حضرات نے حضور قبلہ عالمؒ سے عرض کیا کہ آپؒ کا شیخ مجیب الرحمٰن کے متعلق کیا خیال ہے۔ آپؒ نے فرمایا: "یہ بنگالی ہم سے الگ ہو جائیں گے ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے لیکن مغربی پاکستان کو میرے اللہ نے قائم رہنے کے لیے بنایا ہے۔ یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس پر بڑے بڑے نازک اوقات آئیں گے لیکن کسی کی جرأت نہیں جو اس کو مٹا سکے۔" حضور قبلہ عالمؒ کا ۱۹۶۷ء میں وصال ہوا اور ۱۹۷۱ء میں بنگالی ہم سے الگ ہو گئے۔

۹۔ محمد حیات دھڑ ساکن موضع چاچڑ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرا چھوٹا بھائی پڑھائی چھوڑ کر بھگوڑا ہو گیا اور لاہور چلا گیا۔ اور پھر جگہ جگہ مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر کئی روز تک ہمیں اس کا علم نہ ہو سکا۔ گھر والے بہت پریشان تھے اور ہماری والدہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ میں اس وقت ذاتی طور پر آپ رحمتہ اللہ علیہ سے واقف نہیں تھا۔ اس لیے آپ کے پڑوس میں رہنے والی ایک مائی نے ہمیں کہا کہ حضرت مولوی محمد عمر صاحبؒ کچھ پڑھ کر دیتے ہیں اور کام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں اس کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے احوال دریافت کیا تو میں نے عرض کیا کہ میرا چھوٹا بھائی گم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے گھر میں بہت پریشانی ہے۔ آپؒ نے پگڑی کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے پگڑی پیش کی۔ آپؒ نے کچھ پڑھ کر گانٹھ لگائی اور فرمایا گھبرانے کی کوئی بات نہیں گھر آ جائے گا۔ دوسرے دن اچانک میرا بھائی گھر پہنچ گیا۔

۱۰۔ حکیم ظہور احمد مرحوم ساکن بیربل شریف بیان کرتے ہیں کہ میرے والد حکیم تھے۔ میں معمولی تعلیم یافتہ تھا۔ والد کی وفات کے بعد کچھ ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ گاؤں میں حضور قبلہ عالمؒ کے حکم سے کوئی اکّا دکّا مریض دیکھ لیتا تھا اور گزر بسر ہو جاتی تھی۔ صدر ایوب خان کے زمانے میں حکومت نے حکماء کی رجسٹریشن کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا۔ حاضر خدمت ہوا تو آپؒ نے فرمایا: "بیلیا! تم نے بھی کوشش کرنی تھی۔" میں نے جواب دیا: "حضور میرا نہ اتنا علم ہے، نہ تجربہ اور نہ وسیع مطالعہ ہے۔" حضور رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "ہم نے تو تجھے حکیم سمجھا ہوا ہے۔" چنانچہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے مبلغ تیس روپے عطا فرمائے تاکہ درخواست فارم مہیا کر کے درخواست دی جائے۔ بڑی مشکل سے ایک فارم ملا۔ اس کو آپؒ کے حکم سے پر کر کے رجسٹریشن بورڈ کے مرکزی دفتر راولپنڈی میں بھیج دیا۔ درخواست دینے کی

تاریخ پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ چار ماہ گزرے تو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ وصال فرما گئے۔ آپ" کے وصال کے بعد مرکزی دفتر سے انٹرویو کی کال ملی کہ فلاں تاریخ کو لاہور میں انٹرویو ہے۔ میں نے سرکار کے مزار پر حاضری دی۔ ایصال ثواب کے بعد مراقبہ کی حالت میں ہوا تو عجیب کیفیت تھی اور محسوس کیا کہ آپ" فرما رہے ہیں: "بیلیا! کوئی بات نہیں ارادہ مضبوط رکھو۔" دوسرے دن لاہور چلا گیا۔ ضلع وار انٹرویو ہوتے رہے۔ جب ضلع سرگودھا کی باری آئی تو چند ایک دوست پیش ہوئے۔ جب واپس آئے تو سب گھبرائے ہوئے تھے۔ میں بھی تھوڑا پریشان ہوا مگر چونکہ حضرت صاحب" کا فرمان تھا لہٰذا میں مطمئن تھا کہ کام ہو جائے گا۔ اپنی باری پر پیش ہوا تو جو سوالات انہوں نے کیے ان کا تسلی بخش جواب ان کو ملتا رہا۔ ان میں ایک حکیم نیرواسطی مرحوم تھے جنہوں نے میرے جوابات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور خوب داد دی اور بڑی حیرت سے کہا کہ دیہاتوں میں بھی ایسے حکیم موجود ہیں۔ میری حالت یہ تھی کہ جو جوابات میں نے انہیں دیئے مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ کس طرح میرے اندر اُمڈے چلے آتے ہیں۔ ایک دو نسخہ جات جو حضرت قبلہ" کے بتائے ہوئے تھے۔ وہ بھی ان کو بتائے جو انہیں بہت پسند آئے۔ بعد از فراغت گھر آ گیا۔ چند ماہ بعد رجسٹریشن کی سند بھی مل گئی۔

۱۱۔ حاجی شیر محمد ساکن کھوڑہ ضلع خوشاب بیان کرتے ہیں کہ خورشید احمد اور مولانا مہردین صاحب ساکن کھوڑہ کی والدہ حضرت صاحب" کی بڑی معتقد تھی۔ اس وقت مولانا مہردین صاحب بچے تھے اور اس کے بڑے بھائی خورشید احمد لاہور اومنی بس میں کنڈیکٹر تھے۔ ان کی والدہ خدمت میں حاضر ہوئی اور چھوٹے بچے کو ہمراہ لائی۔ عرض کیا: حضور! اس بچے کے لیے دعا فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ اسے نیک کر دے اور بڑے لڑکے کو بھی سعادت مند بنائے جو آئے دن بسوں میں جھگڑوں میں الجھا رہتا ہے۔ اور یہ چھوٹا ایک پاؤں سے معذر ہے۔ "حضور قبلہ عالم" نے تھوڑے توقف کے بعد فرمایا: یہ بچہ سعادت مند ہو گا۔ خود پڑھے گا اور پڑھائے گا اور آسودہ حال ہو گا اور بڑا لڑکا بھی ٹھیک ہو جائے گا اور اس کا موجودہ کام بھی بدل جائے گا اور اس کے ذمہ بڑی اچھی ڈیوٹی ہو گی۔" سبحان اللہ! حضور قبلہ عالم" کی دعا سے چھوٹے نے میٹرک کیا' قرآن پاک پڑھا اور دینی تعلیم حاصل کی۔ خدا نے خوش الحانی بھی عنائت فرمائی تھی۔ آج کل لاہور میں

ایک بہت بڑی مسجد میں خطیب ہے اور بڑا آسودہ حال ہے۔ بڑا حضور قبلہ عالمؒ کے مخلص مریدوں میں شامل ہے اور عرصہ دراز تک لاہور اومنی بس کے اڈے کی مسجد کا امام رہا ہے۔ دونوں بیٹے بفضلہٖ تعالیٰ خوش حال زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۱۲۔ حافظ حبیب شاہ صاحب حضور قبلہ عالمؒ کی پر تاثیر نگاہ کرم کا ذکر کرتے ہوئے تین واقعات بیان کرتے ہیں۔

ایک دفعہ حضور قبلہ عالمؒ سرگودھا تشریف لائے اور پیر محمد عارف شاہ کی دعوت پر ان کے کوارٹر پر کالونی میں صبح کی چائے کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ شیخ غلام رسول المعروف لالہ نے جب قدم بوسی کے لیے اس کمرے کے دروازے کے اندر قدم رکھا جہاں آپؒ تشریف فرما تھے حضور قبلہ عالمؒ کی جیسے ہی ان پر نگاہ پڑی شیخ صاحب کی چیخیں نکل گئیں اور وہ زارو قطار رونے لگے۔

ایک دفعہ بیربل شریف کی مسجد میں جمعہ کے روز آپؒ پہلی صف میں دائیں طرف نماز جمعہ پڑھ رہے تھے۔ اس صف میں امام صاحب کے بائیں طرف ایک ضعیف العمر آدمی (جو غالباً ملتان کا رہنے والا تھا) بیٹھا تھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو آپؒ کی نگاہ اس پر پڑی تو اس کی چیخ نکل گئی اور وہ زار و قطار روتا ہوا حضرت کے قدموں میں گر پڑا۔ وہ رو بھی رہا تھا اور ساتھ ساتھ عرض بھی کرتا تھا کہ میں بہت گنہگار ہوں میرے لیے دعا کریں۔

ایک دفعہ عیدالفطر کے موقع پر بابو کریم بخش پراچہ ساکن شاہ پور شہر حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت آپؒ اپنے خیال میں تھے کہ بابو صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور سلام عرض کیا۔ آپؒ نے وعلیکم السلام کہا اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: اچھا بابو صاحب ہیں اور مصافحہ کے لیے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا۔ جونہی بابو صاحب کے ہاتھ سے آپ رحمتہ اللہ علیہ کا ہاتھ مبارک ٹکرایا بابو صاحب کے آنسو چھم چھم گرنے لگے۔

۱۳۔ صوفی محمد حیات مرحوم ساکن جوہر آباد بیان کرتے ہیں کہ میں فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد سخت بیمار ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے ٹی بی بتائی اور سخت پرہیز کا مشورہ دیا۔ میں متفکر ہو کر بیربل شریف حاضر خدمت ہوا۔ دوران گفتگو ایک آدمی نے حضورؒ سے پوچھا کہ حضرتؒ فقیر کا کیا کام

ہے؟ آپ نے فرمایا کہ فقیر کا کام یہ ہے کہ سالک کو پکڑ کر بیلنے میں دے دے۔ میرے ذہن میں فوراً اپنے مرض بڑھنے کا خیال آیا کہ اب میں بھی بیلنے میں آ چکا ہوں۔ معمولی علاج معالجہ جاری رہا لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ ایک دفعہ حضور قبلہ عالم خوشاب میں ملک حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم کے گھر تشریف لائے۔ مطلع ہونے پر میں بھی نیاز حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ کھانے کا وقت تھا۔ اتنے میں کھانا آ گیا۔ آپ نے کھانا تناول فرماتے ہوئے کچھ اپنا پس خوردہ میری طرف بڑھایا اور اشارہ فرمایا کہ کھاؤ۔ بس اس پس خوردہ کی کوئی ایسی برکت تھی کہ اس کی تاثیرات سے میرے مرض کو افاقہ محسوس ہونے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں کامل صحت ہو گئی۔ آج زندگی کے اسی سال میں جا رہا ہوں۔ آج تک پھر وہ مرض نہیں ہوا۔ اللہ اکبر۔

۱۴۔ حکیم ظہور احمد کا بیان ہے کہ بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا شہر کے حکیم ڈورا صاحب جو آپ رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ طالب علمی کے دوست اور عقیدت مند بھی تھے' جب حج بیت اللہ کو جانے لگے تو ملنے کے لیے آئے اور دعا کے لیے عرض کی۔ آپ نے فرمایا: خدا تجھے حج نصیب فرمائے اور ہمارے لیے بھی دعا کرنا کہ خدا ہمیں بھی حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائے اور واپسی پر ضرور یاد رکھنا۔ چنانچہ حکیم صاحب جب حج سے واپس آئے اور ملنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے تو عرض کیا کہ یا حضرت آپ نے بھی تو میرے ساتھ حج کیا اور مجھے ملنے سے کتراتے رہے۔ جب بھی میں نے کوشش کی آپ غائب ہو جاتے تھے۔ آپ نے فرمایا: حاجی صاحب میں تو نہیں گیا۔ اس پر اس نے کہا کہ حضور ایک بار نہیں چار پانچ مقامات پر میں نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی آنکھوں سے ارکان حج ادا کرتے دیکھا ہے۔ لیکن جب بھی کوشش کی بھیڑ کی وجہ سے آپ تک رسائی نہیں ہوئی۔ پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "بھولیو! ایسی بات ظاہر نہیں کرنی چاہیے۔" اور خاموش ہو گئے۔ بعد میں عام حاضرین سے فرمایا کہ "اب ہمیں حج کرنا ہی پڑے گا کیونکہ حاجی صاحب (حکیم ڈورا) نے قسم اٹھائی ہے۔ شاید کہ خدا ہمیں بھی حج کرا ہی دے۔"

۱۵۔ محمد علی کلیال ساکن جوہرآباد کا بیان ہے کہ حضور کی غلامی کے بعد ایک دفعہ

حاضر خدمت ہوا۔ انہیں دنوں میرے ذہن میں ایک وسوسہ پیدا ہوا کہ ایاك نعبد و ایاك نستعین کے پڑھنے کے بعد عابد اور معبود دونوں الگ الگ معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت مجلس عالیہ میں کافی لوگ موجود تھے۔ میں ندامت اور شرمندگی سے دور سر جھکائے سوچ رہا تھا کہ میں اپنے حال سے حضرت صاحب" کو کیونکر آگاہ کروں۔ اتنے میں اچانک آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اوں' ہوں کی' سر اٹھایا اور مجھے اشارتاً اپنی طرف بلا کر ایک کتاب جو غالباً آپ" کے پاس رکھی تھی اٹھائی اور ایک صفحہ نکال کر فرمایا: یہاں سے پڑھو۔ جب میں نے کتاب مذکورہ کھول کر پڑھی تو اس میں اس وسوسہ کا تفصیلی جواب موجود تھا جس کو پڑھ کر مجھے قلبی سکون حاصل ہوا۔

۱۶۔ مستری احمد دین بیربل شریف کا رہنے والا تھا اور حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا پڑوسی تھا۔ اس لیے ان کے ساتھ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا لین دین چلتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مزدوری کے لیے باہر جانے لگا تو گھر بتا گیا کہ اگر کبھی خرچہ وغیرہ کی ضرورت پڑے تو حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کرنا وہ تمہیں دے دیں گے۔ چنانچہ اسی دوران ایک دن اس کی بیوی حاضر خدمت ہوئی۔ آپ" اس وقت مسجد سے نماز ادا کر کے گھر تشریف لا رہے تھے اور حافظ ولی محمد صاحب امام مسجد بھی آپ" کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے سامنے آتے دیکھ کر فرمایا: "ہاں آج کیوں آئی ہے؟" اس نے کہا کچھ گھر میں ضرورت ہے اس لیے کچھ رقم لینے آئی ہوں۔ آپ" نے پوچھا کون سی ضرورت ہے۔ وہ بولی گھر میں بچی ہوئی ہے کچھ گھی لینا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے شگفتہ لہجہ میں فرمایا اگر بچہ دیتی تو گھی کھلاتے' بچیاں دینے پر کیا کھلائیں اس بات پر وہ بیٹھ گئی اور رونے لگی۔ آپ" نے اس کی پشت پر اپنے ہاتھ کی چھڑی سے دو دفعہ تھپکی دی اور فرمایا یہ لے جا رقم بھی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بعد میں اس کے ہاں دو بیٹے ہوئے جو اب جوان اور شادی شدہ ہیں۔

۱۷۔ حافظ ولی صاحب امام مسجد بیربل شریف (حال مقیم لاہور) موضع خورشید کے رہنے والے تھے۔ خورشید سے دو آدمی ووٹوں کے سلسلے میں حافظ صاحب کو لینے کے لیے آئے۔ حافظ صاحب نے انہیں کہا کہ جب تک حضرت صاحب اجازت نہ دیں میں مسجد نہیں چھوڑ سکتا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا تو پہلے ہی ارادہ تھا کہ حضرت صاحبؒ رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کریں گے۔ چلو ان

کے پاس چلتے ہیں۔ جب وہ لوگ حضرت صاحب" کے پاس پہنچے تو آپ" نے حافظ صاحب سے فرمایا۔ "گھر سے بیلی آئے ہیں۔" حافظ صاحب نے عرض کیا جی ہاں حضور۔ آپ نے فرمایا "دونوں کے لیے آئے ہوں گے۔" عرض کیا جی ہاں حضور۔ آپ" نے فرمایا۔بیلیو! حافظ صاحب کا ووٹ تو ہمارے ساتھ ہے۔ اور باقی ووٹ جو آدمی راست گو اور سچا ہو گا اسی کو دینا۔ پھر آپ" نے اس آدمی (امیدوار) کے چہرے کو دیکھ کر فرمایا: "قریشی ہے تو صوفی مگر اس نے اس سے قبل دو قتل ناحق کئے ہوئے ہیں۔" اس آدمی (امیدوار) کا چہرہ فق ہو گیا اور بہت شرمند ہوا اور پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس نے بعد میں بتایا کہ میں تو پہلی دفعہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو میرے حالات کیسے معلوم ہو گئے۔

۱۸۔ غلام نبی ساکن موضع دھنی نواں کوٹ کا بیان ہے کہ سردار بخش شلولی حضور قبلہ عالم" کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بڑی پریشانی کے عالم میں تھا اور گھبرایا ہوا تھا۔ حضور قبلہ عالم" نے دریافت فرمایا "کیوں دوڑتا ہے اور گھوڑی کو بھی دوڑاتا ہے۔ گھوڑی کا بھی اور تمہارا بھی سانس پھولا ہوا ہے۔" سردار مذکور نے عرض کیا حضور! موروثی زمین تھی جو قبضے سے نکلی جا رہی ہے۔ حضور قبلہ عالم" نے فرمایا نہیں جاتی اس دن کے بعد کسی نے زمین کے بارے میں ذکر تک نہیں کیا جو ان کے پاس اب بھی موجود ہے اور انہیں شاید حق ملکیت بھی مل چکا ہے۔

۱۹۔ محمد یعقوب سابق ہیڈ کاتب روزنامہ مشرق کراچی کا بیان ہے کہ میں کتابت کا کام سیکھتا تھا۔ لیکن گھر کے حالات نے پریشان کر رکھا تھا۔ ابھی کام بھی مکمل نہیں سیکھا تھا کہ کسی آدمی کے کہنے پر کراچی چلا گیا۔ جاتی دفعہ جلدبازی میں استاد سے اجازت بھی نہ لی۔ اس لیے کراچی سے سخت پریشان ہو کر گھر لوٹا۔ اتفاق سے حضور قبلہ عالم" میرے چچا محمد فاضل کے گھر تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کے غلام محمد فاضل کا بھتیجا ہوں۔ کراچی میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور استاد صاحب کی ناراضگی بھی مول لے بیٹھا ہوں۔ اب کیا کروں۔ حضور قبلہ عالم" نے فرمایا: ہمارا تو خیال ہے نوکری ہی اچھی ہے۔ اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ وہ نوکری دلا دیں گے۔ میں حضور" کے فرمان کے مطابق استاد صاحب کی خدمت میں شرمندہ ہو کر حاضر ہوا۔ انہوں نے کوئی بازپرس نہ کی بلکہ اس وقت

کراچی میں روزنامہ مشق کے اجراء کا مشورہ تھا۔ استاد صاحب نے مجھے فوراً ہیڈ کاتب بنا کر روانہ کیا۔ وہاں میں نے حضور قبلہ عالم" کی وصیت کے مطابق عمل کیا اور اپنے فن میں اس عروج پر پہنچا جہاں پہنچنا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ پچیس تیس سال تک کئی کاتبوں کی قیادت کی۔ نہ کتابت کی کمی محسوس ہوئی اور نہ علم میں حالانکہ میں صرف تین جماعت پڑھا ہوا تھا۔ اب خدا کے فضل سے لاہور میں پوری ایک کنال زمین میں کوٹھی ہے۔ لاہور ہی میں شادی ہوئی۔ دو بچے اچھے تعلیم یافتہ ہیں جو بڑی باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔

۲۰۔ مولوی منظور احمد قادری ساکن خیرے وال تحصیل پھالیہ کا بیان ہے کہ میرے والد گرامی قدر میاں نبی بخش صاحب حضور قبلہ عالم" کے مرید تھے۔ حضور" کی ان پر خاص نظرکرم تھی۔ میرے والد صاحب قرآن اور اردو کا قاعدہ پڑھے ہوئے تھے لیکن علم طب کا بہت شوق تھا۔ ایک دن میرے والد نے حضور قبلہ عالم" کی خدمت میں عرض کی کہ حضور میں پڑھ لکھ نہیں سکتا لیکن علم طب کا بڑا شوق ہے۔ حضور نے اپنا دست شفقت میرے والد صاحب کے سینے پر رکھا اور چہرے پر توجہ کرتے ہوئے فرمایا: "میاں صاحب فکر نہ کرو۔ اس علاقے میں ایسا کوئی طبیب نہیں جیسا آپ کو بنا دیا ہے۔ لکھنے پڑھنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔ کتاب پکڑو اور پڑھو قلم کاغذ لو اور لکھو۔" اس علاقے کے لوگ گواہ ہیں کہ والد صاحب جیسا اس علاقے میں کوئی طبیب نہیں تھا۔ مشکل سے مشکل کتاب پڑھ سکتے تھے اور مشکل سے مشکل الفاظ لکھ سکتے تھے۔

۲۱۔ محمد حیات ولد شیر محمد گوندل سکنہ گوجرہ تحصیل پھالیہ کا بیان ہے کہ مجھے ۱۹۵۸ء میں حضور قبلہ عالم" کی غلامی کا شرف حاصل ہوا تو میں نماز کا پابند ہو گیا۔ مجھے اور میرے بھائی احمد خان کو بوجہ سوتیلاپن والد صاحب جائیداد میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ اس لیے ہم بہت غریب تھے۔ غلامی میں آنے کے بعد باقاعدہ حصہ بھی ملنے لگا اور ہمیں دین و دنیا کی برکتیں نصیب ہوئیں۔ ۱۹۶۴ء میں میری شادی متنازعہ ہو گئی۔ والد صاحب اور دیگر بھائیوں نے مل کر کہا کہ جس جگہ منگنی ہوئی ہے وہاں تمہاری شادی نہ ہونے دیں گے۔ میں نے کہا کہ میں حضرت صاحب" سے مشورہ کروں گا۔ اگر انہوں نے مشورہ دیا کہ تم وہاں شادی نہ کرو تو میں نہیں کروں گا۔ چنانچہ میں بیربل شریف مشورہ کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ میرے عرض کئے بغیر حضور قبلہ

عالم" نے فرمایا: "شادی وہیں کرنی ہے جہاں منگنی ہوئی ہے۔" رات بیربل شریف میں گزار کر صبح نماز فجر کے بعد گھر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: کسی برادری کی منت سماجت نہ کرنا۔ جو برادری ناراض ہے وہ خودبخود راضی ہو کر آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں جب واپس گھر آیا تو راستے میں میرا بھانجا اللہ بخش ملا۔ اس نے مجھے بتایا کہ تمہارے سسرال والوں نے شادی کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ حضور قبلہ عالم" شادی سے ۹ دن پہلے تشریف لائے۔ شادی کے سامان سے تھوڑا تھوڑا منگوا کر دم کیا اور فرمایا بقیہ سامان میں اسے ملا دو۔ حضور قبلہ عالم" کی دعا برکت سے برادری بھی خودبخود راضی ہو گئی اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرما دی۔

۲۲۔ محمد فاضل مرحوم ساکن گھوکھانوالی ضلع گجرات کا بیان ہے کہ ایک آدمی جس کا نام علی محمد ہے' مجھے وسیلہ بنا کر بیربل شریف حاضر ہوا۔ اس کا رشتہ اپنی خالہ کے گھر ہوا تھا۔ لیکن خالہ کے گھر والے اور اس کے بھائی نے کسی دوسرے فریق کے آدمی قتل کر دیئے تھے۔ آخری تاریخ پر برادری نے سمجھوتہ کرایا تو انہوں نے قیدخانہ میں اپنی اپنی لڑکیوں کے فریق ثانی کے لڑکوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دے دی اور نکاح ہو گئے۔ اب علی محمد نے کوشش کی کہ نکاح ثابت نہ ہو اور خالہ کی بیٹی کا رشتہ اسے مل جائے۔ اس نے اپنے گاؤں کے مولوی سے فتویٰ لکھوا کر دیوبند بھیجا۔ وہاں اس وقت مولوی کفایت اللہ مفتی تھے۔ انہوں نے نکاح فسخ لکھا۔ جب علی محمد میرے ساتھ حضور" کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور قبلہ عالم" نے بغیر ہمارے عرض کئے فرمایا: "بھائی برخوردار ہم تو کہیں گے کہ وہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک تو قتل کا بدلہ قتل ہے اور دوسرا خود والد اجازت دے رہا ہے۔" یہ سن کر علی محمد سخت نادم ہوا اور پریشان بھی۔ لیکن ساتھ ہی آپ" نے فرمایا: "کچھ دینا پڑے گا طلاق ہو جائے گی" چنانچہ ایسا ہی ہوا معمولی رقم دینا پڑی اور طلاق نامہ مل گیا۔

۲۳۔ حافظ حبیب شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں اور برادرم عطاء اللہ شاہ بیربل شریف حاضر خدمت ہوئے۔ تو عطاء اللہ شاہ صاحب نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت" سے عرض کیا کہ میں قرآن شریف حفظ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ" اس کو حکم فرمائیں کہ یہ مجھے قرآن شریف حفظ کرا دے۔ آپ" نے فرمایا: پہلے سورتیں یاد کریں۔ میں اسی وقت سمجھ گیا کہ شاہ

صاحب سورتیں ہی یاد کر سکیں گے۔ واپس آ کر شاہ صاحب نے پارہ تیس شروع کیا اور چھبیس پارہ کی سورہ حجرات تک پہنچے اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

۲۴۔ صوفی ربنواز ولد صوفی محمد حیات ساکن جوہرآباد کا بیان ہے۔ جب حضورؒ کا وصال ۲۶ اگست ۱۹۶۷ء کو سروسز ہسپتال میں ہوا اس وقت میں جوہرآباد میں بیمار تھا۔ ۲۵ اور ۲۶ اگست کی درمیانی رات کو آپؒ خواب میں تشریف لائے اور کھوڑہ کی گلیوں میں حضور قبلہ عالمؒ کی زیارت ہوئی تو آپؒ نے فرمایا: برخوردار طبیعت کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور آپؒ کی صحت مطلوب ہے۔ آپؒ نے مصافحہ فرما کر فرمایا: اچھا ہم تو آرام کرتے ہیں۔ زیارت کے وقت آپؒ صرف ایک چادر باندھے ہوئے تھے اور چھوٹی سی کھڑکی میں سے تشریف لائے تھے۔ جب میں نے کھڑکی میں سے اندر جھانکا تو سب باغات اور پھول نظر آئے۔ دوسرے دن ۲۶ اگست ۱۹۶۷ء کو آپؒ کا وصال ہو گیا۔ اس خواب میں واضح اشارہ تھا کہ اب ہم اس دارفانی سے رخصت ہو رہے ہیں۔

۲۵۔ حاجی شیر محمد صاحب ساکن کھوڑہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت حاجی فضل احمد صاحبؒ کی وساطت سے ۱۹۵۵ء میں حضورؒ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ میں ڈرائیوار تھا۔ کھوڑہ میں جو وقت ملتا وہ حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت میں گزارتا۔ ایک دفعہ گاڑی چھوڑ کر گھر آیا تو کچھ سینہ بوجھل محسوس ہوا۔ ابکائی آئی پھر خون کی قے ہو گئی اور بہت سا خون منہ کے راستہ بہہ نکلا مگر کمزوری محسوس نہ ہوئی۔ چند دن کے بعد تلی شریف میں حضرت قاضی عطا محمد صاحبؒ کا عرس تھا۔ وہاں حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت اقدس میں حاضری دی۔ حضور قبلہ عالمؒ مسجد سے ملحق حجرے میں تشریف فرما تھے۔ دوسری جانب دروازے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر میں ساری رات پڑا رہا مگر رات کو کھانسی آنی شروع ہو گئی۔ سویرے جب حاضر خدمت ہوا تو آپؒ نے فرمایا: بھائی رات کو تمہارے کھانسنے کی آواز ہی سنائی دیتی رہی۔ میں نے عرض کیا: جی حضور۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ خون اندر سے آیا تھا جو بہت گاڑھا تھا۔ پھر کھانسی آنی شروع ہو گئی۔ اب کافی تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا: اچھا کچھ دعا بھی کریں گے اور کچھ دوا بھی کریں اور ایک نسخہ لکھ کر دیا جو میں دوسرے دن ہی بازار سے لے آیا اور اس کا

استعمال شروع کیا۔ تھوڑے دنوں بعد اچھا بھلا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج تک کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس کے بعد بیس سال تک ٹرک بسیں اور دوسری گاڑیاں چلاتا رہا۔

۲۶۔ محمد حیات دھڑ ساکن چاچڑ کے بھائی عطا محمد جو حضور قبلہ عالم" کے مرید اور خادم ہیں بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہماری قبیلہ بھوانے سے کچھ رنجش تھی۔ میں کچے کے علاقے میں ایک درخت کے نیچے سویا ہوا تھا کہ اس قبیلے کا ایک شخص آیا اور موقع پا کر ایک مضبوط لاٹھی سے اپنی پوری قوت کے ساتھ مجھ پر وار کئے اور تقریباً چارپانچ دفعہ میرے سر اور بازو پر وار کر کے بھاگ نکلا۔ لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی سرکنڈے کی لکڑی سے مجھے مار کر جگا رہا ہے اور میرے منہ سے نکلا میری نیند کیوں خراب کرتے ہو۔ اتنے میں میرے چچا جو کہیں قریب ہی تھے آ گئے۔ انہیں بھی وہ مار کر بھاگ نکلا۔ اس نے مجھے جگایا کہ وہ آدمی تو تجھے مار کر بھاگ رہا ہے۔ میں نے آنکھ کھولی تو واقعی ہی وہ بھاگ رہا تھا۔ اگرچہ وہ دور نکل گیا تھا لیکن ہم نے اسے جا لیا اور اس کی لاٹھی سے اس کی خوب پٹائی کی۔ اس واقعہ کے فوراً بعد حضور قبلہ عالم" کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ" نے فرمایا: تمہیں زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔ وہ آیا تو بہت برے ارادے سے تھا۔ مجھ سے پہلے کوئی آدمی آپ" کے پاس نہیں پہنچا تھا مگر حضرت قبلہ عالم" نے ساری باتیں کہہ سنائیں۔ بعد میں وہ مارنے والا آدمی کہتا ہے کہ میں لاٹھی خوب زور سے مارتا تھا لیکن آگے ایک سرخ داڑھی والا بزرگ میری لاٹھی کو ہاتھ سے پرے ہٹا دیتا تھا۔

۲۷۔ چوہدری محمد لطیف ساکن رحمان پورہ اپنے بیعت ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کرمانوالہ پیر محمد اسماعیل شاہ صاحب" کی خدمت میں کئی بار بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ" نے بیعت نہ فرمایا اور فرمایا کہ بیعت والا تمہارا کام ہو جائے گا۔ واپس آیا تو صوفی محمد اقبال صاحب" کے ذریعے کسی تقریب میں بیربل شریف حاضر ہونے کا موقع ملا۔ رات گزارنے کے بعد صبح باہر پھرنے کے لیے گئے اور واپسی پر سعید احمد صاحب" کی بیٹھک کے راستے گاؤں میں داخل ہوئے تو مجھے خیال آیا یہ تو وہی جگہ ہے جو مجھے خواب میں دکھائی گئی ہے۔ دوبارہ واپس آیا اور خواب میں دکھائی گئی گلیوں کا تعین کر لیا۔ پھر واپس لاہور چلا گیا۔ دوبارہ اکیلا حاضر ہوا اور باہر حضرت اعلیٰ" کے روضہ مبارک پر قصیدہ غوثیہ پڑھا اور بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تو حضرت اعلیٰ" نے خواب میں

فرمایا کہ تجھے میں نے محمد عمر کے حوالے کر دیا ہے۔ ان کا ہاتھ پکڑ لو۔ میں واپس حضرت قبلہ عالمؒ کے آستانے پر حاضر ہوا تو آپؒ نے فرمایا: باہر چلیں۔ پھرتے پھراتے حضرت اعلیٰؒ کے روضے مبارک پر آئے تو آپؒ نے وہاں خود ہی مجھے بیعت فرمایا اور کہا کہ دادا جی نے یوں ہی فرمایا تھا۔

۲۸۔ میاں متعلی کمہار ساکن گھوگھانوالی ضلع گجرات کا بیان ہے کہ جس وقت حضور قبلہ عالمؒ نے مکانات کی تعمیر کا ارادہ کیا تو ایک دن سحری کے وقت مجھے ایسے لگا جیسے حضورؒ نے مجھے یاد فرمایا ہو۔ میں بیربل شریف چلا آیا۔ صبح تقریباً گیارہ بجے حضور قبلہ عالمؒ مولوی غلام محمود صاحبؒ کے ہمراہ حضرت اعلیٰؒ کے روضہ مبارک سے نکل رہے تھے۔ قدم بوسی کی تو فرمانے لگے آ گئے ہو۔ عرض کی حضرتؒ آپ نے بلوایا جو تھا فرمایا مکان گرانے کے لیے سحری کے وقت یاد کیا تھا۔ اچھا ہوا جو آپ آ گئے۔

۲۹۔ محمد حیات گوندل ساکن گوجرہ تحصیل پھالیہ کا بیان ہے کہ میرے بڑے بھائی احمد خان کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ دو تین لڑکیاں تھیں۔ میں' بھائی احمد خان' اس کی ساس' اور اس کی بیوی' معراج شریف کے موقع پر اس غرض کے لیے حاضر ہوئے۔ رات کو مسجد میں پروگرام ہوتا رہا اور ہم بھی مسجد کے اندر رہے۔ جب صبح ہوئی تو بھائی احمد خان کی جوتی چوری ہو گئی۔ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ احمد خان کی جوتی چوری ہو گئی ہے تو حضرت صاحبؒ نے فرمایا جوتی کی کوئی بات نہیں۔ جس کام کا ارادہ کر کے تم لوگ آئے تھے وہ کام اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد بھائی احمد خان کو حضور قبلہ عالمؒ نے بلوایا اور فرمایا: "جس کام کے ارادے سے آئے تھے وہ کام ہو گیا ہے اب ہماری جوتی پہنو۔" اس نے عرض کیا: حضور کے پائے مبارک بڑے ہیں اور میرے چھوٹے۔ آپؒ نے فرمایا کہ "تم جھاوریاں تک ننگے پاؤں جاؤ۔ وہاں سے ایک چپل لے لینا۔ سات دن تک اپنے پاؤں میں رکھنا۔ اس کے بعد جوتی تمہاری تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔" ہم لوگ گھر واپس آ گئے۔ پانچ روز گزرے تھے کہ ایک آدمی جوتی لے کر حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کرنے لگا کہ یہ جوتی میں نے فروخت کرنی ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا کیا لینا ہے۔ اس نے عرض کیا معافی آپؒ نے فرمایا کوئی معافی نہیں۔ جاؤ تم کو رقعہ بنا کر دیتے ہیں۔ گوجرہ جا کر جوتی مالک کو پہنچا آؤ۔ چھٹے دن وہ آدمی رقعہ اور جوتی لے کر

ہمارے پاس گوجرہ پہنچ گیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ جب میں جوتی چرا کر گھر گیا تو مجھے رات کو نیند نہیں آئی اور خوف آتا تھا اور اوپر سے کوئی چیز مجھے دباتی تھی۔ اس لیے میں نے جوتی حضرت صاحبؒ کی خدمت میں واپس کرنے میں اپنی خیریت سمجھی۔ اس طرح حضور قبلہ عالمؒ کی دعا و برکت سے جوتی گھر پہنچ گئی اور ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے بھائی احمد خان کو لڑکا عطا کیا جس کا نام عرفان احمد رکھا گیا۔

۳۰۔ محمد فاضل مرحوم ساکن گھوکھانوالی ضلع گجرات کا بیان ہے کہ میں حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ عصر کے وقت حضور قبلہ عالمؒ کی چائے گھر سے آئی جو میں نے ہی حاضر خدمت کی اور ساتھ ہی دل ہی دل میں میاں محمد صاحبؒ کا یہ شعر آیا اور دل میں خاص تمنا بھی یہی تھی۔

؎ جے او مرشد مہریں آوے جوٹھا گھٹ پلا وے
ملا رومی والے مینوں سچے سخن سکھا وے

حضور قبلہ عالمؒ نے نصف پیالی چائے پی کر بقیہ مجھے عنایت فرما دی اور میں نے الحمد اللہ کہہ کر پی لی۔

۳۱۔ مائی بھاگ بھری ساکن کھدے نزد رسول پور تارڑ ضلع گوجرانوالہ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا حضرت! میں ضعیف اور کمزور ہوں اور پیدل سفر نہیں کر سکتی۔ غریب بھی ہوں، طاقت بھی نہیں ہے اور حاضری کے لیے جی بھی چاہتا ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اپنی لاٹھی اسے عنایت فرما کر کہا چلتے رہنا۔ تم کو کوئی کرایہ وغیرہ نہیں پوچھے گا۔ میاں نور محمد موچی ساکن کھنے بھٹیاں کا بیان ہے کہ وہ مائی عمر بھر بیربل شریف کا سفر کرتی رہی اسے کوئی نہیں پوچھتا تھا۔

۳۲۔ حاجی محمد خان ساکن بھوتہ ضلع گجرات کا بیان ہے کہ غالباً ۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے حضور قبلہ عالمؒ حسب معمول اپنے مخلصین کے ساتھ برآمدے میں تشریف فرما تھے۔ ایک بیش قیمت گاڑی برآمدے کے سامنے آ کر رکی۔ اس کار میں سے ایک بہت بڑا زمیندار بمعہ اپنے دو ملازمین (جن کے ہاتھ میں ربڑ کی لمبی نالی والا حقہ تھا) اترا۔ اس کے ساتھ بائیس تیئیس سال کی عمر کا ایک دبلا پتلا نوجوان لڑکا تھا جس نے نہایت تنگ پتلون اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ میں حضور قبلہ عالمؒ

کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ حیدر شاہ صاحب (خادم لنگر) نے اس زمیندار کو دیکھ کر حضور قبلہ عالمؒ سے سرگوشی میں بات کی کہ ان مہمانوں کو کیا پلانا ہے۔ حضرت نے فرمایا: "بھولیو۔ اسے نلکے کا پانی پلانا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرلو کہ مٹی کے پیالے کی بجائے دھات کے گلاس میں پلا دو۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ زمیندار اور اس کے دونوں ملازمین دعا سلام کے بعد حضرت قبلہ عالمؒ کی مجلس میں بیٹھ گئے مگر وہ نوجوان اپنی تنگ پتلون کی وجہ سے چٹائی پر نہ بیٹھ سکا اور برآمدے کے ستون کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا: "مہر صاحب کیسے تشریف لائے۔" مہر صاحب نے لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا: "یہ میرا لڑکا ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا ہے۔ میں اسے تین ہزار روپیہ ماہوار خرچہ دیتا ہوں۔ تین سال سے بی۔ اے میں فیل ہو رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا ہے کہ تو کیا بننا چاہتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں ایکٹر بننا چاہتا ہوں۔ حضرت صاحبؒ نے نوجوان کو مخاطب ہو کر فرمایا: "برخوادار کیا تو ایکٹر بننا چاہتا ہے؟" لڑکے نے جواب دیا ہاں۔ حضرت صاحب نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "مسلمان بن جا۔" پھر کیا ہوا۔ اس نوجوان پر بجلی گری۔ حضور قبلہ عالمؒ کے ان الفاظ سے اس کی چیخیں نکل گئیں اور وہ اس طرح گڑگڑا کر رویا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھا ہے اور ابھی زمین پر گر پڑے گا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے وہ اسی طرح روتا ہوا کونے والے کمرے میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد حضرت صاحبؒ نے صوفی محمد اقبال صاحبؒ کو فرمایا کہ "جاؤ ذرا برخوردار کی خبر لو۔" صوفی محمد اقبال صاحبؒ نے واپس آکر عرض کیا کہ وہ کہتا ہے کہ میں ننگا ہوں مجھے لباس دو۔ حضرت صاحبؒ نے اپنے گھر سے اپنا استعمال شدہ کرتہ، تہمد اور ایک چادر منگوائی۔ اس نے یہ کپڑے پہن لیے اور چادر اوڑھ لی۔ حضرت صاحبؒ نے صوفی محمد اقبال صاحبؒ سے فرمایا کہ "برخوردار کو ذرا ادھر بلاؤ۔" وہ نوجوان اپنی پہلی والی جگہ یعنی ستون کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ وہ چادر میں ایسے لپٹا ہوا تھا جیسے پرانے وقتوں کی نئی نویلی دلہن لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ حضرت صاحب نے مہر صاحب سے فرمایا کہ "کھانے کا وقت ہو گیا ہے ہمارے بیلی (دوست) تو دال ہی کھاتے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے لیے مرغ ذبح کروا لیتے ہیں۔ اور اگر جانا چاہیں تو اجازت ہے۔" مہر صاحب نے اجازت لی اور چلے گئے۔

اس واقعہ کو سات آٹھ ماہ گزرے کہ ایک دن ایک دبلا پتلا اور لمبی داڑھی والا نوجوان آیا۔ بالکل خاموشی سے حضرت صاحبؒ سے مل کر چپکے سے ایک جگہ بیٹھ گیا۔ دوسرے روز بھی اکیلا خاموش بیٹھا رہا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کرتا تھا مجھے خیال گزرا کہ اس کی شکل تو اس نوجوان سے ملتی ہے جو ایکٹر بننا چاہتا تھا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ میں وہی ہوں۔ اپنی تعلیمی حالت کے متعلق بتایا کہ اب میں ان شاء اللہ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ مزید بتایا کہ حضرت صاحبؒ کی اس نگاہ کرم نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ میرے گناہوں کی سیاہی اور اسلام کی حقیقت میرے سامنے آگئی تھی۔ اس لیے میری چیخیں نکل گئی تھیں۔

۴۳۔ چوہدری محمد لطیف ساکن رحمان پورہ لاہور کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں سعودی عرب میں تھا کہ بیمار ہو گیا۔ وہاں کے ڈاکٹر نے میرے اپریشن کے لیے کہا۔ میں پریشان ہو گیا۔ پردیس میں اکیلا ہوں۔ آخر میں نے حضرت قبلہ عالمؒ کی طرف توجہ کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ رات کو حضرت قبلہ عالمؒ خواب میں تشریف لائے اور میری چھاتی والی جگہ جہاں مجھ کو شدید درد تھا تین دفعہ اپنے انگوٹھے مبارک سے دبایا اور ایک گولی کھانے کو دی۔ جب میں صبح اٹھا تو بالکل ٹھیک تھا۔ نہ اس جگہ سوزش تھی نہ درد۔ ڈاکٹر حیران تھا۔ خدا کے فضل و کرم اور حضرت قبلہ عالمؒ کے روحانی تصرف سے تندرست ہو گیا۔

۴۴۔ محمد ابراہیم صاحب ساکن بھکر کا بیان ہے کہ میں E.A.•C.O بھکر کے دفتر میں کام کرتا تھا محمد رضا نامی ایک کلرک بھی ہمارے ساتھ کام کرتا تھا۔ جس کا تعلق شیعہ مسلک سے تھا۔ وہ اپنے مسلک کا اچھا خاصا علم رکھتا تھا۔ ان دنوں مجھے حضرت صاحبؒ کی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ "انقلاب الحقیقت" میرے زیر مطالعہ تھی۔ اس نے دیکھی تو کہنے لگا یہ کتاب مجھے پڑھنے کے لیے دیں۔ میں نے کتاب مذکور اس کو مطالعہ کے لیے دے دی۔ اس نے چند دن اس کا مطالعہ کیا۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ آپ کے پیر و مرشد مجھے خواب میں ملے ہیں۔ میں نے ان کی زیارت کی ہے اور ان سے اپنے مسلک کے بارے میں کافی سوال کئے۔ خاص کر اہل بیت کے متعلق جن کا حضرت صاحبؒ نے تسلی بخش جواب دیا اور میں بہت مطمئن ہو گیا اور میں آپ کے پیر و مرشد کے کمالات کا معترف ہوں۔

۳۵۔ مولوی عبدالخالق صاحب ساکن بکھر بار بیان کرتے ہیں کہ صوفی محمد اقبال صاحبؒ جب بھیرہ میں کتابوں کی دکان کرتے تھے تو ایک مجذوب فقیر حاجی فضل کریم صاحب مرحوم ساکن بھیرہ کے گھر آیا کرتے تھے۔ وہ اکثر فحش گالیاں دیا کرتے تھے۔ چونکہ ان دنوں حاجی فضل کریم صاحب کی لے پالک بیٹی جوان تھی اس لیے صوفی محمد اقبال صاحبؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بڑی بری لگی۔ میں نے اس مجذوب سے کہا کہ اگر تم نے گالیاں دینی ہوں تو ادھر مت آیا کرو۔ مجذوب فقیر نے میری طرف گھور کر دیکھا اور میں نے بھی فقیر کی طرف گھور کر دیکھا۔ فقیر چلا گیا۔ رات کو میں اپنے گھر سویا ہوا خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ عالمؒ تشریف لائے اور اس مجذوب کے منہ پر تھپڑ مارے اور اسے فرمایا یہاں سے نکل جاؤ۔ وہ گرا اور مر گیا۔ میں دو دن کسی وجہ سے بازار میں دکان پر نہ گیا۔ تیسرے دن جب دکان پر گیا تو وہ مجذوب فقیر بازار میں نظر نہ آیا۔ لوگوں سے اس فقیر کا پتہ چلا کہ وہ پرسوں صبح سویرے ایک پھٹے پر مرا ہوا پایا گیا۔

۳۶۔ پیر محمد علی شاہ ساکن بھیرہ ضلع سرگودھا کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ محمد عمر بیربلویؒ اکثر بھیرہ تشریف لایا کرتے تھے۔ ہمارے ہاشمی خاندان کے ساتھ خانوادہ بیربلوی کے دیرینہ تعلقات تھے۔ اگرچہ والد صاحب ڈھڈیاں شریف والوں سے بیعت تھے لیکن ان کے وصال کے بعد اکثر حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں میری آنکھیں خراب ہو گئیں۔ میں بھائی سید محمد شاہ صاحبؒ کے ساتھ حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لیے التجا کی۔ آپؒ نے جھاوریاں ہسپتال میں علاج کا حکم دیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ ۱۹۶۲ء میں مجھے کافی عرصہ بخار رہا ڈاکٹر ابوالحسن سرگودھا والوں سے علاج شروع کیا جس نے ٹی۔ بی بتائی اور دوسرے روز X-Ray کروا کر لانے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس دن حضور قبلہ عالمؒ سرگودھا تشریف لائے اور پولیس لائن میں قیام پذیر ہوئے۔ میرے والد صاحب بھی اچانک آ گئے۔ انہوں نے دعا کے لیے التجا کی۔ حضور قبلہ عالمؒ نے دعا فرمائی تو مجھے اپنے آپ میں صحت محسوس ہونے لگی۔ جب صبح حضور قبلہ عالمؒ سفر کے لیے روانہ ہوئے تو میں بھی نقاہت کے باوجود آپؒ کو الوداع کہنے کے لیے کافی فاصلہ تک ساتھ گیا۔ جب ایکسرے کروا کر ڈاکٹر صاحب کو دکھایا تو اس میں کوئی داغ نہ تھا۔ چند دن کے معمولی علاج سے تندرست ہو گیا۔

۳۷۔ مائی غلام فاطمہ زوجہ شیر محمد دھنیانہ ساکن پانڈووال ضلع منڈی بہاء الدین کا بیان ہے کہ ابتداء میں میرے والد کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ صرف دو بیٹیاں تھیں۔ میرے والد صاحب پکے مکان بنوانے کے لیے اینٹیں منگوانے لگے تو رحمان ولد سالم نے میرے والد صاحب سے کہا تمہیں پکے مکان بنوانے کی کیا ضرورت ہے۔ اولاد تو تمہاری ہے نہیں۔ ہم لوگ آپ کے پتی دار ہیں۔ آپ کے بعد ہم خود سب کچھ سنبھال لیں گے۔ میرے والد صاحب کو اس بات کا بڑا دکھ ہوا اور میری والدہ جلال بی بی سے کہا جو سونا گھر میں ہے وہ سب لے کر حضرت صاحب ؒ کے پاس جاؤ او عرض کرو کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں اولاد نرینہ عطا فرمائے۔ چنانچہ میری والدہ تقریباً پچاس تولے سونے کے زیورات لے کر حاضر خدمت ہوئی اور زیوارت کی گٹھڑی حضور قبلہ عالم ؒ کی گود میں ڈال کر عرض کی کہ فلاں آدمی (رحمان ولد سالم) نے کہا ہے کہ تمہاری اولاد تو ہے نہیں تمہیں پکے مکان بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تمہارے بعد سب کچھ سنبھال لیں گے۔ اس بات کا حضرت صاحب ؒ کو بہت دکھ ہوا اور آپ ؒ نے حکم دیا کہ یہ زیورات اٹھا لو۔ باربار آپ ؒ نے زیورات اٹھانے کا حکم دیا تو میری والدہ نے مجبوراً زیورات اٹھا لیے۔ حضور قبلہ عالم ؒ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو چار بیٹے دے گا۔ ان شاء اللہ آپ کے پوتے اور نواسے وہاں کھیلیں گے۔ یہ بات کہنے والا خود ہی اولاد سے محروم ہو جائے گا۔" حضور قبلہ عالم ؒ کے اس فرمان سے میری والدہ کو یقین ہو گیا تو اس نے دوبارہ وہی زیورات کی گٹھڑی آپ ؒ کی گود میں ڈال دی اور عرض کی اب میں اپنے بیٹوں' پوتوں اور نواسوں کی شیرنی دیتی ہوں۔ لہٰذا ان زیورات میں جو حضور قبلہ عالم ؒ کو پسند ہو وہ قبول فرمائیں۔ تب آپ ؒ نے نہایت اصرار کے بعد ایک سب سے چھوٹا زیور قبول فرمایا۔ حضور قبلہ عالم ؒ کی دعابرکت سے بعد میں سب کچھ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ ؒ نے فرمایا تھا۔

۳۸۔ احمد علی ولد بہلول ساکن ڈنگی ضلع گوجرانوالہ کا بیان ہے کہ بوجہ شدید بیماری میں نے بیربل شریف میں حاضری دی اور عرض کی کہ ڈاکٹر و حکیم مجھے ٹی بی کی بیماری بتاتے ہیں۔ دو دن کے بعد حضرت قبلہ عالم ؒ نے مجھے دو رقعے لکھ کر دیئے۔ ایک صوفی محمد اقبال صاحب ؒ کی طرف اور دوسرا حکیم شاہ محمد صاحب بھیرہ والوں کی طرف۔ بھیرہ پہنچ کر میں صوفی محمد اقبال صاحب ؒ

سے ملا اور پھر حکیم شاہ محمد صاحب کے پاس گیا اور آپؒ کا رقعہ دکھایا۔ اس نے آپؒ کا گرامی نامہ چوم کر آنکھوں میں لگایا اور مجھے بٹھا دیا۔ دیگر مریضوں سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوا اور بازو پر چٹکی لگا کر کہا کہ میرے پاس تمہاری دوائی نہیں ہے۔ تم نے اپنے پیر کی دعا سے ہی ٹھیک ہونا ہے۔ چونکہ حضرت صاحبؒ نے روانگی کے وقت چند لال گولیاں عنایت فرمائی تھیں اور فرمایا تھا کہ کبھی کبھی ہماری گولیاں بھی کھالیا کرنا اور کچھ کلمات پڑھ کر دم کرنے کے لیے بھی بتائے تھے۔ میں واپس آ کر وہ بھی پڑھتا رہا اور کبھی کبھی گولیاں بھی استعمال کرتا تھا۔ خدا کے فضل و کرم اور حضور قبلہ عالمؒ کی دعا برکت سے تھوڑے عرصے بعد مکمل طور پر شفایاب ہو گیا۔

۳۹۔ مائی غلام فاطمہ زوجہ شیر محمد ساکن پانڈووال ضلع منڈی بہاء الدین کا بیان ہے کہ میرے خاوند اور اس کے بھائیوں پر سوسائٹیوں کے قرض کا مقدمہ تھا۔ تنگ آ کر میرے خاوند شیر محمد نے مجھ سے کہا کہ گھر کا تمام سامان حضرت صاحبؒ کے پیش کر دو اور عرض کرو کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان سوسائٹیوں سے ہمیں فارغ کریں۔ اگر اس بار مقدمہ ہمارے حق میں نہ ہوا تو میں تمہیں بیربل شریف جانے نہیں دوں گا اور اگر فیصلہ ہمارے حق میں ہو گیا تو بے شک بیربل شریف چلی جایا کرنا۔ چنانچہ میں جو گھر کا سامان لے جا سکتی تھی اٹھا لیا اور بیربل شریف روانہ ہو گئی۔ حاضر ہو کر سامان رکھا اور بڑی لجاحت سے پنجابی اشعار کے ذریعے اپنی عرض گزاری۔ آپؒ نے فرمایا کہ "تم کو کوئی بیربل شریف آنے سے نہیں روک سکتا اور تمہارا مقدمہ بری ہو گیا ہے۔ اور اپنا سارا سامان گھر لے جاؤ۔" جب میں وہاں سے چلنے لگی تو دس روپے کرایہ کے لیے دیئے اور ساتھ اچار کے تمام مسالے بھی عنایت فرمائے۔ جب میں گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ مقدمہ بری ہو گیا۔

۴۰۔ مولوی عبدالخالق ساکن بکھر بار کا بیان ہے کہ صدر ایوب خان کے دور حکومت یونین کونسلوں کے ممبروں کے انتخابات ہونے لگے۔ تو حضرت صاحبؒ نے اپنے حلقے میں اپنی طرف سے محمد یوسف خواجہ سکنہ بیربل شریف کو امیدوار کھڑا کیا۔ جو مذکورہ انتخاب میں کامیاب ہو گیا۔ علاقے کے زمینداروں کو اس کا انتخاب پسند نہ آیا۔ چنانچہ انہوں نے دھوکے سے محمد یوسف خواجہ کو قتل کرا دیا۔ محمد یوسف خواجہ مرحوم بہت شریف اور نیک آدمی تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ کو

اس کے قتل کا شدید صدمہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپؒ کو بخار آنے لگا۔ بندہ بیمارپرسی کے لیے حاضرخدمت ہوا۔ حضورؒ اپنے بالاخانے پر تشریف رکھتے تھے۔ شام کے بعد حاضری کا موقع ملا۔ فرمایا کیوں تکلیف کی۔ باتوں باتوں میں جب اس شدید صدمے کا ذکر ہوا تو فرمایا خیال آیا ہے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (۶ : ۴۵) ترجمہ۔ غرض ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے (الانعام ت ۴۵)۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ محمد یوسف خواجہ مرحوم کے قتل میں ملوث تھے سب باری باری قتل ہوئے۔

۴۱۔ میاں فضل احمد صاحب ساکن دوگل تحصیل پھالیہ کا بیان ہے کہ غالباً ۱۹۶۲ء میں میرا ماموں زاد بھائی محمد حسین ذہنی طور پر اس قدر پاگل ہو گیا تھا کہ اسے زنجیر سے باندھنا پڑتا تھا۔ اس کے علاج کی کوئی کسر نہ چھوڑی گئی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر تنگ آ کر ہم نے اسے حضرت صاحبؒ کی خدمت میں بیربل شریف لے جانے کا فیصلہ کیا۔ بیربل شریف پہنچ کر تین چار روز تو محمد حسین نے ہمیں بہت تنگ کیا۔ چوتھے روز حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب اسے باندھا نہ کریں۔ چنانچہ حضور قبلہ عالمؒ کی دعا و برکت سے اسے بغیر کسی علاج کے افاقہ ہو گیا۔ تاحال بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور اپنا کاروبار کرتا ہے۔

۴۲۔ مائی غلام فاطمہ زوجہ شیر محمد ساکن پانڈووال ضلع منڈی بہاء الدین کا بیان ہے کہ میں بیربل شریف میں موجود تھی۔ ایک دفعہ ایک پھیری والا جس کے پاس رنگے ہوئے لحاف کے کپڑے تھے وہ نماز عشاء کے لیے گیا اور کپڑوں کی گٹھڑی میاں کرم دین صاحب والے کمرے میں رکھ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو گٹھڑی غائب تھی۔ اس پھیری والے نے حضرت صاحبؒ سے کہا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور یہ سمجھ کر آیا تھا کہ بزرگوں کی جگہ ہے اور آپؒ عارف کامل ہیں مگر آپؒ ہی میرے چور نکلے۔ آپؒ نے مسکرا کر فرمایا: ”تو سچ کہتا ہے۔ میں ہی تمہارا چور ہوں۔“ چوری کی تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ بھاولہ یہ کپڑے چوری کر کے لے گیا ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اس کی طرف ایک آدمی بھیجا اور فرمایا کہ کپڑے واپس کرو۔ اس نے کہلا بھیجا کہ رات کو کر دوں گا۔ رات کو وہ کپڑے حضور قبلہ عالمؒ کی حویلی میں پھینک گیا۔ وہ کپڑے حضورؒ

کی خدمت میں پیش کئے گئے تو حضرت قبلہ عالمؒ نے پھیری والے سے کہا "اگر تمہارا یہ مال واپس نہ ملتا تو تو چور کا کیا کر سکتا تھا۔" اس نے عرض کیا حضورؒ سچ فرماتے ہیں۔ میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تو حضورؒ نے فرمایا تم ایک تلائی اور ایک لحاف کا کپڑا اسے دے دو۔ اس نے بخوشی دینا قبول کر لیا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالمؒ نے چھ سیر روئی اپنی طرف سے ڈلوا کر بھاولہ کو بستر تیار کر کے بھیج دیا۔ دوسرے دن بھاولہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جناب آج آپؒ والے بستر میں خوب نیند آئی ہے۔ آپؒ نے اشارتاً فرمایا نیند تو خوب آئی لیکن انجام اچھا نہیں۔ چنانچہ وہی بھاولہ چند سال بعد قتل ہوا۔

۴۳۔ فضل الرحمٰن صاحب فضل بوٹ ہاؤس کچہری بازار سرگودھا کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سلطان باہوؒ کے مزار پر حاضری دے کر دعا مانگی کہ یا اللہ مجھے مرید ہونے کے لیے کوئی اپنا مقبول بندہ دکھا۔ جب گھر آیا تو رات کو خواب میں دیکھا کہ نہر کے کنارے جا رہا ہوں۔ آگے ایک نالہ آ گیا۔ نالے پر جاتا ہوں تو آگے پھر ایک چھوٹا سا نالہ آ گیا۔ اس پر ایک بزرگ چارپائی پر تشریف فرما ہیں۔ میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے سر پر پانی ڈالا۔

یہ خواب میں نے حضرت پیر سید محمد شاہ صاحبؒ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ تم بیربل شریف چلے جاؤ۔ بیربل شریف حضرت صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنکھوں کے سامنے وہی نقشہ تھا جو خواب میں دیکھا تھا۔ چونکہ میں دماغی طور پر کچھ بیمار تھا حضرت قبلہ عالمؒ کی غلامی میں آنے کے بعد صحت مند بھی ہو گیا۔

۴۴۔ محمد حیات گوندل ساکن گوجرہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میری ۹ بھینسیں بھوجوال میں دن کے وقت چراتے ہوئے نوکر سے گم ہو گئیں۔ ہم ۱۴ آدمی بھینسوں کی تلاش کے لیے نکلے۔ میرے چچازاد بھائی بشیر احمد نے کہا تم جو ہر روز بیربل شریف چلے جاتے ہو اپنے پیر صاحب کو کہو کہ دعا کریں اور آپ کی بھینسیں مل جائیں۔ اس کے کہنے پر میں نے دل میں تصور کیا کہ حضرت صاحب دعا فرمائیں کہ بھینسیں مل جائیں اور ساتھ ہی تلاش کے لیے آگے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میری بھینسیں ہوئیں تو میرا پیر تلاش کر لے گا۔ اس پر بھائی بشیر احمد نے کہا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا اور چلیں بھینسوں کی تلاش جاری رکھیں۔ میں نے کہا بالکل نہیں جاؤں گا۔ اسی

کش مکش میں تھے کہ ایک آدمی گھوڑی پر سوار ہو کر ہمارے پاس سے گذرا اور ہم سے پوچھا کہ تم اتنے آدمی کیوں اکٹھے ہو۔ ہم نے کہا کہ ہماری بھینسیں گم ہو گئی ہیں۔ اس نے کہا کہ تمہاری بھینسیں فلاں گاؤں میں فلاں آدمی کے پاس میں دیکھ کر آیا ہوں۔ چنانچہ اس کی اطلاع کے مطابق ہم لوگ وہاں گئے اور اپنی بھینسیں واپس لے آئے۔

۴۵۔ مائی غلام فاطمہ زوجہ شیر محمد دھنیانہ ساکن پانڈووال کا بیان ہے کہ غالباً ۱۹۵۵ء میں میں اپنے لڑکے محمد فاروق کو جس کی اس وقت عمر دو سال تھی ساتھ لے کر بیربل شریف اس لیے حاضر ہوئی کہ ملک ظہور احمد صاحب پانڈووال گورنمنٹ ہائی سکول میں قاضی صاحب بھیرہ والے مرحوم ہیڈماسٹر کی وساطت سے داخل ہوئے اور حضرت صاحب" نے فرمایا تھا کہ رہائش سکول کے ہاسٹل میں رکھنی ہے۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی اور بیربل شریف حاضر ہو کر عرض کی کہ یا حضرت" ملک صاحب ہمارے گاؤں میں رہیں اور روٹی ہاسٹل سے کھائیں' پھر ہمارے رہنے کا کیا فائدہ۔ حضور" قبلہ عالم" نے فرمایا: "تو مائی کیسے روٹی پکائے گی اور کھلائے گی۔" میں نے عرض کیا پیر بنا کر۔ آپ" نے فرمایا: "پیر بنا کر روٹی کھلانا مشکل ہے۔ تو اپنا بیٹا بنا کر روٹی کھلانا پھر منظور ہے۔" میں نے عرض کی حضور" میں اپنا بیٹا بنا کر روٹی کھلاؤں گی۔ ملک صاحب کی روٹی منظور ہو گئی۔ رات گزارنے کے بعد صبح آپ" نے ساتھ آدمی بھیج کر جھاوریاں پہنچایا۔ لاری پر سوار ہو کر لک موڑ آ گئی اور گجرات والی بس کا انتظار کرنے لگی۔ بچے کو پیاس نے تنگ کر لیا۔ بچہ کو پانی پلانے لگی تو بس آ گئی۔ مجبوراً پیاسے بچے کو لے کر بس میں سوار ہو گئی۔ ٹکٹ لیا۔ پیاسے بچے نے تنگ کر کے ٹکٹ چلتی گاڑی سے باہر پھینک دیا۔ جب بس چبہ پھلروان اڈے پر پہنچی تو ٹکٹ چیکر آیا۔ ہمارے پاس ٹکٹ نہ پا کر اس نے مجھے پکڑ کر اتارنے کی کوشش کی۔ میں نے سختی سے جواب دیا۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا میں خود اتر جاؤں گی۔ چنانچہ میں اتر گئی۔ بس تھوڑی دور جا کر گندہ نالہ پر رک گئی۔ میں آہستہ آہستہ گجرات کی طرف چلنا شروع ہو گئی۔ بس والوں نے مجھے اشارہ کیا کہ مائی صاحبہ آ جاؤ۔ آپ کو بس میں بٹھانا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تمہاری بس پر سوار نہیں ہونا۔ تم وہی تو ہو جنہوں نے مجھے اتار دیا ہے بس سے اتر کر دو عورتیں آئیں اور مجھے زبردستی لے جا کر بس میں اگلی سیٹ پر بٹھایا اور مجھ سے پوچھنے لگیں جو آدمی سرخ داڑھی والا آیا

تھا وہ تمہارا کیا لگتا ہے جس نے تمہارا ٹکٹ ہمیں دے دیا ہے۔ میں ان کی بات سن کر رونے لگی۔ بالآخر بس کھائی اڈے پر پہنچی۔ میں اتر کر گھر چلی گئی۔

۴۶۔ اللہ دتہ ولد خدا بخش باشندہ ساکن نور پور نون تحصیل بھلوال کا بیان ہے کہ میں حضرت سلطان باہو والوں کا مرید تھا اور میری شادی عاقل شاہ میں حافظ بدرالدین صاحب کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ میری بیوی ناراض ہو کر عاقل شاہ آئی ہوئی تھی۔ میں بیوی کو لینے کے لیے عاقل شاہ آیا تو وہاں حضرت محمد عمر صاحبؒ کی زیارت ہوئی اور حافظ بدرالدین صاحب کے ساتھ ناراضگی اور صلح کی بات چیت ہوئی۔ چونکہ میں حضرت سلطان باہوؒ والوں کا مرید تھا اس لیے اس غرور کی وجہ سے کچھ تیز اور متکبرانہ باتیں حضرت صاحبؒ سے کرتا رہا۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے مجھ سے فرمایا کہ "تم میری باتیں مان جاؤ ورنہ تم کو پھر میرے پاس آنا پڑے گا۔" لیکن میں کوئی پرواہ کیے بغیر گھر واپس چلا گیا۔ بیوی روٹھ گئی تھی۔ لڑکا کراچی میں نون فیملی کی بیگم کے گھر ملازم تھا۔ اس کو کوئی تنخواہ نہ ملی۔ لہٰذا گھر غیر آباد اور اوپر سے مفلسی اور غربت نے آن دبایا۔ پھر خیال آیا کہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دوں۔ آخرکار خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے "یا کریم یا رحیم" پڑھنے کو فرمایا۔ اس کے بعد حالات بدل گئے اور خوش حال ہو گیا۔ اور حضرت قبلہ عالمؒ کا وہ فرمان پورا ہوا جو آپؒ نے عاقل شاہ میں فرمایا تھا۔

۴۷۔ مائی عائشہ بی بی ساکن کوٹ بھلے شاہ ضلع گجرات کا بیان ہے کہ میری ہمشیرہ رابعہ بی بی کا گھر میں خاوند کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ ناراضگی کے عالم میں وہ اپنی والدہ کو ساتھ لے کر اور یہ کہہ کر کہ میں بیربل شریف جا رہی ہوں اور حضرت صاحبؒ سے تمہیں ٹھیک کرواؤں گی جب وہ دونوں بیربل شریف پہنچیں اور حضرت صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؒ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا "آ گئی ہیں۔ احمد دین اور اس کے بیٹے کو ٹھیک کروانے آ گئی ہیں۔" دو رات قیام کے بعد اجازت چاہی اور عرض کی کہ ہم کس راستے سے جائیں تو آپؒ نے فرمایا ڈھاک کے راستے سے۔ ہم نے عرض کی گاڑی مل جائے گی تو آپ نے فرمایا" سب گاڑیاں مل جائیں گی۔ چنانچہ ہم ڈھاک کے راستے گاڑی میں سوار ہوئیں۔ جب گاڑی منڈی پہنچی تو والدہ تو اتر گئی لیکن میری بہن رابعہ گاڑی میں سوئی رہی۔ میری والدہ اتر کر اسٹیشن پر اسے تلاش کرتی رہی۔ جب

گاڑی چیلیاں کے اسٹیشن پر رکی تو اسے جاگ ہوئی۔ وہ پریشان ہو کر رونے لگی تو گارڈ نے کہا مائی پریشان نہ ہو آپ کو واپس گاڑی میں بغیر کرایہ پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور حضرت صاحبؒ کے اس فرمان کی تصدیق ہو گئی کہ سب گاڑیاں مل جائیں گی۔

۴۸۔ جناب مولانا عبدالاحد صاحب بمقام چک بھٹی ضلع گوجرانوالہ کا بیان ہے کہ غالباً ۱۹۶۴ء کی بات ہے کہ ہم نے موضع چک بھٹی میں مسجد تعمیر کی۔ لیکن مسجد کی چھت کا بندوبست نہیں ہو رہا تھا۔ اسی دوران میں ایک ساتھی کے ساتھ لاہور گیا تو وہاں حضرت قبلہ حاجی فضل احمدؒ کے ہاں موہنی روڈ پر حاضری دی۔ وہاں معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ عالم بیربلویؒ تشریف فرما ہیں۔ جب زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو آپؒ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: سب خیریت ہے۔ دوبارہ آپؒ نے تحقیق کے لہجے میں پوچھا: اور سناؤ کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا اور تو سب خیریت ہے مگر مسجد تعمیر کی ہے۔ جس کی چھت کا بندوبست نہیں ہو رہا۔ آپؒ نے فرمایا: کسی سے ادھار لے لو۔ آپؒ کا یہ فرمانا تھا کہ میرے ساتھی نے کہا ہمیں ادھار بھی کوئی نہیں دیتا۔ اس پر آپؒ نے فرمایا: کوئی آدمی خود آکر دے جائے گا مگر اس کو واپس کر دینا اور اسے خراب نہ کرنا۔ ہم لاہور سے واپس آ گئے۔ چند دن بعد کی بات ہے میں فجر کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھا تھا۔ ایک بزرگ آدمی جو کہ اکثر ہماری مسجد میں نماز ادا کرتا تھا مجھے کہنے لگا کہ مولوی صاحب مسجد پر چھت کیوں نہیں ڈالتے۔ میں نے کہا بابا پیسے نہیں ہیں' چھت کیسے ڈالیں۔ اس نے کہا میں آپ کو مبلغ ۱۶۰۰ روپے دیتا ہوں مگر آئندہ سال حج کے موقع پر مجھے واپس کر دینا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالمؒ کا فرمان پورا ہوا اور چھت کا بندوبست ہو گیا۔

۴۹۔ مائی عائشہ بی بی ساکن کوٹ بھلے شاہ ضلع گجرات کا بیان ہے کہ مجھے ایک دفعہ پھالیہ سے پاہڑیانوالی اڈے تک آنا تھا جس کا سات آنے کرایہ لگتا تھا۔ سودا سلف خریدنے کے بعد میرے پاس صرف چھ آنے بچے۔ میں پریشان تھی کہ کنڈیکٹر بوجہ کمی کرایہ بے عزتی کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ کرایہ بھی منڈی بہاء الدین تک کا چارج کرے۔ اس شش و پنج میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بس میں سوار ہو گئی اور اپنے پیر و مرشد کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ آج اگر آپؒ کی دعا برکت سے کنڈیکٹر یا تو کرایہ ہی نہ پوچھے اور اگر پوچھے تو مجھے چھ آنے میں مانو چک اتار دے

لیکن میری بے عزتی نہ کرے۔ میں نے چھ آنے اپنے ہاتھ میں پکڑے اور اس کو ٹکٹ کے لیے کہا۔ اس نے کہا مائی تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟ چنانچہ ہر سٹاپ پر جب نئی سواری چڑھتی اور وہ ٹکٹ دینا شروع کرتا تو میں پریشان ہو جاتی کہ میرا کرایہ کم ہے کہیں میری بے عزتی نہ کرے۔ اس نے پاہڑیانوالی تک مجھ سے کرایہ نہ پوچھا حالانکہ میں اس کے قریب والی دوسری سیٹ پر بیٹھی تھی۔ آخر میں پاہڑیانوالی اڈے پر اتر گئی اور حضور قبلہ عالمؒ کی دعابرکت سے اس نے کرایہ تک نہ پوچھا۔

۵۰۔ ڈاکٹر دل محمد قریشی مرحوم لکھتے ہیں کہ میرے کئی کام جو میری زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے تھے حضور قبلہ عالمؒ کی دعا و برکت سے سرانجام پائے۔ ایک دفعہ مجھے بڑی مشکل درپیش تھی۔ حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ تین چار ہفتے کوئی جواب نہ آیا جو کہ آپؒ کی عادت مبارک اور معمول کے خلاف تھا۔ آخر ایک دن آپؒ کا نوازش نامہ موصول ہوا۔ سرنامہ پر تاریخ کے ساتھ تحریر کا وقت بھی لکھا ہوا تھا' ۳ بجے شب۔ خط میں صرف اتنا اشارہ تھا "خدا کرے آپ کا کام ہو جائے۔" دو دن بعد مجھے اس کام کے ہونے کی باقاعدہ اطلاع مل گئی۔ معلوم ہوا کہ کام کے ہونے کی وہی تاریخ تھی جس روز حضرتؒ نے طویل توقف کے بعد مجھے خط تحریر کیا۔

۵۱۔ پروفیسر عبدالصمد صارم ریٹائرڈ پنجاب یونیورسٹی لاہور کھوڑہ میں حضور قبلہ عالمؒ کے قیام کے دوران حاضر ہوتے تھے اور کئی کئی دن قیام فرماتے۔ اس قیام کے دوران پروفیسر صاحب نے حضور قبلہ عالمؒ کی روشن ضمیری کے کئی واقعات بیان کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

الف۔ کھوڑے میں کچھ سردی تھی اور گرم پانی اور بند جگہ میں غسل کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ کھلی جگہ یا مسجد میں نہانا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا۔ نہائے ہوئے بھی کئی دن ہو گئے تھے۔ جی چاہتا تھا کہ غسل کروں مگر کسی کو تکلیف دینا بھی گوارا نہیں تھا۔ اگلی صبح حضرت صاحبؒ تشریف لائے اور فرمانے لگے: صارم صاحب! اگر آپ نہانا چاہیں تو بند کمرے میں گرم پانی کا انتظام کر دیں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ دیکھو بڑے میاں کو اس بات کی بھی اطلاع ہو گئی۔ میری عادت نہیں کہ کسی سے ذرا بھی کام لوں یا کسی کو تکلیف دوں۔ چنانچہ میں نے صاف انکار

کر دیا۔ آپ" واپس اندرون خانہ چلے گئے۔ ایک تولیہ' صابن اور خادم کو بھیج دیا اور فرما بھیجا کہ یہ آپ کے نہانے کا جیسا آپ چاہیں گے انتظام کر دے گا۔ جایئے نہا لیجئے۔

ب۔ کھوڑے میں نہ کوئی چائے خانہ تھا نہ ہوٹل اور میں ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا عادی تھا۔ دو وقت کی چائے اور دو وقت کی روٹی میں میرا کیا بھلا ہوتا۔ مگر میں نے اس کا کسی سے اظہار بھی نہیں کیا۔ ایک دن حضرت صاحب" خود ہی فرمانے لگے کہ صارم صاحب! جس چیز کو دل چاہا کرے حکم دے دیا کریں' ہم تیار کروا دیں گے۔ ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ آپ کچھ خیال نہ کریں۔ میں نے کہا سب ٹھیک ہے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ پھر ایک خادم کو میرے پاس بھیجا۔ اس نے اپنے طور پر مجھ سے کہا: صارم صاحب ہم اور آپ اپنی چائے کا علیحدہ انتظام کریں گے۔ دو وقت کی چائے میں شاید آپ کا بھلا نہ ہوتا ہو۔ میں نے کہا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ خادم ہر وقت میرا خیال رکھتا تھا۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ جب کبھی کسی چیز کو جی چاہا تو بغیر طلب ہمارے لیے وہی چیز اندرون خانہ سے چلی آ رہی ہے۔

ج۔ کھوڑے میں پڑے پڑے اور دن رات لکھتے لکھتے تھک گیا۔ صحت خراب ہو گئی اور معدہ بگڑ گیا اور دماغ بھاری بھاری رہنے لگا۔ سوچنے لگا یا اللہ یہاں کوئی تفریح کی جگہ بھی نہیں' خشک پہاڑیاں اور ناگوار دھوپ۔ اگلے دن صبح سویرے حضرت صاحب" تشریف لائے اور فرمانے لگے: صارم صاحب! آج آپ کو ہم جلدی ناشتہ کرا دیں گے۔ آپ لکھتے لکھتے تھک گئے ہوں گے۔ ہم نے آپ کے لیے شکار کا انتظام کیا ہے۔ جائیں اور سون سکیسر کی سیر کریں۔

د۔ ایک دن میں کھوڑے میں پڑے پڑے اکتا گیا اور یہ بھی جانتا تھا کہ واپس جانے کی اجازت نہیں ملے گی کیونکہ حضرت صاحب" بار بار یہی فرماتے تھے' جب تک ہم یہاں رہیں تو بھی یہیں رہنا۔ ہم تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے۔ ایک دن صبح سویرے حضرت صاحب" تشریف لائے اور فرمانے لگے: اب آپ یہاں رہتے رہتے ہوئے تھک گئے ہوں گے۔ اگر جانا چاہیں تو اجازت ہے۔

۵۲۔ منیر احمد صاحب ولد مولوی غلام محمود صاحب ساکن بھوجووال بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں چھٹیوں کے دوران حاضر خدمت تھا کہ آپ" نے مجھے ایک چٹھی جو کہ انگریزی زبان میں

تحریر تھی اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے آئی تھی دی اور فرمایا: "برخوردار اسکا اردو ترجمہ کر دو۔ کاغذ قلم لو اور وہاں دور بیٹھ کر یہ کام کر لو۔" میں نے چٹھی پڑھی اور متن سمجھ گیا لیکن سوئے اتفاق جو اس کا سرنامہ تھا وہ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کس فصل کی کاشت کے بارے میں ہے۔ پریشانی لاحق ہوئی کہ کیسے لکھنا شروع کروں۔ حضور" اپنی مسند پر تشریف فرما اور محو مطالعہ تھے۔ میری تشویش کو نظرباطن سے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا: "برخوردار ہرنولی نہیں ہوندی۔" تحریر کا عنوان تھا: growing of castor (ہرنولی کی کاشت)

۵۳۔ جناب صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ العالی بیان کرتے ہیں۔ سید عباس علی شاہ صاحب" کے برادر خورد سید مدد علی شاہ ولد سید حسین علی شاہ ساکن گھوگھانوالی ضلع گجرات غالی شیعہ تھے۔ شیعوں کے ذاکر اور بڑے خوش الحان گویے تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے کے۔ ایل۔ سہگل نامی ایک مشہور ہندو گویے کے ساتھ لاہور کی کسی محفل موسیقی میں ان کا مقابلہ ہونا قرار پایا۔ جس کے لیے مدد علی شاہ صاحب لاہور آئے۔ لاہور کے ریلوے سٹیشن پر اپنے بڑے بھائی سید عباس علی شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی جو حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری" کے خادم اور حضرت قبلہ عالم بیربلوی" کے جاں نثار اور مخلص دوست تھے۔ حضور قبلہ عالم" سے بے حد عقیدت کی وجہ سے لنگر کی خدمت کے لیے اکثر بیربل شریف رہا کرتے تھے۔ سید عباس علی شاہ صاحب" نے اپنے چھوٹے بھائی مدد علی شاہ سے دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ میں کے۔ ایل سہگل کے ساتھ موسیقی کا مقابلہ کرنے جا رہا ہوں۔ عباس علی شاہ صاحب" نے فرمایا: چھوڑو کہاں ہندو سے مقابلہ کرتے ہو۔ چلو آج شرقپور شریف میں حضرت میاں صاحب" کا عرس مبارک ہے۔ وہاں بڑے بڑے نعت خواں حضرات کا مقابلہ ہے۔ آپ بھی اس مقابلہ میں شرکت کریں۔ مدد علی شاہ صاحب نے بڑے متکبرانہ انداز میں کہا: مولوی نعت خواں میرا کیا مقابلہ کریں گے۔ تھوڑے بہت اصرار کے بعد مدد علی شاہ نے پوچھا وہاں سے کچھ انعام و اکرام بھی ملے گا تو عباس علی شاہ صاحب نے فرمایا بہت بڑا انعام ملے گا۔ چنانچہ دونوں بھائی شرقپور شریف پہنچ گئے۔ وہاں عرس مبارک کی مرکزی محفل جاری تھی جس کی صدارت حضرت سید نورالحسن شاہ صاحب کیلانوی" کر رہے تھے۔ عباس علی شاہ صاحب نے صدر مجلس

جناب شاہ صاحب کو چٹ لکھی جس میں مدد علی شاہ کے لیے نعت پڑھنے کے لیے عرض کی۔ مگر قبلہ شاہ صاحب" نے کہا کہ حضرت میاں صاحب" کے سٹیج پر کوئی غیر متشرع شخص نہیں آ سکتا۔ یہ جواب لے کر عباس علی شاہ صاحب حضرت قبلہ عالم بیربلوی" کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضور قبلہ عالم" نے قبلہ شاہ صاحب" کو رقعہ لکھا کہ "جناب اگر آپ کی وجہ سے ایک آدمی مسلمان ہو جائے تو آپ کو کیا عذر ہے اور اگر یہ شخص یونہی واپس چلا گیا تو قیامت کے دن آپ کو اس کا جواب دینا ہو گا۔" لہٰذا شاہ صاحب" نے حضور قبلہ عالم" کی دل آویز تحریر پڑھ کر مدد علی شاہ صاحب کو نعت خوانی کا موقع دیا۔ مدد علی شاہ صاحب نے نہایت سوز و گداز سے بھری ہوئی آواز میں کلام پڑھنا شروع کیا تو سامعین بے خودی کے عالم میں لوٹنے لگے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اہل محفل کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تمام معصیتیں دھل دھل کر آنسوؤں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ جب مدد علی شاہ صاحب فارغ ہو کر عباس علی شاہ کے پاس آئے تو ان سے انعام کا وعدہ پورا کرنے کو کہا۔ عباس علی شاہ صاحب نے کہا اب تم سو جاؤ صبح فیصلہ ہو گا اور ہر ایک کو اس کا کریڈٹ مل جائے گا۔ مدد علی شاہ صاحب سوئے تو رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ دو خنزیر ان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور ان کو پھاڑنا چاہتے ہیں۔ پھر ان کو ایک بزرگ کی زیارت ہوئی جنہوں نے ان جانوروں سے ان کو بچا لیا۔ مدد علی شاہ اٹھ کر کانپنے لگا اور اپنے بھائی عباس علی شاہ صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے جلد از جلد اپنے حضرت صاحب" کی خدمت میں لے چلو۔ جب دونوں بھائی حضرت قبلہ عالم بیربلوی" کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مدد علی شاہ بے ساختہ کہنے لگا۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے رات کو مجھے دو خنزیروں سے نجات دلائی۔ مدد علی شاہ صاحب حضور قبلہ عالم" کے قدموں میں گر کر تائب ہوا اور شیعیت چھوڑ کر حضور قبلہ عالم" کی غلامی اختیار کی۔

۵۴۔ مستری حاجی فتح محمد سکنہ کوٹ بھائی خان کا بیان ہے کہ حضور قبلہ عالم" نے دربار والی مسجد کی تعمیر جدید کا پروگرام بنایا اور مجھے بلوا بھیجا۔ حضور قبلہ عالم" نے فرمایا کہ مسجد کو مغرب کی طرف بڑھایا جائے۔ مسجد شہید کی گئی تو موجودہ محراب والی مغربی دیوار کی جگہ قبلہ رو تلاش کرتا تھا۔ ہمارے استاد نے قبلہ رخ تلاش کرنے کا ایک اصول بتایا ہوا تھا کہ رات کو قطبی ستارہ کی

سیدھ میں پچاس فٹ کی ایک سیدھی لکیر لگا کر شمالی سرے کو چھ انچ مغرب کی طرف بڑھایا جائے۔ اس نشان اور پہلے نشان کو ملانے سے جو لکیر بنے گی وہ صحیح قبلہ رخ ہو گی۔ چنانچہ رات کو میں نے اسی اصول کے مطابق نشان لگا دیئے۔ صبح بنیاد کھودنا تھی تو حضور قبلہ عالمؒ کا پیغام آیا کہ میرے آنے تک بنیاد نہ رکھی جائے۔ آپؒ کچھ مہمانوں کے آنے جانے کے باعث کافی دیر بعد نو دس بجے کے قریب تشریف لائے اور مجھے فرمایا کہ قبلہ رخ تلاش کر لیا ہے یا نہیں۔ مگر ٹھہرو میں تمہیں تلاش کر کے دیتا ہوں۔ حضور قبلہ عالمؒ اسی جگہ آ کھڑے ہو گئے جہاں دیوار چننا تھی اور مغرب کی طرف رخ کر کے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ پاؤں کو تھوڑا کبھی آگے کرتے اور کبھی پیچھے اور کبھی معمولی شمالاً جنوباً موڑتے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک جگہ پاؤں جما دیئے اور خود مغرب کی طرف نظریں جمائے ہوئے مجھے فرمایا کہ مستری صاحب میری ایڑیوں کے ساتھ لکیر کھینچ لو اور اسے شمال جنوب کو بڑھا لو۔ یہ صحیح قبلہ رخ ہے۔ میں حیران تھا کہ حضور قبلہ عالمؒ نے نہ کوئی فیتہ لیا اور نہ کوئی لکیر کھینچی۔ صرف دیکھ کر قبلہ رخ مقرر فرما رہے ہیں۔ یہ کیسے درست ہو گا۔ مگر میں نے جب اس لکیر کو شمالاً جنوباً بڑھایا تو بالکل انہیں نشانات پر قائم ہوئی جو رات کو میں نے قطبی ستارے کی مدد سے شمالی سرے کو چھ انچ مغرب کو ہٹا کر مقرر کئے تھے۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ حضور قبلہ عالمؒ تو ٹکٹکی باندھ کر کعبہ شریف کا مشاہدہ کر کے نشان بنوا رہے تھے۔ اس طرح مجھے اپنے فارمولا کی بھی تصدیق ہو گئی اور حضور قبلہ عالمؒ کے مشاہدہ کا ثبوت بھی میسر آیا۔

۵۵۔ سید مظفر حسین شاہ صاحب ساکن کندھانوالہ منڈی بہاء الدین کا بیان ہے کہ حضور قبلہ عالمؒ میری درخواست پر پہلی بار کندھانوالہ میں میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ پھر جملہ احباب کے ساتھ مسجد میں حسب معمول تشریف لے گئے۔ مسجد میں ناچیز نے عرض کیا کہ حضورؒ مسجد کی آبادی کے لیے دعا فرمائیں۔ آپؒ نے مسجد کی چاروں طرف نظر فرمائی اور فرمایا: شاہ صاحب یہ مسجد تو جامع مسجد نظر آتی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ آباد نہیں۔ پہلے یہ حال تھا کہ مسجد میں کبھی پانچ وقت کی اذان، جماعت باقاعدگی سے نہیں ہوتی تھی اور بے وقت مسجد میں داخل ہونے سے ڈر لگتا تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ کا جامع مسجد فرمانا یوں قبول ہوا کہ تھوڑے عرصے بعد تمام گاؤں کے آدمی میرے ہاں اکٹھے ہو کر آئے اور منت سماجت سے کہا کہ آپ ہماری مسجد کا انتظام

سنبھالیں اور اس میں باقاعدہ جماعت اور جمعہ کا اجراء کریں۔ تھوڑے عرصے بعد مسجد میں جمعہ جاری ہو گیا۔ پانچ وقت باجماعت نماز قائم ہونے لگی۔ نمازیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ غیر شرعی رسومات ترک کی جانے لگیں۔ اب خدا کے فضل سے حفظ و ناظرہ کا مدرسہ جاری ہے۔ تقریباً سو سے زیادہ بچے صبح شام تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

۵۶۔ مستری محمد ابراہیم ساکن خوشاب کا بیان ہے کہ حضور قبلہ عالمؒ کے رقبے میں کیکر کی ایک بہت بڑی لکڑی موجود تھی جس کو چیر کر اونٹ پر لادنے کے قابل بنانے کے لیے کوئی مستری ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ میں نے ہمت کر کے اونٹ پر لادنے کے قابل بنا دی تو حضور قبلہ عالمؒ بہت خوش ہوئے اور میرا نام صوفی محمد ابراہیم رکھا اور لکڑی کے کام کے لیے دعا فرمائی۔ اس زمانے میں نلی میں قیام کے دوران ہم تر۔لنگل بناتے تھے۔ آپؒ نے مجھے پاکستان کا "تر۔لنگل انجینئر" فرمایا۔ جس وقت حضور قبلہ عالمؒ کے مکانات تعمیر ہو رہے تھے تو میں لکڑی کا کام کرتا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ جو لوگ حضرت صاحبؒ کے پاس بیٹھتے ہیں ان کا دل صاف ہوتا رہتا ہے۔ میں دور بیٹھا کام کر رہا ہوں میرا دل کیسے صاف ہو گا۔ یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضرت صاحبؒ مجلس سے اٹھ کر میرے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہو کر فرمانے لگے: بیلیا! جس وقت سے تو چھوڑے بنانے لگا ہے اسی وقت سے تیرا دل صاف ہونے لگا ہے۔"

۵۷۔ چوہدری دوست محمد ساکن ۲۴ چک کا بیان ہے کہ صدر ایوب خان کے زمانے جب B.D ممبر کے انتخابات ہوئے تو آپ کے ایک مخلص دوست ممتاز پراچہ صاحب نے بھیرہ شہر سے ممبری کے انتخاب کے لیے درخواست دی۔ وہ اپنی مخالف پراچہ برادری کے مقابلے میں ہر لحاظ سے کمزور تھے۔ اس لیے انتخاب جیتنے کی کوئی توقع نہ تھی۔ بہرحال انتخاب کی تاریخ سے ایک دن پہلے انہوں نے حافظ فضل رحیم مرحوم کو بیربل شریف حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت میں دُعا کے لیے بھیجا۔ حافظ صاحب نے حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا اور دُعا کے لیے عرض کی۔ آپؒ خاموش ہو گئے۔ صبح ناشتہ کے وقت آپؒ باہر تشریف لائے اور باتوں میں فرمانے لگے۔ کہ حافظ صاحب مزہ تو تب ہے کہ ہمارا ممبر بلامقابلہ منتخب ہو جائے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا حضور مقابلہ بڑا سخت ہے۔ حافظ صاحب واپس بھیرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مخالف پارٹی نے کسی وجہ سے انتخاب کا بائیکاٹ

کر دیا ہے اور ممتاز صاحب بلامقابلہ ممبر منتخب ہو گئے ہیں۔

۵۸۔ حاجی شیر محمد صاحب ساکن کھوڑہ ضلع خوشاب کا بیان ہے کہ کھوڑہ میں آخری قیام کے دوران ایک دن بوقت عصر آپؒ نے فرمایا "دیکھو بیلیو! آج یہ جو ہوا چل رہی ہے ایسی ہوا جنت میں ہو گی۔" پھر فرمایا: "ہم نے آج ایک خط للّٰہ شریف والوں کو لکھا ہے کہ آپ بھی تشریف لائیں تو بہتر ہو گا۔ ورنہ پھر قسمت کے میلے ہوں گے۔" اتنی سی بات فرما کر آپؒ خاموش ہو گئے۔ جناب ملک حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم چونکہ بے تکلف تھے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور! اگر کوئی رازداری مانع نہ ہو تو کیا وہ خط ہم بھی سن سکتے ہیں۔ شاید کہ اس میں ہمیں کوئی باطنی فائدہ ہو۔ حضور قبلہ عالمؒ مسکرائے اور فرمایا: "ہاں' ہاں' ضرور تم بھی سن لو۔ پہلے تو خیال نہیں تھا مگر اب تمہارا اصرار ہے تو تم خود ہی پڑھ کر سب کو سنا دو۔" ملک صاحب مرحوم نے خط پڑھا۔ بس خط کیا تھا؟ وہ آپؒ کا دل ہلا دینے والا پیغام وصال تھا۔ جتنے حاضرین مجلس تھے سب کی چیخیں نکل گئیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے مگر آپؒ نے فرمایا: "بھولیو! ایک نہ ایک دن تو ضرور جانا ہے' پھر پریشانی کس بات کی۔ میں نے تو انہیں ایک زندگی کی مثال سے تشبیہ دی ہے اور ملاقات کی آرزو کی ہے۔ اگر آ جائیں تو بہتر ورنہ ہم کھوڑہ میں نہیں ملیں گے پھر چھبیس تاریخ کو بیربل شریف ہی ملیں گے۔" یاد رہے کہ آپؒ کا وصال ۲۶ اگست ۱۹۶۷ء کو ہوا۔

۵۹۔ میاں متعلی ساکن گھوگھانوالی ضلع گجرات کا بیان ہے کہ حضور قبلہ عالمؒ آخری بار کھوڑے تشریف لے گئے تو چند دن گزار کر اس ناچیز کو خط لکھا جس میں تحریر فرمایا: "میاں متعلی تو کوئی بھکھ (صدقہ) نکالو کیونکہ بڑی سخت مصیبت آ رہی ہے۔" میں حضور قبلہ عالمؒ کی تحریر کے مقصد کو سمجھ نہ سکا البتہ دل میں بڑی پریشانی تھی کہ کسی طرح خدمت اقدس میں جلد از جلد پہنچوں۔ قدرت نے ساتھ دیا اور ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ میں حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں کھوڑے جا پہنچا۔ حضور قبلہ عالمؒ کی آخری علالت کے دن تھے۔ قدم بوسی کے بعد خط پیش کیا تو آپؒ نے فرمایا: "برخوردار میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ میں جلدی اٹھا کہ دم کروں لیکن لوگوں نے کہا کہ وہ ختم ہو گیا ہے۔" اچھا ہوا آپ آ گئے۔ اللہ تعالیٰ

نے تقدیر بدل دی۔ پھر آپ" نے اپنی خواب سنائی اور فرمایا لوگ رات کو اپنی نیند میں ہوتے ہیں تو میں رات کو موت کے ساتھ ہوتا ہوں۔ آج کی رات کو میں نے خواب دیکھا کہ بیربل شریف کے قبرستان کی مسجد میں اپنے والد صاحب" اور اپنے دادا صاحب" کے ساتھ بیٹھا ہوں اور ایک قبر تیار ہو رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔" میرے والد صاحب" نے فرمایا "بچیا! یہ تیری قبر ہے تو میں نے قبر میں داخل ہو کر دیکھا بڑی فراخ اور خوبصورت تھی۔ میاں متعلی کہتا ہے کہ حضور قبلہ عالم" کی یہ بات سن کر میری چیخ نکل گئی اور زبان سے یہ شعر نکلا۔

؎ اے اکھیو۔ اج رج رج ویکھو ایہ کرماندا ویلا

رب جانے پھر نال سبب دے کدوں ہووے گا میلا

میرے الفاظ سن کر حضور قبلہ عالم" نے فرمایا: "شاید کبھی میل ہو جائے گا۔" حضور" رات آرام گاہ میں چلے گئے۔ لیکن میں اور غلام رسول ساکن چک وساوا وہیں رہے۔ تقریباً رات گیارہ بجے کے قریب حضرت صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ ایک بتی اور ایک چھڑی لے کر آئے اور کہا کہ حضرت" کا فرمان ہے کہ مسجد میں جاتے وقت دونوں چیزیں ساتھ رکھنا۔ صبح جب مسجد جانے کے لیے اٹھے بتی بھول گئے۔ دروازے سے گزر کر جب گلی میں داخل ہوئے غلام رسول میرے آگے تھا وہ اچھل کر ایک طرف جا پڑا اور مجھے کہا کہ پیچھے ہٹ جاؤ آگے سانپ ہے۔ میں نے دیکھا کہ سانپ میری طرف پچھلی تانے پھنکار رہا ہے۔ بتی اور چھڑی یاد آئی جو فوراً ہٹ کر لے لی۔ لیکن اس کی ہیبت سے ہم چھڑی سے اسے نہ مار سکے۔ البتہ پتھر مار مار کر ہم نے سانپ مار لیا۔ صبح ناشتہ کر رہے تھے کہ حضور قبلہ عالم" تشریف لائے تو خود ہی حضرت صاحب" نے بات پوچھی جو غلام رسول نے ساری بات سنا دی۔ حضور قبلہ عالم" نے پوچھا: "سانپ مار لیا تھا یا بھاگ گیا" عرض کیا مار لیا تھا۔ تو حضور قبلہ عالم" کی زبان مبارک سے نکلا "الحمد للہ بلا ٹل گئی۔"

اس واقعہ کے بعد اسی سال حضور قبلہ عالم" کا وصال ہو گیا۔ تقریباً چار سال حضور قبلہ عالم" کے روضہ مبارک کی تعمیر میں لگے۔ اپنے نئے روضے میں داخل ہونے کے وقت مجھے یاد فرمایا میں پہلے ہی حاضر ہو گیا۔ ساتھ حضور قبلہ عالم" کے بھانجے مولوی محمد حسین چک راداس کو بھی اسی طرح بلوایا گیا۔ جس روز پروگرام منتقلی کا تھا حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب" نے ہمیں جلد

وضو کر کے حاضر ہونے کو کہا۔ حضرت صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ، حضرت صاحبزادہ سعید احمد صاحب''، قاضی محمد رضا صاحب'' نلی والے اور حافظ محمد ابراہیم صاحب'' نلی والے سب لوگ مل کر قبر ادھیڑنے لگے لیکن یہ ہمت کا کام تھا جو ہم دونوں نے سرانجام دیا۔ صندوق مبارک اٹھایا۔ اوپر والے پھٹے اندر کو جھک گئے تھے۔ وہیں نئے پھٹے بنوانے کی تجویز ہوئی تو قاضی صاحب'' نے اوپر والے پھٹے اتار دیئے تو چہرے مبارک کی زیارت ہوئی اور ریش مبارک ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے تازہ مہندی لگی ہے۔ اور وہ نظارہ دیکھا جو بیان سے باہر ہے اور ساتھ ہی حضور قبلہ عالم'' کا وہ فرمان یاد آیا کہ ''شاید کبھی میل ہو جائے گا۔''

بعد از وصال تصرفات

ا۔ مولوی عبدالخالق صاحب ساکن بکھربار کا بیان ہے کہ حضور قبلہ عالم'' کے وصال کے پورے ایک سال بعد اگست ۶۸ء میں میرے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ پیدائش کے چوتھے دن حضرت قبلہ عالم'' میری بیوی کو خواب میں ملے۔ بچہ کے منہ سے کپڑا ہٹایا اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال کر دم فرمایا اور فرمایا کہ ''اس کا نام عمر مرتضیٰ ہو گیا۔'' آپ کی آستین مبارک پر شوربے کا داغ میری بیوی نے دیکھا۔ یہ آستین کا داغ حضور قبلہ عالم'' کی زندگی میں ناچیز کے غریب خانے پر کھانے کے دوران لگا تھا۔

۲۔ سردار بخش شلولی ساکن جھگیاں کا بیان ہے کہ حضور قبلہ عالم'' کی زندگی میں آپ'' کے مہندی والے کھیت کی کٹائی میں ہمیشہ اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر کرتا تھا۔ حضور قبلہ عالم'' کے وصال کے بعد مہندی کاٹنے کا موسم آیا تو ایک آدمی نے مجھ کو بتایا کہ حضرت کی مہندی تو کاٹی جا چکی ہے۔ مجھے اس اطلاع پر بڑا افسوس ہوا کہ پہلے تو یہ خدمت میرے نصیب میں تھی اب اس سے محروم ہو گیا ہوں۔ اگلی رات حضرت صاحب'' خواب میں تشریف لائے اور فرمایا آپ کو بھجنا تو کوٹ تھا لیکن نہیں اب تمہاری صحت ٹھیک ہے تم آ کر ہماری مہندی کاٹ جاؤ۔'' چنانچہ صبح ہم بیربل شریف گئے اور مہندی کی کٹائی کی۔

۳۔ حکیم ظہور احمد مرحوم ساکن بیربل شریف کا بیان ہے کہ حضور قبلہ عالم'' کو وصال پائے

ابھی دو دن ہوئے تھے۔ میری چھوٹی بچیاں ایک ہمسائے کے گھر ان کے بچوں کے ساتھ کھیلنے جاتی تھیں۔ ایک دن اسی ہمسائے کی بچی کے طلائی بٹن گم ہو گئے یا گر گئے۔ شام کو وہ میرے گھر آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر تمہاری بچیاں آتی ہیں اور ہمارے سونے کے بٹن گم ہو گئے ہیں جو انہوں نے ہی اٹھائے ہیں۔ ان سے پوچھ گچھ کرو ورنہ رقم ادا کر دو۔ میں نے بچیوں کو بڑا مارا لیکن ان سے کوئی بات حاصل نہ ہوئی۔ بالآخر میں نے ان سے گزارش کی کہ تم قسم لے لو میں تیار ہوں۔ لیکن وہ اس بات پر اڑ گئے کہ بٹن تمہاری بچیوں نے لیے ہیں اس لیے تم کو رقم دینی پڑے گی۔ مجھے سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ شام کی نماز کے بعد حضور قبلہ عالمؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ فاتحہ کے بعد مراقبہ میں بیٹھا نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھتا ہوں کہ آپؒ قبر سے باہر بیٹھے ہیں اور ایک آدمی آپؒ کے پاؤں دبا رہا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں "کہ بیلیا! پریشان کیوں ہوتا ہے۔ بٹن مل جائیں گے۔" صبح سویرے اٹھا تو اس ہمسایہ نے کہلا بھیجا کہ بٹن مل گئے ہیں۔ حکیم صاحب کو کہیں کہ بچیوں کو کچھ نہ کہیں۔

۴۔ حافظ مقبول احمد صاحب امام مسجد کیلو تحصیل پھالیہ کا بیان ہے کہ میرا لڑکا اعجاز احمد گلہ کی تکلیف سے اتنا بیمار ہو گیا کہ اس کا گلہ بالکل بند ہو گیا اور کھانے پینے سے معذور ہو گیا ڈاکٹروں نے گلہ کا اپریشن کرانے کا مشورہ دیا کہ شاید گلہ میں کینسر ہے۔ ہمارے لیے یہ بڑی پریشانی کا باعث ہوا۔ آخرکار فیصلہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ اگر عزیز کو صحت کاملہ عطا ہوئی تو اس کو بیربل شریف چھوڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور حضور قبلہ عالمؒ کی دعا برکت سے کالج کے ایک چپڑاسی نے دم کیا جس سے بچہ ٹھیک ہو گیا بعد میں بیربل شریف کے درس سے قرآن حفظ کیا اور اب وہ ہائی سکول میں میٹرک کا طالب علم ہے۔

۵۔ حضور قبلہ عالمؒ کے روضہ مبارک کی تعمیر کا کام حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ کی نگرانی میں تقریباً چار سال تک جاری رہا جس میں سب مخلصین نے ہر قسم کی امداد فراہم کی۔ سامان تعمیر کی نقل و حمل کے لیے سردار فیروز خان میکن مرحوم نے اس عرصے کے لیے اپنا ذاتی ٹرک وقف کئے رکھا۔ ریت، اینٹیں، لوہا اور بجری وغیرہ اسی ٹرک کے ذریعے لائے جاتے تھے۔ ریت کے حصول کے لیے تجویز ہوا کہ میکھ کے قریب دریا سے حاصل کی جائے۔ یہ علاقہ خضر حیات

ٹوانہ کی جاگیر میں شامل تھا۔ ریت کے لیے ٹرک بھیجا گیا تو وہ راستے میں خراب ہو گیا اور کئی روز تک وہیں خراب کھڑا رہا۔ مستری بھی بلائے گئے لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ ایک رات حضور قبلہ عالمؒ حیدر شاہ صاحب (خادم لنگر) کو خواب میں ملے اور فرمایا: "ریت ان کو میگھ کے سوا اور کہیں نہیں ملتی؟" اگلی صبح حیدر شاہ صاحب نے منتظمین کو حضرت قبلہ عالمؒ کے فرمان سے آگاہ کیا۔ چنانچہ وہاں سے ریت لانے کا ارادہ ترک کر دیا گیا تو تھوڑی سی کوشش کے بعد ٹرک بھی ٹھیک ہو گیا۔

۶۔ ملک ساجد نعیم اعوان ولد مقبول احمد ساکن کیلو تحصیل پھالیہ کا بیان ہے کہ میں گورنمٹ کالج پھالیہ میں پڑھتا تھا اور ہمارے دو پروفیسر وہابی خیال کے تھے۔ وہ مجھے بزرگوں کے خلاف بھڑکاتے اور نفرت دلاتے تھے۔ میں اچھا خاصا ان کی باتوں سے متاثر ہوا اور میرے خیالات بدل گئے۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ میں نے گھر میں بزرگوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ گھر والے بہت پریشان ہوئے۔ آخر کار گھر والوں نے مجھے مجبور کر کے بیربل شریف بھیجا۔ میں بیربل شریف میں بے دل ہو کر دربار شریف پر پھرتا رہا۔ آخر تھک کر ایک کونے میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سرخ ریش بزرگ دبلے پتلے جسم کے میرے پاس تشریف لائے اور مجھے فرمایا کہ "بیٹا اتنا پریشان کیوں ہے۔" میں نے عرض کا کہ یہ بزرگوں والا سلسلہ اچھا نہیں۔ آپؒ نے فرمایا۔ "جھلیا! جب تک کسی کو پرکھ نہ لیں تو اپنی رائے قائم نہیں کرنی چاہیے۔ پھر میں نے عرض کیا: "اگر یہ بات ہے تو میرا پروفیسر وہابی خیال کا ہے' وہ ٹھیک ہو جائے۔" تو آپؒ نے فرمایا: "اللہ بھلی کرے گا۔" اس کے بعد میں بیدار ہو گیا میں نے پروفیسر زین العابدین صاحب سے حضور قبلہ عالمؒ کا حلیہ مبارک پوچھا تو انھوں نے میرے خواب والے حلیے کی تصدیق کی مجھے خیال ہوا کہ شاید کہ یہ میرا وہم و گمان ہو اور تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا خواب دیکھا ہو۔ جب بیربل شریف سے واپسی پر کالج گیا تو پروفیسر مذکور نے کلاس کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اولیاء اللہ دنیا میں موجود ہیں اور ان کی عزت و احترام کرنا مسلمان پر واجب ہے۔" ایک لڑکے نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ سر معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ پٹڑی سے اتر گئے ہیں اور خلاف معمول یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں۔" تو استاد نے فرمایا: "مجھے خواب میں ایک روشن پیشانی والے سرخ ریش دبلے پتلے بزرگ ملے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ اتنا علم پڑھ کر اگر اولیاء اللہ کی معرفت اور اس کے اسرار و

رموز نہ سمجھے جائیں تو اس علم کا کیا فائدہ" میں خواب سے بیدار ہوا اور پسینہ سے شرابور اور خوف زدہ ہو گیا اور محسوس کیا کہ ایک انجانی طاقت نے میرے خیالات اور نظریات کو یکسر بدل دیا ہے اور اب میں اپنے سابقہ خیالات پر قائم نہیں رہ سکا ہوں اور اولیاء اللہ کی محبت اور احترام میرے دل میں عود کر آئی ہے" چنانچہ پروفیسر مذکور نے اپنی جیب سے مبلغ ۵۰۰۰ ہزار روپے کی تصوف کی کتب خرید کر کالج کی لائبریری میں رکھوا دیں جو آج تک موجود ہیں۔ بعد میں میں نے اپنے پروفیسر کے خواب کا اپنے خواب کے ساتھ موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان کو بھی خواب میں وہی بزرگ ملے ہیں جو مجھے بیربل شریف میں ملے تھے۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ مجھے اور یقین ہو گیا ہے کہ بعد از وصال بھی اولیاء اللہ کا فیض اور تصرف جاری و ساری ہے۔

۷۔ حکیم ظہور احمد مرحوم ساکن بیربل شریف نقل کرتے ہیں کہ آپ" کے وصال کو تقریباً تیرہ سال گذر چکے تھے۔ میں نے سرگودھا میں حکمت کی دکان بنائی۔ ایک دن میں اکیلا دکان کے کمرے میں سویا ہوا تھا کہ بجلی کے بورڈ میں آگ بھڑک اٹھی۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضور قبلہ عالم" اور میرے پیر و مرشد سجادہ نشین بھور شریف والے اندر تشریف لائے اور مجھے سوتا ہوا پا کر حضور قبلہ عالم" (سرکار بیربلوی) نے میرے پیر صاحب کو فرمایا: "دیکھو نا۔ فقیر صاحب! تمہارا مرید سویا ہوا ہے اور بجلی شارٹ ہو رہی ہے۔ اس کو جگا لو۔" چنانچہ میری آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کی بجلی کے بورڈ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ میں نے جلدی سے پانی پھینک کر آگ بجھائی۔ لیکن اندرون خانہ بجلی کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ صبح سویرے مالک مکان نے پوچھا۔ رات کو بجلی کیوں چلی گئی تھی۔ میں نے کہا یہ ولیوں کی کرامت تھی ورنہ میں بھی اور آپ بھی بڑے نقصان میں رہتے۔ اس نے کہا کون سے ولی؟ میں نے سارا واقعہ بیان کیا' وہ حیران رہ گیا۔

۸۔ سردار بخش شلولی ساکن جھگیاں کا بیان ہے کہ میں اکثر بیمار رہتا تھا۔ کھانسی کے ساتھ اندر سے خون آنے لگا تو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ ایک رات حضور قبلہ عالم" خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: "تین راتیں تم ہمارے دربار پر آ جاؤ ٹھیک ہو جاؤ گے۔" چنانچہ میں نے دربار شریف پر حاضر ہو کر تین رات قیام کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ بیماری بالکل ختم ہو گئی۔

۹۔ حکیم عبدالغفور ساکن کوٹ بھائی خان کا بیان ہے کہ میرے لڑکے کی شادی ہوئی اور وہ اپنی بیوی کو لاہور ساتھ لے گیا۔ تقریباً تین ماہ بعد عید آئی۔ عید کرنے کے لیے دونوں میاں بیوی لاہور سے گھر آ رہے تھے۔ عید کے موقع پر بسوں میں سواریوں کی بڑی بھیڑ تھی۔ بھیڑ کی وجہ سے انہوں نے اپنا سوٹ کیس جس میں اس کی بیوی کے زیورات بھی تھے بس کی چھت پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ایک اور سوٹ کیس گجرات کے رہنے والے ایک طالب علم کا بھی تھا۔ راستے میں جس جگہ اس طالب علم نے اترنا تھا وہ اپنے سوٹ کیس کی بجائے غلطی سے میرے لڑکے کا سوٹ کیس لے کر اتر گیا۔ جب میرا لڑکا اور اس کی بیوی سرگودھا پہنچے تو اپنا سوٹ کیس نہ پا کر بہت پریشان ہوئے۔ تمام سواریوں سے پوچھ گچھ کی گئی لیکن سوٹ کیس نہ ملا۔ آخر مجبور ہو کر وہی سوٹ کیس لے کر دھریمہ میں اپنے رشتہ داروں کے پاس چلے گئے۔ جب سوٹ کیس کھولا تو اس میں گجرات کے طالب علم کا پتہ موجود تھا۔ انہوں نے سوچا اگر گجرات جائیں تو عید خراب ہو گی۔ اگر اس کی نیت خراب نہ ہوئی تو بعد میں بھی دے دے گا۔ اسی سوچ میں سو رہے تو خواب میں میرے لڑکے کو حضور قبلہ عالمؒ کی زیارت ہوئی اور آپؒ نے فرمایا: "تم گھبراؤ مت سامان تمہارا مل جائے گا۔" پھر انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سامان مل جائے گا۔ دوسرے دن وہ لڑکا جو سوٹ کیس بدل کر لے گیا تھا جھاوریاں اڈے پر آیا اور مولوی حکیم عبدالغفور ساکن کوٹ بھائی خان کا پتہ پوچھنے لگا۔ اتفاق سے مولوی عبدالغفور صاحب کا دوسرا لڑکا اسے اڈے پر مل گیا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ تمہیں مولوی عبدالغفور صاحب سے کیا کام ہے؟ تو اس نے کہا کہ کچھ سامان کا لین دین کرنا ہے۔ گجرات والے لڑکے کو میرا بیٹا گھر لایا تو اس نے بتایا کہ ایک سرخ ریش بزرگ نے اسے رات بھر سونے نہیں دیا۔ ہم زیورات دیکھ کر بے ایمان ہو گئے تھے لیکن باربار اس نے کہا کہ مال واپس کرو۔ میں نے سوچا کہ خواب خیال ہوتا ہے۔ پھر دوسری مرتبہ' پھر تیسری مرتبہ خواب میں میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ مال ان کو واپس کر دو۔ پھر میں اپنا ایمان اپنی جگہ پر لے آیا۔ تو تب مجھے نیند آئی۔

۱۰۔ ماسٹر اکبر علی ولد حاجی مولا داد ساکن ڈنگی ضلع گوجرانوالہ کا بیان ہے کہ غالباً ۷۲۔۱۹۷۱ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک شخص قتل ہو گیا۔ ہمارے مخالفین نے مقتول کے ورثاء

سے کہہ کر میرے والد صاحب (حاجی مولا داد) کو بھی پرچے میں شامل کرا دیا۔ ہمیں بہت پریشانی ہوئی۔ رات کو حضور قبلہ عالمؒ مجھے خواب میں ملے اور فرمایا: "پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ صرف تین سو روپے خرچ ہوں گے اور معاملہ صاف ہو جائے گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہمارے صرف تین سو روپے خرچ ہوئے اور میرے والد کا نام پرچے سے خارج ہو گیا۔ بعد میں دوسرے افراد بھی عدالت سے بری ہو گئے۔

۱۱۔ قاضی احمد رضا ولد قاضی محمد رضا صاحبؒ ساکن نلی ضلع خوشاب بیان کرتے ہیں کہ میں چھپڑ شریف والے بزرگوں کے پاس جایا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ نیک آدمی ہیں اور ان کے عرس میلاد پر لوگ بہت سارا قرآن مجید' درود شریف اور کلمہ شریف وغیرہ پڑھ کر لاتے ہیں۔ میرا آنا جانا اور میلان طبع بھی ان کی طرف ہو گیا۔ ایک رات حضور قبلہ عالمؒ خواب میں تشریف لائے اور ناراض ہو کر فرمایا: "ادھر ادھر کیوں پھرتا ہے؟" میں جاگ اٹھا اور توبہ کی اور پھر بیربل شریف حاضر ہو کر معافی مانگی۔

۱۲۔ مائی غلام فاطمہ سکنہ پانڈوال ضلع گجرات اور مائی سرداراں بی بی سکنہ کلیکہ تحصیل بھلوال روضہ مبارک پر حاضر ہوئیں۔ پڑھ پڑھا کر اور فاتحہ خوانی کے بعد مائی سرداراں بی بی نے کہا کہ چلو اب گھر (حضورؒ کے در دولت پر) چلیں۔ مائی غلام فاطمہ نے کہا کہ حضرت صاحبؒ نے اجازت تو دی نہیں کیسے گھر چلیں۔ مائی سرداراں بی بی نے کہا کہ حضرت صاحبؒ مزار سے کیسے اجازت دیں گے۔ مائی غلام فاطمہ نے کہا کہ دیں گے تو پھر جانا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحبؒ کے مزار سے بہت خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ اس خوشبو کے آنے کے بعد مائی غلام فاطمہ نے کہا کہ اب اجازت ہو گئی ہے۔ آؤ اب چلیں۔

* * * * * *

باب ۱۴

ملفوظات

اولیاء اللہ کی مجالس اور ان کے لیل و نہار بہت بھلے ہوتے ہیں اور لوگوں کی ان سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی قائم مقام ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس پروانہ وار انداز میں اپنی محبت کا اظہار کرتے تھے ان کے آثار تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح کسی کامل شیخ اور مرکز محبت کے گرد اس کے مخلص مریدوں اور محبت میں جلے ہوئے پروانوں کو دیکھتے ہیں تو تاریخ کا وہی نقشہ نظروں کے سامنے آ جاتا ہے۔ یہ اسی محبت کا تقاضا ہوتا ہے کہ کامل شیخ کے مریدین اس کی ہر ادا سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے کردار اور گفتار سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ ایسے پرتاثیر لمحات اور کلمات کو محفوظ کرنے کا بھی بندوبست کرتے ہیں۔ اولیائے کرام کی باتیں اور ارشادات نہ صرف وقتی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں بلکہ ان کے بعض ملفوظات آنے والی نسلوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہوتے ہیں۔

متقدمین اولیائے کرام کی سوانح اور سیرت کی کتابیں ان کے ملفوظات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جن کے مطالعے سے نہ صرف ہم روحانی حظ اٹھاتے ہیں بلکہ راہ طریقت میں ان سے رہنمائی بھی حاصل کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی ارشادات اور ملفوظات کی ہماری زندگی میں کیا اہمیت و افادیت ہے؟ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں البتہ اسی سلسلے میں چند اہم باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ اولیاء رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے کلام کو دوسرے لوگوں کے کلام سے کیوں نمایاں فوقیت ہے۔

۱۔ تاثیر

جن لوگوں کو اس مقدس گروہ سے تھوڑا بھی تعلق ہے یا رہا ہے وہ تمام لوگ اس امر سے

واقف ہیں کہ جہاں جہاں لمبے وعظ اپنے بے تحاشا طول و عرض کے باوجود کسی کی طبیعت پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ڈال سکتے وہاں اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے کلام کے ایک دو لفظ دل کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کم سے کم گفتگو کرتے ہیں اور ان کی گفتگو خدا عزوجل اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی رضا کے تابع ہوتی ہے اور ان کا اپنا حسن عمل ایسا ہوتا ہے کہ ان پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اس لیے ان کا کلام بے پناہ تاثیر کا حامل ہوتا ہے۔

۲۔ صداقت

اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا کلام صرف اپنی تاثیر کے لحاظ سے دوسروں سے منفرد نہیں ہوتا بلکہ اس کی اپنی صداقت اور حتمیت بھی اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ قرآن حکیم کے آئینے میں اقوام کے عروج و زوال اور افراد کے ماضی و حال کو دیکھتے ہیں۔ وہ خلافت الٰہیہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقائق اشیاء کا علم ودیعت کر کے انہیں روشن ضمیر بنا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے ارشادات حتمی اور صداقت پر مبنی ہوتے ہیں۔

دستور العمل

انسانی کردار اور اطوار کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنے کے لیے جو کام محبت سرانجام دیتی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہر محب اپنے محبوب کی راہ و رسم اپنانے پر فخر کرتا ہے۔ اولیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا کلام اپنی تاثیر اور صداقت کے حوالے سے اپنے مریدوں کے لیے ایک دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ و السلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ تفسیر و حدیث کے بعد صوفیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات بہترین کلام ہیں اور ان کا پڑھنا یا سننا ”صحبت معنوی“ کا حکم رکھتا ہے۔

جن لوگوں نے محسوس کی ہے وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ" کی مجلس میں بیٹھ کر قلب و روح کی صفائی کے ساتھ ساتھ نور الٰہی کا نزول اور دل و دماغ میں حکمت کی باران رحمت کس انداز سے برستی تھی۔ ان کی خاموشی گفتار سے بڑھ کر بیدار کرنے والی تھی۔ ان کی گفتار تاثیر و صداقت کا ایک دریا تھا جو ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا تھا۔ ایسے بھلے اوقات سے متعلق کسے معلوم تھا کہ ایک دن یہ پرکیف لمحات ختم ہو جائیں گے۔ ورنہ ایسے ہر لمحہ کی عکس بندی کر لی جاتی اور کوئی لفظ لکھے بغیر نہ چھوڑا جاتا۔ کسی بھلے وقت سب سے پہلے مولانا محمد معصوم للّہی رحمتہ اللہ علیہ کو خیال آیا اور انھوں نے حضور قبلہ عالم" کی بعض محفلوں سے چنے ہوئے موتی اپنی بیاض میں محفوظ کر لیے۔ ان کے محفوظ کیے ہوئے بعض ملفوظات ماہنامہ سلسبیل کے مختلف شماروں میں شائع ہوتے رہے جن کی کل تعداد ۱۲ کے قریب ہے۔ اسی طرح حضور قبلہ عالم" کی وفات کے بعد حضرت صوفی محمد اقبال صاحب" نے اپنے ایک مضمون میں حضور قبلہ عالم" کی مجلسی ملفوظات کا ایک ذخیرہ جمع کیا جو "عرفانیات" کے عنوان سے "شیخ الطریقت" نمبر میں شائع ہوا۔ اپنی ذاتی ڈائری میں حضور قبلہ عالم کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تصوف کی بعض اصطلاحات کی توضیح و تشریح موجود ہے جو اس وقت اس ناچیز کے پیش نظر ہے۔ اس میں سے بھی چند ایک "جواہر ریزے" کے عنوان کے تحت ماہنامہ سلسبیل کے مختلف شماروں کی زینت بن چکی ہیں لیکن بہت سی باتیں غیر مطبوعہ ہیں۔ حال ہی میں ڈاکٹر عبیدالرحمٰن صاحب نے حضور قبلہ عالم" کی تحریروں سے بعض انتہائی حکمت کی باتیں جمع کر کے "حیات القلوب" کے نام سے شائع کی ہیں۔ لیکن ان میں سقم یہ ہے کہ اکثر کو سمجھنے کے لیے سیاق و سباق کو دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے اس کتاب سے وہی ملفوظات لیے گئے ہیں جن کو سمجھنے کے لیے سیاق و سباق کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس طرح حضور قبلہ عالم" کے ملفوظات اور ارشادات تین قسم کے بن گئے ہیں (۱) مجلسی ارشادات (۲) مصطلحات کی توضیح و تشریح (۳) تحریروں سے اخذ کردہ ملفوظات۔ اس ناچیز نے ان تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر ملفوظ کو ایک جامع عنوان دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایک جیسی بکھری ہوئی عبارات کو متعلقہ عنوان کے تحت جمع کر دیا گیا ہے۔ علم و حکمت اور معرفت کے اس بیش بہا خزانے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ اول "جواہر

ریزے" اور حصہ دوم "ارشادات" پر مشتمل ہے۔

(ا) جواہر ریزے

ا۔ عرفان

صفات الٰہیہ کا موصوف ذات کے ساتھ وابستہ دیکھنا مصالح اور حکم (حکمتیں) الٰہیہ پر کامل یقین (ایمان) ہونا اور چون و چرا سے بالا ہو جانا عرفان ہے۔ خلاصہ' صفات کو ذات کے ساتھ ظہور پذیر دیکھنا اور مصالح پر کامل یقین اور چون و چرا سے نکلنا عرفان ہے۔

۲۔ فقر و فقیری

——— مقادیر الٰہیہ کے ساتھ چلنا اور صاحب تسلیم و رضا ہو جانا فقر ہے۔

——— فقیر وہ ہے جو اپنا عجز کسی کے سامنے نہ کرے' کسی بندے کے پاس نہ روئے اور خدا کے سوا اس کا کوئی رازدان نہ ہو' نہ کسی سے امیدوار ہو۔

——— فقیر وہ نہیں جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی محرم راز ہو۔ فقیر خود اللہ تعالیٰ کا محرم راز ہوتا ہے۔

——— فقر خود کچھ نہیں ہوتا لیکن دنیا کے لیے اکسیر ہے۔ ہر درد کی دواء ہر غم کا علاج۔ پریشانی کا سکون' ہر زخم کا مرہم اور خدائے قدوس کی خدمت میں حاضری کا زینہ' ذریعہ اور وسیلہ' جب فقر کے سلاسل واعتصمو ابحبل اللّٰہ جمیعا کے نمونہ ہوتے ہیں تو پھر یہ فقر تخریب نہیں معاشرہ کی تعمیر ہے۔

——— علم اور چیز ہے اور فقر اور چیز ہے۔ علم ظاہر (شریعت) اور علم باطن (طریقت) کا لباس ہے۔ علم شریعت علم طریقت کے سوا بے جان ہو گا۔ طریقت کے لیے شریعت کا لباس اور جسم ضروری ہے۔

——— کامل فقیر وہ ہے جس کی خودی سے ٹکرا کر بادشاہ کی خودی پاش پاش ہو جائے۔

——— اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے نازک تعلق کا نام فقر و تصوف ہے۔

——— فرمایا فقیر کی صحبت ہی سنوار سکتی ہے اور محبت سے انس بڑھتا ہے اور انس سے نظر پیر محبت سے بھرپور ہو کر اٹھتی ہے اور مرید پر پڑتی ہے جس سے کام بن جاتا ہے۔ فرمایا جب تک خدا بندے کو گھیر نہ لے فقیر نہیں بنتا۔

؎ اندر بھی ہو تے باہر بھی ہو
وت باہو کتھ لبھیندا ہو

——— فقیر وہ ہے جس سے معرفت کے فوارے پھوٹ رہے ہوں اور وہ چمک رہا ہو۔ خود روشن ہو اور دنیا اس کی روشنی سے جلا حاصل کر رہی ہو۔ اصل پیر وہ ہے جو دل منور کر دے اور دل کی آنکھیں کھول دے۔

——— فرمایا فقیر کو دولت سے محبت نہیں ہوتی۔ فقیر خواہ تین دن کا بھوکا ہو لیکن چاہئے کہ اپنی مونچھوں پر کڑوے تیل سے مڑور کر بیٹھا ہو جو بڑے سے بڑا دنیادار اس کے سامنے آئے پاش پاش ہو کر رہ جائے اور فقیر کی خودی بادشاہ کی خودی کو توڑ دے۔

——— فرمایا تصوف کیا ہے؟ دنیا کا تماشا دیکھنا اور بس۔ خود سراسر عبرت ہو جانا۔

۳۔ محبت

جس روح کے اندر محبت نہیں وہ مردہ ہے زندہ نہیں۔ محبت سرچشمہ تمام اخلاق ہے اور اخلاق فاضلہ محبت سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

۴۔ حسن

حسن کی روح محبت ہے۔ اگر حسن محبت سے بھرپور نہیں تو اس کا پرستار بھی کوئی نہیں۔

۵۔ عشق

عشق تن من جلنے کا نام ہے لیکن یہ جلن سراسر لذت ہے۔

۶۔ جذب و مستی

فقر کے اندر جذب و مستی نہیں تو فقر نہیں۔ فقر و تصوف سراسر محبت ہے اگر محبت نہیں تو فقر و تصوف بھی علمی ہے حالی نہیں۔

۷۔ عقیدت

شخصی عقیدت مذہب کی بنیاد ہے لیکن اگر دین کے ساتھ ٹکرا جائے تو حرام ہے۔

۸۔ رعنائی

جس طرح حسن کی رعنائی ناز ہے اسی طرح فقر کی آب و تاب بے نیازی ہے یعنی حسن کی روح ناز اور فقر کی روح بے نیازی۔

"گدا بادشاہ است نامش گدا"

تب صحیح ثابت ہوتا ہے جبکہ گدا بے نیاز ہو اور گدا کرنا بے نیازی ہو جائے۔

۹۔ صوفی

وہ ہے کہ بیک وقت تمام صفات الٰہیہ کو ذات اقدس کے ساتھ ذہناً عقلاً اور قلباً متصف دیکھے ورنہ ہر موحد صفات و ذات کو تسلیم کرتا ہے لیکن عقلاً اور بس۔

۱۰۔ قائد

قائد وہ ہوتا ہے جسے لوگ قائد بنائیں اور جو خود بنے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ قائد کے اوصاف پیدا کر تاکہ تیرے اوصاف تجھے قائد بنالیں۔

۱۱۔ ولی

ولی بھی وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالٰی بنائے اور جو خود دعوئی ولایت کرے وہ ذلیل و خوار ہوتا

ہے۔ ولایت کے اوصاف اور ولایت کی استعداد ولی بناتی ہے۔

۱۲۔ طریقت کیا ہے؟

جس کا تزکیہ صرف ظاہری نہ ہو بلکہ باطنی ہو اور جو ہر چیز کا رشتہ اپنے مشاہدہ سے خدائے ذوالجلال سے جڑا ہوا دیکھے۔ جس کے خیال میں خدائے قدوس کے روشن انوار نظر آئیں۔ صاحب طریقت کی کوئی گھڑی مازاغ البصراہ کے مطابق ادھر ادھر نہ پھرے۔ ایک وہ ہو اور صرف ایک "وہی"۔

۱۳۔ تصوف کیا ہے؟

مذہب کی بنیاد خداشناسی اور خود آگہی پر ہے اور یہی کچھ تصوف ہے اور بس۔ اور تصوف کا یہی مطمح نظر ہے۔

۱۴۔ تصوف اسلام

تصوف ہر تہذیب و تمدن کے اخلاق کا نام ہے۔ یہ تہذیب اخلاق اور قانون حقوق سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر تہذیب و تمدن کے اخلاق کا نام تصوف اور قانون کا نام شریعت۔ مذہب کی اصطلاح میں ہر مذہب کے اخلاق اور قانون حقیقتاً ایک ہوتے ہیں۔ گو صفاتی حیثیت اور وقت حال کے مطابق عوارضات کی وجہ سے الگ الگ نظر آتے ہیں۔ ہر مذہب کے تصوف کی اقدار ایک ہیں اگرچہ ہر مذہب کی صورتیں شخصی تعین کی طرح الگ الگ دکھائی دیتی ہیں۔ ہر مذہب اپنا اخلاق اور اپنا قانون خود پیدا کرتا ہے اگرچہ پہلے مذاہب کے ساتھ برابر رشتہ ہوتا ہے۔ ہر تہذیب کا اپنی ماقبل تہذیب کے ساتھ پورا تعلق ہوتا ہے بلکہ پہلی تہذیب نئی تہذیب پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اسلامی تصوف پر یہ بہتان ہے کہ یہ باہر سے کسی دوسرے مذہب سے چرایا گیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے اسلام عیسائیت کا چربہ ہے یا اگلے مذہب سے پیدا کیا گیا۔

۱۵۔ اظہار عجز

کوئی سالک اس وقت تک مرتبہ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے عجز و انکسار پر قابو نہ پائے۔ یعنی کسی کے سامنے اپنے عجز کا اظہار نہ کرے۔

۱۶۔ فناء

اپنا مرنا دوسروں کی زندگی ہے پانی کا جذب ہونا نباتات کی زندگی ہے۔ نباتات کا ہضم حیوانات کی حیات ہے۔ شہید کی شہادت قوم کی حیات ہے۔ فقر ایک فناء ہے لیکن فانی زندگی کا آب حیات۔

۱۷۔ ثواب اور ذوق فطرتی

ثواب کے لیے پڑھنا الفاظ و معنی تک محدود ہوتا ہے۔ اور ذوق فطرتی سے پڑھنا لامحدود حقائق تک پہنچاتا ہے۔

۱۸۔ حماقت

سادہ سے سادہ عقل بھی یہ خیال نہیں کر سکتی کہ ہم روزی کے لیے بنائے گئے ہیں۔ لیکن آج ترقی یافتہ انسان بھی رزق کو مقصد خیال کر کے زندگی بسر کر رہا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی حماقت ہو سکتی ہے۔

۱۹۔ تصور خدا

جس طرح حکومت کے بغیر انصاف ناممکن ہے اسی طرح تصور خدا کے بغیر اخلاق کی تکمیل ناممکن ہے۔ تصور خدا ہی انصاف اور اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ اور اس کی محبت سے اخلاق بلند' مروت' احسان' شفقت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

۲۰۔ دین

——— دین اتحاد ہے تفرقہ اور انتشار نہیں۔

——— کامل دین وہ ہے جو ہر نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے۔

——— دین طہارت اور پاکیزگی ہے۔ اول باطن پاک کرے اور پھر ظاہر پاک بنائے۔

——— دین ان افکار و اعمال کے مجموعے کا نام ہے جس سے تعلق باللہ پیدا ہوتا ہے اور جزا اور سزائے آخرت کا قائل کرتا ہے۔

——— دین اپنے پیرو کی ہر حرکت کا نگران ہوتا ہے۔ اور اصول و فروغ کا پاسبان ہوتا ہے اور ناہموار کا مواخذہ کرتا ہے۔

۲۱۔ اسلام

——— تمام اچھائیاں اکٹھے کرنے کا نام اسلام ہے اور برائیوں سے بچنے کا نام اسلام ہے جس کا تخم توحید ہے اور ذات کے ساتھ صفات کی تصدیق لازمی ہے۔

——— کافر تو اسلام کو تخریب خیال کرتا ہے۔ حقیقتاً اسلام دنیا کی تعمیر ہے' مذہب تعمیر انسانیت کے لیے ظہور قدرت کا راستہ ہے۔ کامل فقر اسلام ہے اور کامل اسلام فقر۔

——— زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ ایک جدوجہد دنیاوی ہے اور دوسری روحانی۔ دونوں کی وسعت بے پایاں ہے اور دونوں کو اکٹھے کرنے کا نام اسلام ہے۔

۲۲۔ ایمان

——— ہر اس صداقت فطرتی کا نام ہے جو ہر انسان کے دل میں ودیعت فرمائی۔ پھر اگر اس فطری صداقت نے فطرت کاملہ (خدا) کو تسلیم کر لیا تو مسلمان کہلاتی ہے۔ اگر انکار کر دیا تو کافر موسوم ہوتی ہے۔

——— اس فطرتی سچائی (صداقت) کا نام ہے جو ہر انسان کی فطرت کے اندر قدرت نے احساس کے ذریعے قائم کر دی لیکن شریعت کی اصطلاح میں یہ انفرادی صداقت کا جذبہ نوعی

صداقت (رسالت) کو تسلیم کرنا اور اس نوعی صداقت (رسالت) کو رہبر جاننا ہے تو اسلام کہلاتا ہے۔

——— مشاہدات قدرت (ظہور الٰہی) جب تک سالک کی عقل کی گرفت اور وجدان کے اندر سما نہ سکیں ایمان مشاہدی نہیں کہلاتا۔ تکمیل ایمان اس وقت ہوتی ہے جب مشاہدات اور ظہورات الٰہی و کذلك نری ابراهیم ملکوت السموت و الارض (اور ہم نے دکھایا ابراہیمؑ کو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) (فاطر) لنریه من آیاتنا (اسریٰ) دکھائیں ہم نے (حضرت ابراہیمؑ) کو اپنی نشانیوں (تخلیقی شاہکار) میں سے۔ قاب قوسین او ادنی (النجم) قریب ہو گئے (حضرت محمد ﷺ) دو کمانوں سے بھی قریب تر۔ عقل کی گرفت سے جانیں تو ایمان و ایقان کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔

——— ایمان کیا ہے؟ مولائے کریم اور اس کی حکمتوں پر یقین۔ جب یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے اور مولائے کریم پر کسی کا نیک ظن ہو جاتا ہے تو مشکلیں خودبخود دور ہو جاتی ہیں۔ جب کسی اللہ کے بندے نے اللہ پر بھروسہ کیا اور اسے کارساز حقیقی خیال کیا تو پھر اسے کسی دوسرے سہارے اور کارساز مجازی کی ضرورت نہیں رہی اور وہ سامان پیدا ہو گئے جو عقل و فہم اور خیال تک نہ آئے تھے۔

——— جب تک کسی کا ایمان وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے افعال کو بھی) پر مشاہدہ نہ ہو جائے اور تمام اعمال و افعال ذات لاشریک کے ساتھ وابستہ دکھائی نہ دیں ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ لاتَتَحَرَّكَ الذَّرَّةَ اِلا بِاِذْنِ اللّٰهِ (کوئی ذرہ بھی حکم الٰہی کے بغیر حرکت نہیں کرتا) یعنی تمام کائنات کا مبدأ ایک ہے اور ہر فعل اور ہر حرکت اسی کی ہے۔ کیا یہی وحدت مطلقہ نہیں؟

۲۳۔ حقیقت اسلام

رسالت کو توحید کے آئینے میں اور توحید کو رسالت کے جامے میں جب تک کوئی نہ دیکھے اس وقت تک وہ حقیقت اسلام سے بہرہ یاب نہیں ہوتا گو مسلمان ہوتا ہے۔

۲۴۔ حقیقت رسالت

چنبیلی یا گلاب کا پھول چنبیلی اور گلاب کے بوٹے سے نکلتا ہے۔ لیکن پتہ اور شاخوں کو پھول سے کیا نسبت بلکہ پھول کے لیے پودا ہے نہ کہ تنے کے لیے۔ پھول خوشنمائی کی لطافت اور رنگ و بو میں کوئی پتہ کسی چیز میں مقابل نہیں ہو سکتا گو شاخ اور پتوں سے پیدا ہوا ہو۔ انسانی درخت کے پھول' انبیاء و رسل اور ولی ہیں اور اپنی حسب حیثیت دوسری ہستیوں کا کیا مقابلہ' وہ اور چیز ہے اور وہ اور۔

۲۵۔ ظہورات

جس طرح ہماری روح جسم کے ذرہ ذرہ سے چھن کر باہر آتی ہے اور اپنے ظہورات افعالی اور جذبی سے اپنا احساس پیش کرتی رہتی ہے لیکن خود احساس کم ہوتا ہے بعینہٖ ذات اقدس کا نور یا روح قدس کائنات ارضی و سماوی سے چھن چھن کر ظہورات قدرت کے تماشے دکھاتی رہتی ہے لیکن احساس کم رہتا ہے کیونکہ حجابات آفاقی کڑوروں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ جن سے نور مطلق پے در پے پردوں کو عبور کرتا ہمارے سامنے آتا ہے۔ کیا خوب فرمایا:

؎ محو تجلی شود ہمہ عالم
گر نقاب از جمال بکشائی

لیکن یہ نقاب بھی ایک جمال ہے جسے نہ تو وہ اٹھانا پسند کرتا ہے اور نہ کوئی بے حجابی دیکھ سکتا ہے۔ بے حجاب ہونا کائنات کی موت ہے۔ آفتاب کڑوروں میل دور ہونے کے باوجود نہ اس کی تپش برداشت ہوتی ہے اور نہ اس کی طرف دیکھا جا سکتا ہے۔

۲۶۔ لامکان' مکان کے اندر

زمین و آسمان میں ذات رب العزت سما نہیں سکتی لیکن انسان کے دل میں سما سکتی ہے۔ اس صورت میں لامکان' مکان کے اندر محدود نظر آتا ہے۔ حالانکہ ایسے نہیں آنکھ بہت چھوٹی ہوتی

ہے زمین و آسمان یا سورج جو آنکھ سے کڑوروں گنا زیادہ ہیں لیکن دیکھتے نہیں یہ سب آنکھ میں سمایا ہوا ہے۔

۲۷۔ خدائی جلوے

غم اور خوشی کی طرح ذات اقدس دل میں محسوس ہوتی ہے اور اس کے آثار و صفات جسم و جان پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے خوشی و غم کے آثار جسم و جان پر عیاں ہوتے ہیں اسی طرح خدائی جلوے انسانیت پر نظر آتے ہیں۔ کسی شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

۲۸۔ خدائی صورت

ذات اقدس صورت سے پاک ہے اور اس کی کوئی صورت عقلاً گھڑی نہیں جا سکتی۔ لیکن اس جلوہ گری سے بہرصورت' صورت ذات کا تصور کیا جانا فطرت ہے۔

۲۹۔ اظہار حقیقت

ہر حقیقت اپنی حقیقت کا اظہار خود کرتی ہے اور اپنی شاھد آپ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی ذات وحدہ لاشریک کی خود شاہد ہے اور اپنی شہادت حقہ سے اپنی ذات کی شناسائی فرمائی۔

ایسی صورت میں نبی نبوت کا خود شاہد ہوتا ہے اور اپنی حقیقت کی شناسائی خود دیتا ہے۔

یہی حال ہے ولی کی ذات کا وہ اپنی شناسائی خود کراتا ہے اور اپنی ذات کا خود شاہد ہوتا ہے۔ سچی شہادت کو جھٹلانا ناممکن ہوتا ہے اور جھوٹی سچی نہیں ہو سکتی۔ بعینہ یہی حال عام اشیاء کا ہے کہ ہر شے موجود ظاہری یا باطنی اپنی شہادت خود دیتی ہے اور اس کی شہادت پر اس کی ذات و صفات کو پہچانا جاتا ہے۔

خلاصہ:۔ ہر چیز اپنی ذات و صفات کی شناسائی کے لیے خود شاہد ہوتی ہے اور اس شہادت پر دنیا اس کی شاہد ہوتی ہے اور اسے تسلیم کرتی ہے۔

ہر سچے رسول' نبی اور ولی کی صداقت اپنے شواہد اتنے پختہ پیش کرتی ہے کہ سچے بندے کو

تسلیم کے سوا چارہ نہیں ہوتا اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہر حقیقت اپنی حقیقت کی مثبت ہوتی ہے اور کمی و بیشی سے پاک خواہ اسے کوئی بڑھائے یا گھٹائے وہ معیاری طور پر اپنا صحیح معیار ہی دکھائے گی اور دیکھی جائے گی۔

۳۰۔ ذات و صفات

ہر ذات اپنی صفات سے پہچانی جاتی ہے۔ ذات کی حقیقت پوشیدہ ہے اور صفات ظاہرہ۔ عام لوگ جسم کو ذات خیال کرتے ہیں لیکن ایسے نہیں بلکہ صفات میں داخل ہے۔

۳۱۔ وحدۃ الوجود

وحدۃ الوجود کے قائل ذات و صفات کو ایک جاننے کی وجہ سے وحدۃ الوجود کے قائل ہوئے۔ ورنہ ذات و صفات الگ الگ خیال کرنے میں یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ اور واقعی ہے بھی ایسا روح جہاں اگر نظر نہ آئے تو کیا آنکھ کی پتلی کو نور کہہ سکتے ہیں۔

۳۲۔ ذات اقدس

جیسے خود ذات اقدس لطیف ہے ایسے ہی اس کی صفات بھی لطیف ہیں۔ ہر انسان دیکھ اور پہچان سکتا ہے، مثلاً علیم و خبیر کی صفت ہر انسان دیکھ نہیں سکتا اور مان نہیں سکتا ہے لیکن جب صفات تک رسائی نہ ہو تو ذات تو پہلے ہی وراء الوراء ہے۔ ان صفات تک پہنچنا مشاہدہ کہلاتا ہے لیکن صرف الفاظ کے زبان پر آنے سے تیقن شناسائی کیسے ہو سکتا ہے۔ جب تک صفات کا مشاہدہ ایک حقیقت ہو کر سامنے نہ آئے، وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کے بعد کہتے ہیں کہ صفات الٰہیہ کے لیے کامل کوشش کی جائے۔

۳۳۔ قرآن کی پہچان

کسی زمانے میں مفسرین قرآن حکیم کے ذریعے پہچانے جاتے تھے لیکن موجودہ دور میں

شخصیتوں کے ذریعے قرآن حکیم سے شناسائی ہوتی ہے اور ہو رہی ہے۔

۳۴۔ خدائیت کا تصور

خدائیت کی شناسائی سے نبی اور ولی بنتے ہیں لیکن اب ولیوں اور نبیوں سے خدائیت قائم کی جاتی ہے۔

۳۵۔ حرکت میں ذوق ہے، سکون میں نہیں

ہزاروں لاکھوں منزلیں سر کی گئیں لیکن مقصود نگاہ منزل پر پہنچنے کے بعد ذوق و شوق نہ رہا جو منزلیں طے کرنے میں تھا۔ اس لیے سکون بے ذوقی ہے حرکت ذوق۔

۳۶۔ وحدت و کثرت

دین ایک ایسی وسیع وحدت ہے جو بہت بڑی کثرت کو اپنے اندر سمو سکے۔ لیکن جب تک وحدت کثرت (اختلاف) پر غالب رہے تو دین ترقی کرتا ہے مگر جب کثرت (اختلاف) وحدت (اللہ) پر غالب آ جائے تو دین ختم ہو جاتا ہے اور افراد منتشر ہو کر اپنی اپنی ہستی کھو بیٹھتے ہیں یعنی وحدت (توحید) اندر نہیں رہتی۔ وہ اختلاف جو کثرت کی فطرت ہے اور وحدت کا تابع ہوتا ہے سراسر رحمت ہے اور وہ اختلاف جو وحدت کو پارہ پارہ کرے سراسر زحمت ہے۔

۳۷۔ اختلاف کیوں پسندیدہ فطرت الٰہیہ ہے

صرف مسابقت بالخیر کی وجہ سے فرماتے ہیں وَلَوْشَاءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَاآتَاکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں امت واحدہ بنا دیتا لیکن آزمائے تمہیں جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے۔ (۵ : ۴۸) (چاہیئے کہ تم آگے بڑھو نیکیوں کی طرف اور مسابقت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

۳۸۔ موازنہ علم و معرفت

——— علم اپنی حمایت حاصل کرتا ہے لیکن معرفت اپنی حمایت سے لاپرواہ ہر بے سہارا اور بے آسرا کی مدد کے لیے تیار۔

——— علم مقابلہ ہے اور معرفت محبت وہ (علم) ہر آن اپنی انا کے لیے کوشاں اور یہ (معرفت) ہر کہ ومہ کے ماننے کے لیے تیار۔

——— علم ظہور چاہتا ہے اور معرفت نیستی اور عدم کے لیے کوشاں تاکہ "ھوالباطن" کا ظہور ہو۔

——— علم ذہن میں پرورش پاتا ہے اور معرفت قلب میں کھلا کرتی ہے۔

——— علم استدلال سے پر ہوتا ہے اور معرفت مشاہدہ سے۔

——— علم کا ایمان استدلال ہوتا ہے اور معرفت کا ایمان مشاہدہ۔ استدلال بدل سکتا ہے لیکن مشاہدہ بدل نہیں سکتا۔ علم متزلزل ہے اور معرفت میں تنزلزل نہیں یقین اور محکم یقین سے پر۔

۳۹۔ حسن انجام ——— خاتمہ بالخیر

احساس زندگی ہر آن ہر گھڑی زمانے کی طرح بدلتا رہتا ہے اور اس احساس میں گوناگوں احساس آتے جاتے ہیں۔ موت جس احساس پر رہے گی اس کا احساس خاتمہ خیال ہو گا یعنی پاک احساس پر یا بداحساس پر۔ چونکہ زندگی ختم ہے احساس بھی ختم ہے اس لیے احساس پر آخری فیصلہ ہو گا اور یہی آخری ایمان ثمرہ حیات قرار پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دعائے حسن خاتمہ پر توجہ دلائی جاتی ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ (اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہوتا ہے)۔

۴۰۔ اہل اللہ کی صفات

اہل اللہ خلائق کے محبوب ہوتے ہیں۔ ان کی تبلیغ کا طریقہ فطرتی اور قدرتی ہوتا ہے۔ کسی سے الجھتے نہیں بلکہ بیگانوں اور دشمنوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور انہیں اپنا یگانہ بنا لیتے ہیں اور ہر شے سے پاک زندگی بسر کرتے ہیں۔

۴۱۔ دین میں تفرقہ کا سبب

دین اور مذہب کا اتحاد فکری اور عملی ہے جس کے مقابلے میں کوئی اجتماعیت قومی و ملکی یا فکری قائم نہیں رہ سکتی۔ قومیت محدود دائرہ رکھتی ہے۔ مذہب کا دائرہ لامحدود ہے۔ اس وقت جو دین میں تفرقہ پایا جاتا ہے وہ دین کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کی حقیقت کو چھوڑنے اور قومیت و رسمیت کے اختلاف میں پڑ جانے کی وجہ سے واقع ہو رہا ہے۔

۴۲۔ انفرادیت اور اجتماعیت

عام کہا جاتا ہے کہ فقر انفرادیت ہے اور اجتماعیت سے فقر بھاگتا ہے۔ اس لیے یہ اسلام نہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ انفرادیت نے اجتماعیت پیدا کی۔ جب انفرادیت تکمیل کو پہنچی تو اس نے اتنی بلند اجتماعیت پیدا کی۔

۴۳۔ معیت الٰہیہ

طریقت کا سبق حاصل کرنے کے لیے جو درجہ محبت کو حاصل ہے وہ کسی اور چیز کو نہیں۔ باخدا بودن کیا ہے؟ یہ معیت اور مصاحبت الٰہیہ ہے۔

۴۴۔ رشد و ارشاد

رشد و ارشاد کیا ہے؟ یہی خدمت خلق' اس سے بڑھ کر اور کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ خلق خدا کو غلط راستوں سے صحیح راستوں پر قدم زن کر کے اس کو گھپ اندھیرے سے نکال کر نورالٰہی کی طرف پھیر دیا جائے۔

۴۵۔ معرفت الٰہیہ

جب رحمت الٰہی متواتر دل پر وارد ہوتی ہے تو دل بشری ظلمات یعنی خواہش انسانی کے

اندھیروں سے نکل کر تجلیات الٰہی کے انوار میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی طریقت اور معرفت ہے۔

۴۶۔ خیر و شر کا تلازم

دنیا میں جو شر ہے وہ بھی حقیقتاً خیر کو پروان چڑھانے کے لیے ہے۔ فرماتے ہیں خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (۱۱ : ۷) (موت حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں دیکھا جائے کہ کون سا اچھا عمل گزار ہے) اگر شر نہ ہو تو یہ امتحان کیسے؟

۴۷۔ مذہب کا ثمرہ

مذہب سراسر اطمینان ہے کیونکہ اس کا مقصد معین اور اس کے وسائل اور راستے واضح اور روشن، اور مرنے کے بعد ایک درخشاں زندگی کا تصور پیش کرتا ہے۔

۴۸۔ صاحب حال و قال

صاحب حال کی زبان گنگ صرف حال اپنی ترجمانی کر رہا ہوتا ہے۔ آنکھ ہے تو مخمور اور چہرہ ہے تو نور علیٰ نور۔ ایک نظر اٹھی اور سب کفر دور ہوئے۔ لیکن صاحب علم کی زبان سیف ہو رہی ہوتی ہے۔ دل کے اندر پیچھے آتا ہے لیکن زبان پر پہلے آ نکلتا ہے۔ بس استدلال ہے اور قوت بیان۔ اور صاحب فطرت کے سادہ الفاظ فطرت و جذبات انسانی کو اپیل کرنے والے ہوں گے۔

۴۹۔ توحید کا سب سے بڑا مظہر —— نماز

توحید کا سب سے بڑا ظہور نماز میں ہے۔ حضرت رسالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلال مجھے راحت پہنچا) قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) جب طبیعت میں گرانی پیدا ہوتی تھی تو گویا ایک سکون و قرار و آرام نماز تھی اور تمام تھکاوٹوں کو دور کرنے والی تھی اور اس سے طلب بڑھانی مقصود نہ تھی بلکہ آتش طلب بجھانی

مقصود تھی۔

۵۰۔ محبت اور راہ سلوک

محبت بڑا اثر رکھتی ہے اور جیسی محبت ہوتی ہے ایسے ہی ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ سلوک الی اللہ میں کیوں محبت پیر مقدم رکھی ہے اور کیوں مربی کے ساتھ اپنے آپ کو ضروری خیال کیا جاتا ہے؟ صرف اس لیے کہ محبت فیض نظر کے علاوہ انوار قلبی کو مرید پر پھینکتی رہتی ہے۔ ایک طرح سے رفاقت مصاحبت اور خدمت گزاری سے انس پیدا ہوتا ہے اور اس انس کی وجہ سے انوار مربی طالب کے دل کو کھا جاتے ہیں اور دوئی کا شائبہ تک اٹھا دیتے ہیں اور مرید اور پیر میں دوئی کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت وہ حدیث سامنے آتی ہے کہ "جو کچھ میرے سینے میں ڈالا گیا ہے میں نے وہ ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا۔"

۵۱۔ قرآنی توحید

قرآنی توحید ممزوجہ (مرکب) توحید ہے۔ ایک سرا توحید تکوینی میں ہے اور دوسرا سرا تشریعی میں۔ خالق کی طرف سے سراسر تکوینی اور رسالت کی طرف سے سراسر تشریعی ہے۔ فہم قرآن کے لیے ضروری ہے کہ تکوین اور تشریع پر برابر نظر ہو اور ایک مسلمان ایک وقت میں دونوں توحیدوں سے فطرتاً مناسبت رکھتا ہے۔

۵۲۔ تشریعی اور تکوینی توحید کی مثال

قصہ حضرت خضر اور موسیٰ علیہم السلام ہمیں تعلیم دینے کے لیے ہمارے سامنے رکھا گیا ہے کہ ہر صاحب علم کو تشریعی توحید سے ایک قدم توحید تکوینی یا ذاتی کے لیے بڑھانا ضروری ہے۔ اس کے لیے جیسے معلم کتاب کی ضرورت ہے ایسے ہی ایک مربی اور مرشد کی ضرورت ہے۔

۵۳۔ علم اور رشد میں فرق

رشد علم ہی نہیں بلکہ علم سے حاصل شدہ ہدایت کا نام ہے۔ علم ہدایت بھی بخشتا ہے اور ضلالت بھی۔ ابلیس کا علم تمام ملائکہ سے زیادہ تھا۔ لیکن علم نے ہی اس کو استکبار پر ابھارا۔ اور یہ بھی کھلا دھوکہ ہے جو علم کو رشد کے برابر جاننا ہے۔ قرآن حکیم ہدایت سے بھرپور ہے لیکن لازم و ملزوم کے تعلق سے رشد بھی علم سے حاصل ہوتا ہے اور علم کے سوا بھی حاصل ہوتا ہے۔ مرشد کا اتباع ہی دولت عظمیٰ ہے یعنی رشد دلاتا ہے۔

۵۴۔ بیعت کی حقیقت

کامل مرشد کی بیعت کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ ایک طرف بیعت کی اور دوسری طرف اطمینان قلب نصیب ہو گیا۔ طبیعت یکسو ہو گئی اور یاد الٰہی کے اندر دل و جان غرق ہو گئے۔

۵۵۔ ذکر الٰہی

قرآن حکیم میں جتنا زور ذکر الٰہی پر ہے شاید کسی دوسرے عمل پر اتنا نہ ہو گا کیونکہ مسلمان کا راس المال افضل الذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ ذکر کثیر رحمت الٰہی اور اس کی پاک نوری مخلوق کی رحمتوں کا باعث ہوتا ہے۔

۵۶۔ طریقت ایک وہبی نعمت ہے

طریقت ایک وہبی نعمت ہے اور اس کے لیے کوئی مسلمان مکلف نہیں ہے۔ ہاں اس کی روشنی سے متاثر ہونا ضروری ہے تاکہ قلبی ہدایت سے شریعت کے انوار روشن ہوں۔ مشہور مقولہ ہے:

؎ رحمت حق ناگاہ می رسد
ولی بر دل آگاہ می رسد

اللہ تعالیٰ کی رحمت (فیض) اچانک آتی ہیں لیکن خبردار دل پر۔

۵۷۔ شریعت و طریقت

جیسے انسان کا جسم الگ الگ زیر بحث آتے ہیں۔ اسی طرح شریعت و طریقت الگ الگ نظر آتی ہے اور دونوں کے مسائل بھی الگ الگ ہیں اور الگ توضیحات اور الگ الگ استعداد۔ مذہب کی بنیاد حقیقی طریقت پر ہے اور ثمرہ شریعت ہے۔ اس ثمرہ کے لیے تخم طریقت کا ہونا ضروری ہے۔ مذہب کی بنیاد علم و استدلال پر نہیں بلکہ مشاہدات و کیفیات قلبی پر مدار ہے۔

۵۸۔ توحید

میرے دوستو! توحید یہ ہے کہ انسان کے اندرونی جذبات اس جدرجہ بلند ہو جائیں کہ اللہ میاں اس کے اندر آ کر بول اٹھے کہ ہمارے سوا تمہارا کوئی سہارا نہیں۔ گویا خود اس کی اندرونی فطرت آواز دے کہ اس کے سوا اس کا کوئی سہارا، مددگار، ملجا و ماویٰ نہیں۔

۵۹۔ قلب انسانی

قلب وہ روحانی قوت ہے جو اس لوتھڑے دل کے اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہے۔ جو انسانی زندگی کا ایک چپو ہے کہ جس طرف پھر جائے اسی طرف زندگی کا موڑ پھر جاتا ہے۔

۶۰۔ صبر و رضا

طریقت میں پہلی منزل صبر اور دوسری رضا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے "تم سچوں کے ساتھ رہو۔" حکم صریح ہے اس حکم پر جن لوگوں نے عمل کیا وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے۔

۶۱۔ خاموشی اور طمانیت

خاموشی دل کی بصارت ہے اور روشنی کو تیز کرتی ہے اور دل کے اندر جب فیوضیات الٰہیہ

جوش کھانے لگتے ہیں تو وہ دولت جو سالوں میں حاصل نہیں ہوتی وہ گھنٹوں میں میسر ہو جاتی ہے۔ تسلی اور یقین ہی وہ دولت ہے کہ جب آ جائے تو ہر قسم کی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔

(ب) ارشادات

ا۔ جذبہ محبت اور اتباع شریعت

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بعض صوفیائے کرام پر خشیت اللہ یعنی خوف الٰہی غالب ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت سخت ڈرتے رہتے ہیں اور احکام شریعت کی ایسی پابندی کرتے ہیں کہ مستحبات بھی نہیں چھوٹ پاتے کہ کہیں ذات باری تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے اور بعض صوفیائے کرام پر محبت غالب ہوتی ہے وہ اس کی مستی اور جوش میں سب کچھ کر جاتے ہیں لیکن ان کی ہر حرکت پسندیدہ خیال کی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا غلام مرتضیٰ ؒ پر خشیت اللہ بہت غالب رہتی تھی۔ ہمیشہ الگ بیٹھے رہتے اور ہر وقت استغفار پڑھتے تھے۔ مستحبات تک کو کامل احتیاط سے روزمرہ کی زندگی میں پورا کیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت میاں صاحب شرقپوری ؒ میں محبت کا غلبہ تھا۔ ڈانٹ بھی لیتے' آہستہ آہستہ تھپڑ بھی مار لیتے' زجرو توبیخ بھی کرتے اور فہمائش میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ اس محبت ذاتی کے غلبہ کا یہ اثر ہوا کہ بہت زیادہ مخلوق نے آپ ؒ سے فیض حاصل کیا۔ مگر حضرت اعلیٰ بیربلوی ؒ باوجود اعلیٰ کمالات کے مالک و متصرف ہونے کے اتنی مخلوق آپ ؒ سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔ کمال ولایت مجددی کا کیا کہنا کہ حضرت مجدد ؒ میں خشیت اللہ بھی کامل درجہ کی تھی اور محبت کی بھی انتہا نہیں تھی۔ کسی ایک کو دوسرے پر غالب نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے سنت نبوی ﷺ پر کامل عمل کرتے اور لوگوں سے عمل کراتے۔ سنن نبوی ﷺ پر پورا پورا عمل تھا اور محبت میں وہ کمال کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر کوئی علاقہ نہیں رہا جہاں آپ ؒ کا فیض نہ پہنچا ہو۔ کابل' قندھار' مصر' عرب شریف' عراق' بنگال' پنجاب اور ہندوستان غرض سب جگہ سے لوگ کھچے چلے آتے تھے اور فیوض سے مالا مال ہو کر گھروں کو جاتے۔

حضرت اجمیری رحمتہ اللہ علیہ میں محبت کا وہ عالم کہ جو سامنے آیا گرا' چاہے وہ کسی مذہب و ملت کا ہو۔ لیکن ساتھ طبلہ اور سرنگی بھی بج رہی ہے اور نماز بھی پڑھی جا رہی ہے۔

۲۔ ناز و نیاز

حضور" پرنور نے فرمایا: حضرت سید مہر علی شاہ صاحب مرحوم و مغفور میں ناز بھی تھا اور نیاز بھی تھا۔ ناز کے معنی اپنا تعارف یعنی یہ کوشش کہ مجھے ہر ایک پہچان لے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں)۔

نیاز کے معنی عبادت الٰہی میں کمال حاصل کرنا۔ عبودیت میں ایسا اپنے آپ کو مصروف رکھنا کہ ایک لمحے بھی اس سے فارغ نہ ہونا۔ اس لیے آپ" میں بے پروائی درجہ کمال کی تھی۔ اور ساتھ ساتھ خوداری کا مادہ بھی تھا جس کی جھلک ان کے مریدوں میں بھی ہے۔ مگر سید حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری" میں نیاز ہی نیاز تھا اور یہی رنگ ان کے مریدوں میں بھی ہے۔

حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ میں نیاز اس درجہ کمال کو پہنچ گیا تھا کہ وہ خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "کہیں آخر عمر میں دیوانہ نہ ہو جاؤں۔" اتنا جذبہ محبت تھا مگر ناز کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

۳۔ رحم، عجز، تواضع و تقویٰ

حضور ﷺ نے فرمایا: تصوف کا تقویٰ اور ہے اور شریعت کا تقویٰ اور ہے۔ تصوف کا تقویٰ خدا پاک کی مخلوق سے رحم کھانا اور عجز و تواضع کا لباس پہن کر اپنے آپ کو تمام مخلوق سے کم تر اور ذلیل خیال کرنا اور تکبر اور عجب سے نفرت اور اپنے کسی حال پر فخر نہ کرنا اور ستر احوال بہت ضروری ہے۔ اگر ان اوصاف میں کچھ کمی ہو جائے تو سالک کے لیے بڑا خطرہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس کا وبال اس پر ایسا پڑے کہ وہ سب کچھ کھو بیٹھے۔ بلکہ اس کو ایسی صریح برائی میں مبتلا کرتے ہیں کہ وہ بڑی ذلت میں زندگی بسر کرتا ہے۔

شریعت کا تقویٰ حرام، ناجائز امور سے پرہیز بلکہ مشتبہ سے بھی بچنا، ضروری حدود شریعت کی کامل نگہداشت۔ حضور میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں تصوف کا تقویٰ کمال درجہ پر تھا۔ مگر حضرت اعلیٰ مولانا غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ میں شریعت کا تقویٰ بے حد تھا۔

۴۔ معافی اور درگزر

حضور پرنور رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: فقراء معافی اور درگزر کو اپنا شیوہ بناتے ہیں کیونکہ باری تعالیٰ عزاسمہ ستار العیوب ہیں۔ وہ اپنی گناہ گار مخلوق پر اسی صفت کا ہی مظاہرہ فرماتے ہیں۔ لوگ قتل وغیرہ قبیح فعل کر کے آتے ہیں ہم ان کو تسلی دیتے ہیں کہ خدا پاک سے معافی مانگو اور توبہ کرو۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرما دیں گے۔

۵۔ ذکر کثیر اور مشاہدہ ربی

س۔ حضرت صاحبزادہ مطلوب الرسول سجادہ نشین للّٰہ شریف نے سوال کیا کہ ذکر کثیر کیا ہوتا ہے؟

ج۔ حضور نے فرمایا کہ ذکر اتنا کرے جس پر ثمرات مرتب ہوں۔

س۔ ثمرات کیا ہیں؟

ج۔ شرح صدر ہو جائے۔

س۔ شرح صدر کیا ہوتا ہے؟

ج۔ شہود ربی ہو جائے۔

صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا: شہود ربی تو کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام بھی ایک تجلی سے بے ہوش ہو گئے۔

آپ نے فرمایا شہود ربی کے یہ معنی ہیں کہ مصنوعات قدرت اور عجائبات مخلوقات میں غور و فکر کر کے خالق کی مخلوقات کا تیقن اور مشاہدہ کرے۔ اس سے جذبات محبت کو تسکین ہوتی ہے۔ گویا سالک مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

۶۔ ذکر کثیر اور عشق الٰہی

حضور اقدس نے فرمایا کہ کثرت ذکر بہت ضروری ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل خود بخود ذکر میں مصروف رہنے لگتا ہے۔ مگر یہی کچھ کافی نہیں بلکہ کثرت ذکر سے جب دل میں محبت کی لہریں اٹھنے لگیں اور ان سے سرشار ہو کر انسان کو ایسی لگن پیدا ہو جائے جسے عشق الٰہی کہتے ہیں

اور ایک لمحہ کے لیے بھی ماسوا اللہ کا خیال نہ آئے۔ یہی حالت قابل اطمینان ہوتی ہے۔

۷۔ دنیا کی رغبت

آپ نے فرمایا: کسی بزرگ کا ذکر فکر میں بلند ہو کر مدہم اور ست ہو جانا اور اکثر ایسا ہوا کرتا ہے' اس کی بڑی وجہ دنیا کی رغبت اور اس کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

ع ذکر دنیا نفس مردہ کو ہوا آب بقا
مر کے یہ سیماب پھر زندہ دوبارہ ہو گیا

۸۔ اپنا رہبر

حضور اقدس نے فرمایا، کہ سالک اپنے اندر اپنا رہبر پیدا کرے یعنی خدائے پاک سے ہدایت کے قیام اور کجی سے بچنے کے لیے ہمیشہ التجا کرتا رہے۔ اس لیے فرمایا: رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا (۳ : ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد ٹیڑھا نہ کر۔)

۹۔ عبادت الٰہی میں تنوع

حضور پرنور نے فرمایا: کہ فرشتوں کا ہی کام ہے کہ ہمیشہ عبادت میں لگے رہتے ہیں اور اکتاتے نہیں۔ انسان ایسا نہیں کر سکتا بلکہ وہ اکتا جاتا ہے۔ اس لیے اشغال دنیا بھی اچھے ہیں تاکہ ان سے فارغ ہو کر خوب شوق و محبت سے عبادت میں مصروف ہو جائے۔ اس لیے عبادت الٰہی میں تنوع اختیار کیا گیا ہے اور مختلف اوقات' مختلف اذکار و عبادات کے لیے مقرر کی گئی ہیں تاکہ انسان فکر و عبادت میں وافر حظ حاصل کر سکے۔ مثلاً نماز میں کبھی قیام کی حالت میں عبودیت کا اظہار کرتا ہے تو کبھی رکوع' سجود' قومہ' جلسہ اور تشہد میں التجائیں پیش کرتا ہے۔ یہ سب حالتیں تنوع پیدا کر کے اور طبیعت کے شوق کو بڑھانے اور استقامت و دوام فی العبادات حاصل کرنے کے لیے ہیں۔

۱۰۔ وسعت قدرت اور اختیار الٰہی

حضور اقدس نے فرمایا: مَاخَلْقُکُمْ وَلاَ بَعْثُکُمْ اِلاَّ کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ۔ (۳۱ : ۲۸) اس کے دو مطلب ہیں یہ کہ دنیا کی تمام مخلوق کو پیدا کرنا کوئی عجوبہ نہیں۔ یہ تو میرے (اللہ) کے نزدیک ایسا ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا اور مار کر پھر نئے سرے سے اٹھانا۔ دوسرا مطلب تمام انسانوں کو پیدا کرنا یا موت کے بعد پھر دوبارہ زندہ کرنا گویا یہ عجوبہ ہے۔ ایک ہی چیز ہے الگ الگ کام نہیں۔

۱۱۔ استعداد باطنی اور فضل ربی

کسی نے سوال کیا کہ حضور! زہد و تقویٰ وہبی چیز ہے یا کسبی۔ حضور نے فرمایا: یہ اصل میں وہبی چیز ہے مگر استعداد قدرت کو بھی بڑا دخل ہے اور کسب سے یہ چیز بڑھتی ہے اور کمال کو پہنچتی ہے۔ جیسا کہ دروازہ ہر قسم کی لکڑی سے بن سکتا ہے مگر جس نفاست سے شیشم اور دیار کی لکڑی سے بنتا ہے ون کی لکڑی سے نہیں بنتا کیوں کہ اس میں وہ قدرتی صفائی نہیں اگرچہ کاریگر کتنا ہی زور لگائے۔

۱۲۔ صحبت مرشد

ایک دوست نے عرض کی کہ حضرت! ہم جو آئے دن بیربل شریف حاضر ہوتے ہیں تو بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تم باربار جا کر وہاں کیا لیتے ہو۔ تو ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا جواب دیں۔ فرمایا: واہ آپ ان سے پوچھیں کہ آپ جو مرغی کے نیچے انڈے رکھتے ہیں تو کیا آپ کو کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا بن رہا ہے۔ مرغی کو کچھ پتہ چلتا ہے کہ کیا بن رہا ہے۔ وہ انڈوں کو گرمی پہنچاتی ہے۔ جب گرمی بڑھ جاتی ہے تو آٹھ پہر کے بعد ان انڈوں کو الٹ پھیر کر کے تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہو جاتی ہے کہ گرمی کی شدت ذرا کم ہو جائے۔ اسی طرح وہ انڈوں کو گرمی سردی پہنچاتی رہتی ہے حتیٰ کہ انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں اور پھر ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے کہ کیا بنا ہے۔ اسی طرح مرشد بھی سالک کے قلب پر محبت کی سینک (گرمی) دیتا رہتا ہے اور جب محبت کی گرمی تیز ہو جاتی ہے تو اسے ذرا دھیما (ٹھنڈا) کر دیتا ہے اور جب

چاہتا ہے تو پھر محبت کے چھینٹے دے دیتا ہے۔ اس طرح سالک کے قلب کو ایسے اعتدال پر لے آتا ہے کہ اس طرح تجلیات الٰہیہ اور انوار ربانی کے قبول اور برداشت کرنے کا مادہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر مرشد اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے براہ راست سپرد کر دیتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی ذات خود مربی ہوتی ہے اور سالک اس ذات اقدس سے کسب فیض کرتا رہتا ہے اور جب فضل الٰہی سے منور ہو کر اور اس کی قبولیت کی خلعت پہن کر دنیا کے سامنے شیخ عبدالقادرؒ' خواجہ معین الدین چشتیؒ' بہاء الدین نقشبندیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بن کر آتا ہے تو دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے کہ کیا بن گیا ہے اور مرشد کی محبت اور معیت کیا کچھ دکھاتی ہے۔

۱۳۔ گناہ

فرمایا: گناہ تو اگلے وقتوں میں بھی ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان وقتوں میں انسان گناہ کے پیچھے دوڑتے تھے۔ اب گناہ اندر بند کمروں میں بھی آکر چمٹ جاتے ہیں۔ ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ فرمایا: اس دور میں گناہ و ثواب کی تمیز کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ گناہ کیا ہے اور ثواب کیا ہے اور اس سے کیسے بچا جائے۔

۱۴۔ احساس گناہ —— ندامت

ایک دفعہ ایک دوست نے بیربل شریف سے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی تو فرمایا: بہت اچھے رہے' اللہ تبارک و تعالیٰ برکت دے۔ بس یہ خیال رکھنا کہ غفلت پیدا نہ ہو۔ غفلت یہ نہیں کہ گناہ نہ ہو۔ انسان عاجز ہے اور دانستہ یا نادانستہ طور پر گناہ تو ہو ہی جاتا ہے۔ غفلت یہ ہے کہ اس کا احساس نہ ہو کہ گناہ ہوا ہے یا نہیں۔ گویا دل کے اندر دھرم کانٹا لگ جائے۔ اگر رتی اِدھر اور رتی اُدھر ہو تو سالک کے شعور میں ہو کہ پیچھے گر رہا ہوں یا آگے بڑھ رہا ہوں۔

۱۵۔ سالک کا چہرہ' جسم اور لباس

فرمایا: سالک کو گاہے گاہے شیشہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ میرا چہرہ کیسے جا رہا ہے۔ چہرہ دل کا آئینہ

ہوتا ہے۔ دل کی جو کیفیت ہو چہرے پر صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ فرمایا: کبھی کبھی اپنے ناخنوں اور جسم پر بھی نگاہ ڈال لینی چاہئے۔ جب جسم منور ہو جاتا ہے اور ذکر کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں تو تمام جسم منور ہو جاتا ہے اور نور پھوٹ پھوٹ کر نکلتا نظر آتا ہے۔

فرمایا: جب سالک ذکر کثیر کرتا ہے اور کثرت ذکر و نوافل سے نور پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے تو پہلے سالک کا تمام جسم منور ہو جاتا ہے اور پھر نور اس کے لباس سے چھن چھن کر نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر تمام گھر روشن ہو جاتا ہے اور پھر تمام قریہ پرنور ہو جاتا ہے اور پھر تمام علاقہ نور سے بھر جاتا ہے اور پھر تمام ملک انوار سے بھر جاتا ہے۔ جس قدر بزرگی کے مراتب بڑھتے جاتے ہیں اس کا نور احاطہ کرتا جاتا ہے۔ انہی مراتب پر ولی' ابدال' اوتار' قیوم' قطب' قطب الاقطاب' غوث اور غوث الثقلین کہلاتے ہیں۔

۱۶۔ لارہبانیت فی الاسلام کی توضیح

ایک مجلس میں ایک نو تعلیم یافتہ شخص نے سوال کیا کہ آپ جو سالکوں کو اندھیری کوٹھڑیوں (خلوت گاہوں) میں اللہ اللہ کراتے ہیں۔ کیا یہ رہبانیت فی الاسلام نہیں۔ آپ نے برجستہ فرمایا: آپ ایک انسان کا فوٹو اندھیرے میں لیتے ہیں تو ہم اللہ کا عکس اندھیرے میں نہ لیں۔ جب فوٹو پختہ ہو جاتا ہے یعنی nagative سے positive میں آ جاتا ہے گویا نفی سے اثبات میں آ جاتا ہے تو آپ باہر لے آتے ہیں۔ اسی طرح جب سالک پختہ ہو جاتا ہے تو معین الدین چشتیؒ اور داتا گنج بخشؒ بن کر سامنے آتا ہے اور پھر وہ کچھ کر دکھاتا ہے جو بڑے بڑے فلاسفر' عالم و فاضل اور عقلاء اور فضلاء صدیوں میں نہیں کر پاتے اور ایک نگاہ سے ہزاروں کی تقدیریں پلٹ دیتے ہیں اور زندگیاں بدل دیتے ہیں۔

۱۷۔ موجودہ زمانے کی حالت

اکثر فرماتے کہ پرانے زمانے کے بزرگ ایسے تھے کہ اگر ان کے متوسلین ان کی تعریف معقدار ایک روپیہ کرتے تو دیکھنے والا ان کو سوا روپیہ پاتا۔ اس دور کا یہ حال ہے کہ مریدین اپنے

پیر کا ذکر بڑھا چڑھا کر سوا روپیہ کرتے ہیں اور جب کوئی طالب حق شوق ملاقات سے لبریز سینہ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے تو اسے چار آنے نہیں پاتا۔

۱۸۔ سکون قلبی اور ذکر کثیر

فرمایا: سکون قلب بڑی دولت ہے لیکن یہ نعمت بادشاہ کو اپنی وسیع سلطنت کے باوجود میسر نہیں اور ایک فقیر کو جھونپڑی میں نصیب ہے۔ یہ لازوال دولت اس کی یاد سے حاصل ہوتی ہے واذکرو اللہ ذکرا کثیرا۔

ے یاد او سرمایہ ایماں بود
ہر گدا از یاد او سلطان بود

۱۹۔ قلب جاری ہونا

فرمایا: اکثر طالبین کو شوق ہوتا ہے کہ بزرگ کے پاس جاتے ہی قلب جاری ہو جائے اور ان کے نزدیک بزرگ وہی ہے جو جاتے ہی قلب جاری کر دے۔ لوگ قلب کا جاری ہونا پہلی منزل سمجھتے ہیں اور میں تو آخری منزل سمجھتا ہوں۔

پھر فرمایا یہ کیا ہے؟ کہ قلب دو دن دھک دھک کر کے بند ہو جائے۔ لطف یہ ہے کہ قلب جاری ہو تو پھر ساری زندگی بند نہ ہو۔

پھر ارشاد فرمایا: قلب کا جاری ہونا یہ نہیں کہ دل زور زور سے پھڑکنا شروع ہو جائے۔ قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ جب انسان گناہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ فرمائے ہوں' ہوں۔ یعنی استحضار باری تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھنا) یوں محسوس ہو اور اللہ تعالیٰ یوں نظر آئے کہ گناہ ہو ہی نہ سکے اور یہی احسان کی تعریف احادیث مقدسہ میں آئی ہے۔

۲۰۔ ذکر کثیر

فرمایا: سالک جب تک ذکر کثیر نہ کرے قدم نہیں اٹھتا اور منزلیں طے نہیں ہوتی۔ جب بھی

اس کٹھن منزل کو عبور کرے گا ذکر ہی سے کرے گا۔

متوسلین سے فرماتے: اتنا ذکر کرو کہ "گوڈیاں کر کے اوپر چڑھ جاؤ۔" اتنا ذکر کرو کہ سر گھوں گھوں کرنے لگے جیسے طغیانی کا پانی اوپر نیچے سے بہہ جاتا ہے اور ہر خطہ زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اسی طرح ذکر جسم کے ہر رگ و ریشے کو منور کر دے اور بال بال سے ذکر جاری و ساری ہو جائے حتیٰ کہ "بن پڑھیا پیا پڑھیوے ہو۔"

فرمایا: جب پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسب ارشاد ذکر شروع کیا تو "مونڈھے لہہ جاندے آہن" یعنی تھک جاتے تھے۔

۲۱۔ سالک کی اہمیت اور مرشد کا کام

فرمایا: جو بھی پار چڑھا ہے اپنی ہمت سے چڑھا ہے کوئی کسی کے سہارے پار نہیں ہوتا۔ مرشد کا کام راستہ دکھانا ہے۔ چلنا سالک کا اپنا کام ہے۔ ہاں جب چلتے چلتے دوراہے یا چوراہے پر آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور حیرت گھیر لیتی ہے کہ اب کدھر جاؤں تو مرشد اس کو شانوں سے پکڑ کر کہتا ہے کہ اس راہ چلو۔

۲۲۔ کامل پیر اور کامل مرید

فرمایا: کامل پیر وہ ہے جو مرید کو تھکنے نہ دے اور کامل مرید وہ ہے جو عمر بھر نہ تھکے اور اکثر پڑھتے

؎ عمر گزر گئی پندھ کریندیاں آجے یار دا ڈیرہ پرے تھیں پرے
تھک نہ بیٹھ نہ ہار فریدا بھاویں یار قبول کرے یا نہ کرے

کبھی کبھی پڑھتے

ع چلتے چلتے پاؤں تھکے بھیک دوارے دور

۲۳۔ حیرت بڑی دولت ہے

فرمایا: حیرت بڑی دولت ہے یہ بڑے نصیب والے کو نصیب ہوتی ہے۔ اکثر یہ اشعار پڑھتے

سہ زیرکی بفروش حیرانی بخر
زیرکی ظن است حیرانی خبر
زیرکی بفروش و حیرانی بخر
گوش خر بفروش دیگر گوش خر

۲۴۔ بیعت لینا

فرمایا: اگر کوئی عام آدمی مجھے بیعت کے لیے کہے تو میں جلدی بیعت کر لیتا ہوں۔ کیونکہ پھر وہ سمجھتا ہے کہ میں کلے پر بندے گیا ہوں اور ادھر ادھر نہیں جاتا اور اس کے عقیدے کا خطرہ نہیں رہتا۔ نہ شیعت کا ڈر' نہ مرزائیت کا خطرہ۔ اہل علم کو کہتا ہوں کچھ دیکھ دکھالو اگر مناسبت ہو گئی تو پھر دیکھا جائے گا۔ کیونکہ علم شک پیدا کرتا ہے۔

۲۵۔ بچپن اور مذہبی عقائد

فرمایا کرتے: جو عقیدہ بچپن میں تھا وہ علم حاصل کرنے کے بعد نہیں رہا۔ سبحان اللّٰہ کیسا وقت تھا۔ بچپن میں جب نماز پڑھ کر نہ سوتے تو رات کو اٹھ اٹھ کر چارپائی کے نیچے دیکھتے کہ کہیں دوزخ کی آگ قریب تو نہیں آ گئی کیونکہ سنا ہوا تھا کہ دوزخ کی آگ ایک گز کے فاصلے پر آ جاتی ہے۔ اب سوچتے ہیں یہ تو تمثیل تھی اب خوف نہ رہا۔

فرمایا: جب کوئی مرتا اور قبر میں دفن کر کے لوٹتے تو صاف نظر آ رہا ہوتا تھا کہ اب منکر نکیر آ گئے ہیں۔ اب گرز اٹھائے کھڑے کہہ رہے ہیں تیرا کون رب ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا رسول کون ہے؟ اور آج کل دنیا خواہ مادی ہو یا دینی یہ تصورات مٹتے جا رہے ہیں اور بقیہ جو ہیں وہ بھی مٹتے نظر آ رہے ہیں۔ اب کسے خیال کہ قبر میں داخل ہونے سے پہلے ہی تین سو ساٹھ سوال ہو جاتے ہیں۔

ایک پرانے عالم سناتے تھے کہ معلوم ہے وہ سوال کیا ہوں گے۔ پھر خود ہی فرمایا: کہ انسان کے بدن کے جوڑ تین سو ساٹھ ہیں اور ہر ایک پرزے کا سوال ہو گا۔ اس لیے بھئی اپنے کل پرزوں کی حفاظت رکھا کرو۔ سبحان اللہ کتنے پاکیزہ خیالات اور کتنے اچھے حالات تھے۔

فرمایا: بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں کہ دو فرشتے (کراماً کاتبین) ہر انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ ایک دائیں کندھے پر اور ایک بائیں کندھے پر۔ دائیں والا نیکیاں اور بائیں والا بدیاں لکھتا رہتا ہے اور جب کوئی نیک یا بد کلمہ بولتا ہے لکھا جاتا ہے اور جو کوئی فعل کرتا ہے درج ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ کتنے پختہ عقیدے تھے۔ (صوفی اقبال صاحبؒ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھ دیا۔)

؎ دو کراماً کاتبین ہر بندے دے نال
لکھن نیکیاں بدیاں ہر گھڑی ہر حال

شعر سن کر بہت خوش ہوئے۔ دو چار بار پڑھوایا اور خود دہرایا۔

۲۶۔ اپنی فکر کرنی چاہئے

فرمایا: یہی کچھ مسلمانی ہے اور یہی کچھ مسلمان کے عقیدے ہیں جن پر عمل کا دارومدار ہے۔ ہر ایک کو اپنی فکر کرنی چاہئے۔ ہمیں تو جب اپنی پڑتی ہے پرائی بھول جاتی ہے اور اکثر یہ شعر پڑھتے۔

؎ بلندی پہ ہم گئے تو پستی نظر پڑی
جب مٹ گئے ہم تو ہستی نظر پڑی

صوفی اقبال نے عرض کیا۔ ایک فارسی کا شعر بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ فرمایا سناؤ۔

؎ خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا
یکدم منافقانہ نشیں درکمین خویش

نہایت محظوظ ہوئے اور باربار سرہلاتے رہے۔ فرمایا کچھ اور سناؤ۔

؎ نہ پڑی جب تک گناہوں پہ اپنے نظر
نظر آتے تھے اوروں کے عیب و ہنر

سہ پڑی جب سے گناہوں پہ اپنے نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

۲۷۔ نماز اور تصور ذات

فرمایا: ہماری نمازیں کیا ہیں؟ جب امام نیت باندھ کر اللہ اکبر کہتا ہے اور ہم بھی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ جب امام سلام پھیرتا ہے تو پتہ چلتا ہے نماز ختم ہو گئی ہے۔ درمیان میں کچھ پتہ نہیں رہتا کہ کہاں پھرتے رہے اور کیا کرتے رہے۔

فرمایا علماء کہتے ہیں کہ نماز میں معنوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ مجھے تو یہ پسند نہیں۔ ہاں خود بخود معنی یا مفہوم ذہن میں آتا رہے اور لاشعوری طور پر تو وہ اور چیز ہے۔ لیکن بہ تکلف معنی دہرانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ایک جاہل جو یہ خیال رکھتا ہے کہ خدا کے سامنے کھڑے ہیں اور ڈر ڈر کر کہہ رہا ہے چار رکعت چار' رکعت نماز فرض' فرض' اللہ تعالیٰ دے۔ پیچھے اس امام صاحب دے کہ منہ طرف قبلہ شریف کے اللہ اکبر۔ اور سادگی سے باربار تکرار کر رہا ہو جیسے کسی بڑے دربار میں حاضری ہے۔ یہ سب سے بڑھ کر ہے۔ کہاں ذات کا تصور اور خوف اور کہاں معنوں کے پیچھے پھرنا۔

۲۸۔ میں ''انا'' کی فنا

فرمایا: دین کیا ہے؟ فرمایا: میں (انا) مرجائے اور ''میں'' کو محبت ہی مار سکتی ہے اور بس

سہ شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

۲۹۔ محبت اور استقامت

فرمایا: محبت موت تک چلتی ہے۔ محبت کے دام میں لاکھوں میں سے کوئی ایک پھنستا ہے' یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ خدا کے قریب تو وہ جلدی جاتا ہے جو مشکل سے مشکل راستہ کو پکڑ لے اور پیچھے نہ ہٹے۔

۳۰۔ غصہ

غصہ بہت بری چیز ہے۔ سالک کے لیے تو زہر قاتل ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے چینی کا برتن فرش پر جا پڑے۔ سالک کا سکون ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

۳۱۔ تصوف اور سلوک کا مقصد

فرمایا: میں اس طریقت کا دلدارہ نہیں جو ظلمت و ضلالت ہے بلکہ اس طریقت پر چلنے والا ہوں جو سراسر ہدایت ہے اور تابع کتاب و سنت ہے۔ تسکین دولت ہے لیکن کیسی تسکین؟ نبوت کی تسکین اور ولایت کی تسکین۔ کیا یہ دونوں ایک نہیں؟ یا الگ الگ ہیں؟ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ ظاہر و باطن کی صفائی یکساں چلانے کا نام اسلام ہے اور اسلام یہی تصوف اور سلوک پیدا کرنا چاہتا ہے۔

۳۲۔ طبائع انسانی کی فطرت

فرمایا: طبائع انسانی بہت عجیب ہیں۔ محبت میں لاکھوں پر دھیان نہیں دیتیں لیکن جب اڑ جاتی ہیں تو ایک روپیہ پر۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ اپنی اپنی طبائع کا جب مطالعہ کیا جائے تو یہ سربستہ راز سامنے آتا ہے۔

۳۳۔ شریعت و طریقت

فرمایا: بہت سے لوگ صحیح جذبہ لے کر طریقت کے راستے پر چلتے ہیں لیکن اس جان جہاں

کے آداب ملحوظ نہیں رکھتے اور بھٹک جاتے ہیں اور وہ کبھی منزل مقصود کو نہیں پاتے۔ سب سے پہلا الجھاؤ یہ ہوتا ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا اتصال جسم و جان کا اتصال ہے۔ اور شریعت محمدی کے جسم پاک میں ہی طریقت محمدی کی روح پاک رہ سکتی ہے اور بس۔

۳۴۔ کم ظرف سالک اور کوتاہ نظر مربی

فرمایا: بعض سالکین کی طبیعت میں معرفت الٰہی کا شوق پیدا ہوتا ہے اور تلاش مولا میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ظرف کی کمی یا طبیعت کی تیزی یا کم نظر مربی (مرشد) ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے اور شریعت و طریقت کو متقابل اور ضدین سمجھتے ہوئے شریعت کی تذلیل کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں اور حرام و حلال کی تمیز اٹھا دیتے ہیں اور ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں جن کا بیان بھی ننگ طریقت ہے۔

؎ گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

۳۵۔ مذہب اور طریقت

فرمایا: مذہب اور طریقت کوئی الگ الگ دو چیزیں یا حقیقتیں نہیں بلکہ ایک ہی بنیاد "خدا شناسی" ہے۔ فرمایا: جسے عام الفاظ میں معرفت کا نام دیا جاتا ہے۔ بلکہ مذہب کی جان طریقت (یعنی شناسائی ذات) ہے اور بس۔ لیکن بانی مذہب کی شناسائی کامل اور اکمل ہوتی ہے اور اس کا مزاج کلی ہوتا ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے۔ بخلاف صاحب طریقت کے کہ اس کی شناسائی جزوی ہوتی ہے اور یہ وقتی اور خاص حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ اصل معیار مذہب ہے نہ کہ طریقت۔ بلکہ طریقت وہی ہے جو مذہبی حدود کے اندر پھلے پھولے۔ اگر مذہبی حدود سے باہر نکل جائے تو وہ اپنی راہ اعتدال اور موزونیت کھو بیٹھتی ہے۔ اس لیے ہر وہ طریقت جو جادہ اعتدال سے نکل جائے معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا اور وہ طریقت جو معیار اسلام پر برابر

نہ بیٹھے وہ مردود قرار پائے گی۔

۳۶۔ حدود شریعت

فرمایا: باطنی راہ آزاد ہے لیکن ظاہری راہ شریعت کے اندر محدود۔ اگر ایک ذرہ بھی ادھرادھر نکلے تو خاکستر ہے۔ وہ اپنا نقصان نہیں بلکہ دنیائے اسلام کا نقصان ہے۔ جو درگزر کے قابل نہیں اور جس کی تلافی کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔

۳۷۔ زندگی اور محبت کا تلازم

فرمایا: زندگی کا سہارا محبت اور صرف محبت ہے اور اس کے سوا زندگی زندگی نہیں رہتی بلکہ موت ہے گو جسم چلتا پھرتا اور ہلتا جلتا نظر آتا ہے۔ جس طرح غذا کے بغیر زندگی قائم نہیں رہتی اسی طرح محبت کے بغیر روحی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ محبت کی ابتدا انس سے ہوتی ہے اور وسطی کڑی عشق ہے' اور آخری کڑی محبت ہے۔ انس اور عشق میں عاشق اور معشوق میں غیریت خیال اور دوئی ہے لیکن محبت میں محب اور محبوب میں یکسوئی خیالات ہو جاتی ہے۔ عاشق رازدان معشوق نہیں لیکن محب رازدار الفت محبوب ہوتا ہے۔

محبت کا تخم عام ہے۔ لیکن بے جان کی محبت میں وہ لطف نہیں جو جاندار کی محبت میں ہے۔ اور پھر جاندار کی محبت میں وہ سوز و گداز نہیں جو انسان کی محبت میں ہے۔ لیکن جب اس محبت کا مطمح نظر کائنات عالم کی جان پر جا گرتا ہے تو محبت وہ رازہائے الفت پیدا کرتی ہے اور وہ اسرار کھلتے ہیں جو دنیا و مافیہا کو گھیر لیتے ہیں اور سوزوساز کے وہ شعلے اٹھتے ہیں جو مرنے کے بعد بھی سدابہار رہتے ہیں۔

سہ عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را باحی و باقیوم دار

اور یہ شعلے کائنات انسانی کی ہدایت اور روشنی ہوتے ہیں جن پر دنیا کی نجات ہوتی ہے اور ابدی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

سہ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

۳۸۔ رسالت ——— سرچشمہ ہدایت

فرمایا: رسالت کے سوا وہ خود (خدا) ہے ہی کیا۔ تھا تو تھا کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ یہ دنیائے نیست و بود رسالت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ رسالت آئی دنیا کو روشنی ہو گئی کہ ہے اور سب کچھ "وہی" ہے۔

رسالت ہی ذریعہ رشد و ہدایت ہے۔ لباس نبوت میں جب نور الٰہی کی چمک پیدا ہوتی ہے تو آنکھوں اور دلوں یں ٹھنڈک آ جاتی ہے۔

سکون قلب کا نام "اطمینان قلب" قرآن نے تعبیر فرمایا اور یہ دولت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب نبوت کے معارف اعمال کا برقعہ اوڑھ کر دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

۴۰۔ معرفت الٰہیہ اور ذکر کثیر

فرمایا: شریعت بے شک پہلا قدم معرفت الٰہیہ کا ہے۔ لیکن صرف شریعت کے احکام ظاہریہ اس نور مطلق تک نہیں پہنچاتے جب تک احکام سے بڑھ کر دل کی توجہ اس ذات اقدس کی طرف نہ بڑھے۔ اور یہ دولت حاصل ہوتی ہے "ذکر کثیر" سے جسے آج کی دنیا ایک عبث فعل جانتی ہے۔

۴۱ عرش مجید کی سیر

فرمایا: ہر نیکی کی طلب اور کوشش اور برائی سے بچنے کی فکر اور سعی ہی عرش مجید کی سیر ہے اور یہی حضرت ایزدی جل جلالہ کی معیت۔

۴۲۔ کلمہ شکر

فرمایا: گذشتہ حالات کو موجودہ حالت نفسی سے جب موازنہ کرتا ہوں تو کفر و اسلام کا فرق نظر آتا ہے اور بعض اوقات جب موجودہ مفاسد و بے دینی و بے یقینی اور الحاد کی طرف خیال جاتا ہے تو کلمہ شکر نکلتا ہے کہ یہ جو کچھ نماز روزہ نصیب ہے یہ بھی اس کے خاص فضل سے ہے اور بس۔

۴۳۔ آداب طریقت

فرمایا: پیر کے پاس رہنا بہت مشکل ہے یہ درویش جو آتے ہیں چند دن بعد ہمارے ماحول سے واقف ہو جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ کچھ نہیں یونہی چرچا ہے۔ یہ لوگ (پیر حضرات) بھی ہماری طرح رہتے ہیں اور ہماری طرح معاملات اور خاندانی جھگڑے ہیں۔ لہٰذا عام لوگوں میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ فرمایا: یہ بات تو ہر جگہ ہوتی ہے' گھربار لین دین وغیرہ اور اس کے بغیر گزارہ کیسے؟

فرمایا: پیر کے پاس وہ رہ سکتا ہے جس کو اپنے پیر کے ساتھ محبت ہو۔ علاوہ ازیں ایک منٹ بھی رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

فرمایا: وہ آدمی خوار ہوا جس نے اپنے پیر کو اپنے برابر سمجھا اور وہ بھی خوار ہوا جس نے پیر کو اپنے حق سے بڑھا دیا۔

فرمایا: مرید کا کام ہے کہ لنگر کو کم سے کم تکلیف دے۔ اور لنگر کا کام ہے کہ حتی الوسع مرید کو آرام دے۔

فرمایا: مرید تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ اللہ کرتے ہیں اور وہی شیخ کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔ ایک وہ قسم جو لنگر کی مالی لحاظ سے خدمت کرتے ہیں اور ایک وہ جو جسمانی طور پر لنگر کی خدمت کرتے ہیں۔ جو ان تین میں شامل نہیں ہیں وہ کسی کھاتے میں شمار نہیں ہوتے۔

فرمایا: بزرگ بننا تو کوئی مشکل کام نہیں' انسان بننا بڑا مشکل ہے۔

* * * * * *

باب ۱۵

شخصیات ـــــــ خلفاء و خدام

حضور قبلہ عالمؒ دینی و دنیوی لحاظ سے ایک کامل شخصیت کے مالک تھے۔ آپؒ جہاں طریقت کے شہباز تھے وہاں دنیاوی معاملات پر بھی ایک مدبر اور مفکر کی حیثیت سے گہری نظر رکھتے تھے۔ علاقے کی مقامی سیاست ہو' شرعی امور ہوں یا معاشرتی مسائل زندگی کے ہر شعبے میں آپؒ کا عمل دخل تھا۔ اس لحاظ سے آپؒ جس منصب پر فائز تھے۔ اس کی صحیح قیادت وہی کر سکتا تھا جو صحیح معنوں میں اس کا اہل ہو۔ آپؒ کے متوسلین میں ہر طبقہ زندگی کے لوگ شامل تھے جن پر آپؒ کی نظر رحم و شفقت عام تھی۔ ہر شخص آپؒ کا گرویدہ اور جانثار تھا اور بزعم خویش یہی سمجھتا تھا کہ جتنی نظر عنایت حضور قبلہ عالمؒ کی مجھ پر ہے شاید ہی کسی اور پر ہو۔ لیکن یہ آپؒ کی "محبت عامہ" اور ظاہری جمال کا پرتو تھا جس سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی تھی۔ باطنی طور پر آپؒ کا معیار مطلوب بہت بلند تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ تصنع اور ریاکاری سے آپؒ کو طبعی نفرت تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے خلافت کی دکان نہیں چمکائی اور نہ کسی امر میں نمود و نمائش سے کام لیا۔ ایسے حالات میں اپنے متوسلین کی جو روحانی تربیت فرمائی اس میں اس لحاظ سے کوئی کمی نہیں تھی کہ جو بھی دراقدس پہ آیا اپنی استعداد کے مطابق روحانی فیض حاصل کیا۔ لیکن جہاں تک رشد و ہدایت کے اس عالی منصب یعنی خلافت کا تعلق ہے تو اس ضمن میں حضور قبلہ عالمؒ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ لاہور والوں کو خلافت کا منصب عطا فرمایا۔ حضور قبلہ عالمؒ کے بعض دوسرے احباب بھی آپؒ کی تربیت سے زہد و تقویٰ' بزرگی اور استقامت دین میں درجہ بدرجہ اعلیٰ مقام پر فائز تھے لیکن رسمی طور پر خلافت کا منصب قبلہ حاجی صاحبؒ کو ملا تھا۔ ذیل کے باب میں ہم انہیں بزرگوں کا مختصر تعارف پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جن کا ذکر حضور قبلہ عالمؒ نے اپنے وصیت نامہ میں بھی اپنے مخلص احباب کے طور پر کیا ہے۔

۱۔ حضرت مولانا حاجی فضل احمد صاحبؒ

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضور قبلہ عالمؒ کی زندگی میں آستانہ عالیہ بیربل شریف کی کوئی محفل، کوئی عرس کی تقریب حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ کی شرکت کے بغیر نامکمل تھی اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ حضور قبلہ عالمؒ کی سوانح حیات بھی حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گی۔

بچپن اور تعلیم

حضرت مولانا حاجی فضل احمد صاحب غالباً ۱۹۰۶ء میں قصبہ نورپور تھل ضلع خوشاب کے ایک علمی اور دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد ماجد کا نام میاں ملوک علی تھا۔ بچپن ہی سے آپؒ کی شخصیت میں ورع، تقویٰ اور دین داری کے آثار نمایاں تھے۔ چھ سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا اور بچپن ہی سے پختہ نمازی بن گئے۔ طبیعت تصوف کے لیے موزوں اور استعداد بلند تھی۔ ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل کی اور قرآن مجید حکیم نامدار صاحبؒ سے اور میاں جی حافظ میاں محمدؒ سے پڑھا۔ ابتدائی درسی تعلیم کے بعد کچھ عرصہ نورپور تھل ہی میں مدرس رہے لیکن بلند استعداد نے وہاں ٹکنے نہ دیا تو کبیروالا ضلع ملتان چلے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ کسب و طلب کے بعد لاہور تشریف لائے اور لاہور میں اچھرہ کے مشہور مدرسہ فتحیہ میں رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات اعزازی حیثیت سے پاس کیے۔ یہاں آپؒ کو اس عہد کے مشہور اساتذہ حضرت مولانا پروفیسر کریم بخش صاحبؒ اور مولانا ابو محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مفتی عبداللہ ٹونکی صاحبؒ سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ بعد میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے او، ٹی کی سند حاصل کی اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے تعلیمی اداروں میں استاد السنہ شرقیہ مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ میں تعینات رہے۔ بعد ازاں وطن اسلامیہ ہائی سکول برانڈرتھ روڈ میں تبدیل ہو گئے اور وہیں سے ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ لاہور کے ان تعلیمی اداروں میں آپؒ سے

استفادہ کرنے والوں میں شہر کے نامور علماء' سیاستدان اور دانشور شامل ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے مسند وعظ و ارشاد کو بھی زینت بخشی اور جامع مسجد نوری بیرون موری گیٹ میں خطبہ جمعہ دینے لگے۔ یہ سلسلہ بغیر کسی معاوضے کے تقریباً ۳۷ سال تک جاری رہا اور اس وقت ختم ہوا جب آپ" نے موہنی روڈ پر اپنی رہائش گاہ سے ملحقہ اپنے پیرو مرشد کے نام پر مسجد عمر تعمیر کروائی اور وہاں خطبہ جمعہ شروع کیا۔ آپ" کے مواعظ حسنہ میں بڑی تاثیر تھی۔ لوگ دور دراز سے خاص طور پر جمعہ کے دن حاضر ہوتے تھے۔ جن میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ممتاز ترین افراد بھی ہوتے تھے۔

ا۔ حضرت پیر سوہاگ" سے تعلق

آثار سعادت اور انوار ولایت بچپن ہی سے آپ" کے وجود میں جلوہ گر تھے اور عموماً اپنے وطن مالوف میں بھی مسجد ہی میں رہا کرتے تھے۔ اس حال میں پیر سوہاگ حضرت خواجہ غلام حسن صاحب" نورپور تھل تشریف لائے۔ آپ بھی ان کے وعظ سے متاثر ہوئے۔ طبیعت پہلے ہی فطری طور پر محبت والی تھی۔ جب حضرت پیر سوہاگ" نے وعظ کے بعد عید گاہ والی مسجد میں بیعت کا سلسلہ شروع کیا تو آپ" بھی ان سے بیعت ہو گئے اور اس وقت بیعت ہونے والوں میں کم عمر آپ" ہی تھے۔ حضرت پیر سوہاگ" کی توجہ سے کم عمری میں طریقت کی بہت سی منازل طے کر لیں۔ حضرت پیر سوہاگ" کا اس زمانے میں پورے علاقہ تھل میں طوطی بولتا تھا۔ کفر و الحاد کے مقابلے میں آپ" کے مواعظ حسنہ اور کرامات برہنہ تلوار کی مانند تھیں۔ آپ" کے وجود مسعود سے اس علاقے کے کئی ہندو اور سکھ گھرانے قبول اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے اور دین اسلام کے داعی بن گئے۔ حضرت پیر صاحب" کی کرامات کے واقعات ابھی تک علاقہ تھل میں مشہور ہیں۔ اسی دوران حضرت قبلہ حاجی صاحب" نے ۱۹۳۷ء میں پہلا حج کیا۔ حضرت پیر سہاگ نے ملتان اسٹیشن پر آپ" کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب" پر خصوصی نظر التفات تھی اور یہ تعلق روز بروز بڑھ رہا تھا کہ اچانک حضرت پیر سوہاگ" کا انتقال ہو گیا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو اس پر آپ" نے طبیعت کی سیری کے لیے بدل کی تلاش شروع کر دی۔

۲۔ دو اور بزرگوں سے ملاقات

طبیعت سلیم اور استعداد بلند ہو تو اپنی کمی خوب محسوس ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ ان ہر دو صفات سے متصف تھے۔ چنانچہ پیر سوہاگؒ کے وصال کے بعد آپؒ کسی کامل مرشد کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اسی اثناء میں کسی ذریعے سے آپؒ کی ملاقات نقشبندی سلسلے کے ایک بزرگ حضرت حاجی احمد گل صاحبؒ سے ہوئی جو پہاڑ پور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے پہلی ہی ملاقات میں آپؒ کو ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کی اجازت فرما دی۔ لیکن یہ بات کسی رسمی بیعت کے بغیر ہوئی تھی اس لیے تلاش کامل کے سلسلے میں یہ کامیابی کوئی رکاوٹ نہ بنی۔ حضرت حاجی احمد گل صاحبؒ کے والد کی وفات پر آپ پہاڑ پور فاتحہ خوانی کے لیے تشریف بھی لے گئے لیکن کچھ مدت بعد طبیعت میں ابھار نہ رہا۔ حال اور جذبہ کے ہوتے ہوئے طبیعت کا رک جانا مسلسل تلاش مرشد کامل کا ذریعہ بنا۔

اسی طرح جب آپؒ کا قیام تاج پورہ لاہور میں تھا تو وہاں ضلع ہوشیارپور کے ایک شخص شادی خان کے گھر ان کے پیر صاحب تشریف لائے جن کا نام سائیں ہیرے شاہ صاحبؒ تھا۔ چشتی سلسلے کے بلند نسبت بزرگ تھے اور حضرت محمد خان صاحبؒ بسی شریف والوں کے خلفاء میں سے تھے۔ بہت بڑے مجاہد تھے۔ دینہ نگر کے رہنے والے تھے۔ وہاں تھوڑی سی زمین تھی' صوفیانہ ڈیرہ تھا اور فقر کے سارے نقش و نگار موجود تھے۔ ان کے مرید شادی خان کا مکان چھوٹا تھا۔ لٰہذا انہوں نے حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کے کرائے کے بڑے مکان میں رہنا پسند فرمایا۔ وہ چالیس دن وہاں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کو بھی ان سے الفت ہو گئی۔ ایک سحری کے وقت ان بزرگوں نے حضرت قبلہ حاجی صاحب سے فرمایا "تمہیں سلسلے میں شامل نہ کرلیں" تو حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ نے معذرت کے انداز میں فرمایا کہ آپ مجھے سلسلے ہی میں سمجھیں۔" اس لیے کہ آپؒ کی نسبت قسام ازل نے بیربل شریف میں رکھی ہوئی تھی اور یہ مستقل قوت انہیں ادھر ادھر جانے نہ دیتی تھی۔

۳۔ حضرت بیربلوی" کی خدمت میں

حضور قبلہ عالم" کی خدمت میں حضرت قبلہ حاجی صاحب" اپنی پہلی حاضری کی رویداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تلاش شیخ کے لیے مجھے والہانہ جذبہ عطا ہوا تھا۔ ہر سفر و قیام میں بھی تلاش جاری رہتی تھی۔ روحانی نسبت' خاندانی نسبت کی طرح اپنا پوشیدہ کام کرتی رہتی ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں جب کبھی بیربل شریف کا نام سنتا تھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ لاہور کے قیام میں کسی طرح شیخ محمد امین صاحب اور شیخ محمد شریف سے میرا قریب کا تعلق ہوا۔ یہ دونوں بھائی حضرت میاں صاحب شرقپوری" کے معتقدین میں سے تھے اور حضرت میاں صاحب" کے خلفاء میں حضرت بیربلوی" کا نام اکثر ان کی گفتگو میں آتا تھا۔ اس وقت محمد عمر نامی ایک فارسی کے پروفیسر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں بھی تعینات تھے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ شرقپور شریف میں حاضری حضرت اعلیٰ شرقپوری" کے عرس مبارک پر ہوئی۔ میں نے پروفیسر کے نام کے تعارف سے حضرت صاحب" کو ملنا چاہا لیکن وہ پروفیسر کے نام کا ایک مغالطہ تھا۔ روضہ مبارک کے شمال مشرق میں سفید چادر میں لپٹی ہوئی ایک انتہائی خوبصورت تصویر مراقب تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ" ہیں صاحبزادہ محمد عمر صاحب۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد مجھے دست بوس ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ دست بوسی محبت کی تاثیروں سے لبریز تھی۔ مجھ سے دریافت کیا گیا' وطن؟ موجودہ شغل؟ میں نے سارا جواب دیا اور میں نے یہ بھی کہا کہ میں شیرانوالہ گیٹ ہائی سکول میں مدرس ہوں۔ وطن سرگودھا کا سن کر فرمایا "پھر تو اپنا ہوا" الحق' وہ الفاظ ایک کرامت بھری پیشین گوئی تھی۔ مجھے اپنا کہا' اپنا بنایا اور ایسا بنایا کہ میں بھی متعجب ہوں اور دیکھنے والے بھی متعجب ہوتے ہیں۔

؎ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

پھر تو محبت تیز تر ہوتی گئی۔ حضور" کا دیکھنا میرا علاج اور میرا سکون تھا۔ تھوڑے وقت میں کئی دفعہ بیربل شریف حاضری ہوئی اور مجنوں نے لیلیٰ کو دیکھ لیا۔ عشق کی آگ روزبروز بھڑکتی گئی۔ ایک چھٹی سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ سکول میں سکول کا لباس رکھ کر شام کی گاڑی ماڑی

انڈس پر چلا جاتا تھا۔ رات ڈھائی بجے تقریباً شاہ پور صدر اترتا۔ پھر وہاں سے نو میل کا پیدل سفر کر کے پہنچتا اور عموماً تہجد کی نماز مسجد حضرت اعلیٰ" میں پڑھتا تھا اور اذان کے بعد حضرت" کی حویلی میں چلا جاتا اور دروازے پر انتظار کرتا۔ حضور" جب باہر نکلتے تو قدم بوسی کرتا۔ بڑی شفقت سے فرماتے "آ گئے ہو' آئے ہو۔" صبح ناشتے کے بعد حضور" اپنے معمول کے مطابق چہل قدمی کے لیے باہر تشریف لے جاتے۔ عموماً میں ساتھ ہوتا۔ توجہات اور نوازشات کا یہ عالم تھا کہ مولانا فخرالدین صاحب" حضور" کے چچازاد بھائی (جو خود بھی سلسلہ چشتیہ میں صاحب اجازت تھے) کا ایک ملفوظ ہے: "لوگ پیر خانے میں فیض حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں اور جب مولوی صاحب لاہور والے آتے ہیں تو ہمیں فیض پہنچتا ہے۔" [1] "مقصد اعلیٰ ہو تو راستے میں شیطان بھی بڑے بڑے حیلے بھیجتا ہے۔ روکنے کے لیے اور وسوسوں کے علاوہ مادی قسم کی رکاوٹیں پیش کرتا ہے۔ میرا عام تجربہ ہے کہ جب کبھی بیربل شریف کی تیاری ہوئی تو چھٹی کا ملنا ایک مسئلہ بن جاتا۔ پھر ایک درویش کو سفر خرچ بھی مشکلات پیدا کرتا ہے اور بال بچوں کی طرف سے مسافر کو اطمینان بھی ضروری ہے۔ کوئی نہ کوئی مشکل اس سفر سے پہلے مانع بن جاتی لیکن اللہ جل شانہ نے عزم میں پختگی پیدا کی تھی۔ میں ہر قسم کی مشکلات میں سفر شروع کر دیتا تو ابھی راستے میں ہوتا اگر بال بچے بیمار ہیں تو ان کی تندرستی کی خبر ملتی اور رخصت وغیرہ بھی سفر میں مانع نہ ہوتی۔"

"بعض لوگ مجھ سے دریافت کرتے کہ آپ نے کونسی کرامت حضور" میں دیکھی جس پر فدائیت کا یہ حال ہے۔ یہ سوال جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے دن بھی ہوتا اور بیربل شریف میں جب میں ہوتا تو جمعہ پڑھانا میرے فرائض میں شامل ہوتا۔ ایک جمعہ کو میں نے کہا کہ حضرت "قبلہ" کا سارا وجود مجھے کرامت نظر آتا ہے اور حقیقت میں صحیح محبت ہو تو وہ خود کرامت بن جاتی ہے۔ اسے کسی کرامت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" [2]

۱۔ سلسبیل نومبر ۹۵ء ص۔ ۱۲' ۱۳

۲۔ سلسبیل نومبر ۹۵ء ص۔ ۱۷' ۱۸

۴۔ محبت شیخ

سلوک کی راہ میں اپنے شیخ سے محبت ایک لازمی شرط ہے۔ اس کا حقیقی مفہوم تو یہ ہے کہ جب مرید صادق اپنے پیر کامل کی محبت سے سرشار ہو کر اس کی اطاعت کرتا ہے تو اس کی شخصیت، صورت و سیرت شیخ میں ڈھل جاتی ہے۔ مرشد کی محبت کا نور اس کے چہرہ بشرہ پر عیاں ہونے لگتا ہے۔ اسی کو طریقت کی اصطلاح میں فنافی الشیخ کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر عبدالصمد صارم لکھتے ہیں:

"بات سے بات یاد آتی ہے۔ کتابوں میں پڑھتا تھا فنافی الشیخ، مگر اس کا صحیح مفہوم تب ہی لوح دماغ پر مرتسم ہوا جب حاجی فضل احمد صاحب" کو حضرت صاحب" کی خدمت میں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ لیلیٰ مجنوں ہیں یا ایک جان اور دو قالب۔ وہ ایسی محبت سے حضرت صاحب" کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں تھامے رہتے تھے اور ہائے ہائے کرتے رہتے تھے جیسے کوئی عاشق زار بڑی تمناؤں کے بعد اپنے معشوق سے بڑی مدت کے بعد ملا ہو۔ وہ سراپا نیاز نظر آتے اور انہیں دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔" [1]

پیر و مرشد کے درمیان محبت کے حوالے سے جو مشاہدات ہم نے کئے ان کے لیے لفظ "محبت" کا استعمال سخت ناانصافی ہے۔ میرے خیال میں محبت تو کسی قدر ہر مرید کو اپنے پیر سے ہوتی ہے لیکن حضرت قبلہ حاجی صاحب" کا جو تعلق اپنے پیر و مرشد سے تھا اس کو بیان کرنے کے لیے "والہانہ عشق" کا لفظ زیادہ موزوں ہو گا۔ جب تک حضور قبلہ عالم" حیات رہے تو حضرت قبلہ حاجی صاحب" کی حاضری کے لیے کوئی تاریخ وقت اور دن مقرر نہیں تھا۔ ابتدائی زمانے میں جب ذرائع مواصلات بہت کم تھے۔ بیربل شریف جیسے دوردراز اور دشوار گزار مقام پر پہنچنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہ بذات خود ایک مجاہدہ تھا۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب" کو جب بھی موقع ملتا حاضر خدمت ہوتے اور بعض اوقات گھر والوں کو بھی اطلاع نہ ہوتی۔ سفر و حضر، گرمی سردی، صحت و بیماری اور تنگی ترشی غرضیکہ کوئی چیز اس راہ عشق میں حائل نہ ہو سکی۔ حضور

۱۔ سلسبیل شیخ الطریقت نمبر ص۔ ۲۴، ۲۵

قبلہ عالمؒ کی مجلس میں بیٹھتے تو آپؒ کے چہرہ انور میں نظریں جمائے سرد آہیں بھرتے رہتے اور دیدار یار کا کوئی لمحہ ضائع نہ کرتے۔ حضور قبلہ عالمؒ کی ہر ادا اور ہر حکم پر نثار ہوتے دکھائی دیتے اور بعض اوقات حضورؒ کے سامنے اس قدر عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتے کہ دیکھنے والے شرمندہ رہ جاتے کہ کاش ہم بھی ایسا کر پاتے۔

حضور قبلہ عالمؒ کا وصال سب متوسلین کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ تھا لیکن حضرت قبلہ صاحبؒ کے لیے بالخصوص وصل سے یک دم فراق والا حادثہ تھا۔ آپؒ نے چالیسویں کے عرس تک اپنی تمام مصروفیات کو منقطع کر کے بیربل شریف میں قیام فرمایا اور رات دن خانقاہ میں ہی مقیم رہے اور اپنی نگرانی میں وہاں درس قرآن کا اہتمام فرمایا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ نے اپنے عشق کی تسکین کی خاطر نئی راہیں تلاش کرنی شروع کر دیں۔ مولوی غلام محمد صاحب مرحوم چھنی والوں کا چہرہ قدرے حضور قبلہ عالمؒ سے مشابہ تھا۔ جب تک وہ زندہ رہے ان کے ساتھ والہانہ محبت کا انداز اپنائے رکھا۔ کبھی وہ لاہور تشریف لاتے تو وارفتگی کے عالم میں ان کی ریش کو ہاتھ لگاتے اور نظریں جمائے رہتے۔ حضرت صاحبزادہ صدیق احمد صاحب سجادہ نشین سیدا شریف جب بیمار ہو کر میو ہسپتال میں داخل ہوئے تو حضرت قبلہ حاجی صاحب اور راقم الحروف ان کی عیادت کے لیے ہسپتال گئے' ان کے ساتھ والی چارپائی پر ایک ضعیف العمر مریض جس کا چہرہ' مہرہ' داڑھی اور کھانے کا انداز حضرت قبلہ اقدس بیربلویؒ سے اس قدر مشابہ تھا کہ حضرت قبلہ حاجی صاحب اور یہ ناچیز اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ بالآخر آپؒ سے نہ رہا گیا۔ خود اٹھ کر اس کی چارپائی پر گئے۔ اس کی خیریت دریافت کی اور اس سے راہ و رسم پیدا کی۔ بس پھر کیا تھا۔ حج اور بیوپار والا معاملہ تھا۔ جب تک وہ موصوف ہسپتال میں رہے وہاں آنا جانا آپؒ کا معمول بن گیا۔ وہ صاحب ہسپتال سے فارغ ہو کر لوہاری دروازے کے اندر ایک نہایت خستہ حال اور چھوٹے سے مکان میں واپس آ گئے تو حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ مجھے ایک دن ساتھ لے کر وہاں جا پہنچے۔ کافی دیر تک اس کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ بعدازاں مجھے نہیں معلوم کہ آپؒ کتنی بار اس سے ملنے وہاں گئے۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ صاحبزادہ جمال الدین صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک آدمی جس کی شکل و صورت

حضرت قبلہ عالم پیربلویؒ" سے مشابہت رکھتی تھی اس کے ساتھ راہ و رسم پیدا کی۔ اس کے بیٹے کی نوکری لگوائی اور نہ معلوم اس کے اور کتنے کام کیے۔ یہ تھیں حضرت قبلہ عالمؒ کے ساتھ والہانہ عشق کی ادائیں ورنہ ان لوگوں کو کیا معلوم کہ یہ شخص کس گوہرنایاب کی تلاش میں ہے۔

حضرت قبلہ عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر پیر کے مرید تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم وہ جو اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں مصروف رہے اور یہی لوگ پیر صاحب کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنے شیخ اور خانقاہ کی مالی اعانت کرتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو اپنے شیخ کی جانی طور پر خدمات سرانجام دیتے ہیں اور جو لوگ ان تینوں میں کوئی کام نہیں کرتے وہ کسی کھاتے میں شمار نہیں ہوتے۔ اس ارشاد مبارک کی روشنی میں جب ہم پورے سلسلہ عالیہ کو دیکھتے ہیں تو واقعتہً ہمارے تمام احباب کسی نہ کسی زمرے میں ضرور شامل تھے لیکن حضرت قبلہ حاجی صاحب ان تینوں مذکورہ میدانوں کے شاہسوار تھے۔ طریقت کے میدان میں وہ اپنے شیخ کی زندگی ہی میں رشد و ہدایت کے منصب پر فائز ہو چکے تھے اور یہ پودا اب تناور درخت بن گیا تھا جس کے سائے میں بہت سے لوگ ان کے روحانی فیض سے مستفیض ہو رہے تھے۔ اسی طرح مالی طور پر آستانہ عالیہ کی جو خدمات انہوں نے سرانجام دیں وہ احباب سے مخفی نہیں۔ حضرت قبلہ عالمؒ کے متوسلین میں بڑے بڑے زمیندار اور اعلیٰ عہدوں پر فائز افسر بھی شامل تھے۔ لیکن ہائی سکول کے ایک معمولی استاد نے جس طرح اپنا تن من دھن اپنے شیخ پر نچھاور کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپؒ اپنے شیخ کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ مستعد رہتے اور اگر حضور قبلہ عالمؒ کی کسی خواہش کی بھنک بھی آپؒ کے کان میں پڑ جاتی تو بہت تھوڑے وقت میں اپنے مرشد کو (حیران کر دیتے) اور ان کی خوشی اور رضا کی دولت سمیٹتے۔ یہ کہنا بے موقع نہیں کہ حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ نے اپنی ساری عمر میں اپنے شیخ کی رضا کے حصول کو مطمح نظر بنائے رکھا۔ دوسری طرف اعتراف خدمت کا یہ عالم تھا کہ حضور قبلہ عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمیں مولوی صاحب لاہور والوں نے پیر بنایا ہے ورنہ ہمیں کون جانتا تھا۔" اس لحاظ سے آپؒ کا یہ ملفوظ اپنے اندر ایک بڑی حقیقت رکھتا ہے کہ جس طرح حضور قبلہ عالمؒ کی طبع مبارک میں اخفاء اور نمود و نمائش اور ریاکاری سے نفرت تھی اگر حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کا

تعلق آپ" سے نہ ہوتا تو اس عرصے میں جو کچھ حضور قبلہ عالم" کے مقام اور مرتبے کا اظہار ہوا وہ بھی نہ ہوتا۔ ایک بار حضور قبلہ عالم" نے فرمایا کہ مولوی صاحب لاہور والے ہمارے پاس بھرے بھرے آئے تھے یعنی بہت کچھ پہلے ان میں موجود تھا' ہمیں کم محنت کرنی پڑی۔ اس ناچیز کے بیربل شریف کے قیام کے دوران ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بیربل شریف کی جامع مسجد کا خطیب کچھ دنوں کے لیے رخصت پر چلا گیا اس لیے جمعہ شریف کا خطبہ حضور قبلہ عالم" نے خود ارشاد فرمایا۔ کوئی عالمانہ اور خطیبانہ تقریر نہیں تھی۔ عام گفتگو کے انداز میں آپ" نے تقریر فرمائی اور بہت سے موضوعات پر آپ" نے ارشاد فرمایا۔ جو اب ذہن میں نہیں' البتہ ایک بار اسی خطبہ کے دوران رسول اکرم' نور مجسم' حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعلق اور محبت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا "یہ ایسے ہی معاملہ تھا جیسے میرے اور مولوی صاحب لاہور والوں کے درمیان ہے۔" اس طرح گویا حضور قبلہ عالم" نے حضرت قبلہ حاجی صاحب" کو صدیقیت کے مرتبے پر خود سرفراز فرمایا۔ یہ ایک عظیم اعزاز تھا جو صرف حضرت قبلہ حاجی صاحب" کے حصے میں آیا۔ سارے متوسلین جانتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم" کی نظرعنایت حضور قبلہ حاجی صاحب" پر آپ" کے خاندان پر حتیٰ کہ متوسلین پر بھی ہمیشہ مائل بہ کرم رہی۔

حضرت قبلہ حاجی صاحب" کو بھی حضور قبلہ عالم" کی معیت میں بڑی بڑی سعادتیں نصیب ہوئیں۔ جب سے تعلق ہوا سفرو حضر میں ساتھ رہے اور اپنے مرشد کی خدمت کے انفرادی طور پر کئی مواقع میسر آئے۔ کشمیر کا سفر ہو یا کراچی کا' کھوڑے میں قیام ہو یا حج کا سفر' حضرت حاجی صاحب" حضور قبلہ عالم" کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم" کے ساتھ سفر حج کی روئداد میں ایک جگہ حضرت قبلہ حاجی صاحب" لکھتے ہیں:

"صبح جب ہم روضہ مبارک پر گئے۔ نماز پڑھی اور سلام کے لیے حاضر ہوئے تو ایک عجیب چیز مجھے نظر آئی۔ عین سلام کے وقت میرے مشاہدے میں آیا جبکہ میں حضور" کے بائیں طرف کھڑا تھا اور مواجہ شریف ہمارے ساتھ تھا۔ ناگاہ مواجہ شریف سے ایک براق نور نکلا اور ہماری طرف آیا اور حضور" سے مصافحہ کیا اور اسی نور نے میرا ماتھا چوما۔"[1]

۱۔ سلسبیل نومبر ۱۹۹۵ء' ص۔ ۲۵

اپنے وصال سے چند سال پہلے حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کو تیسرا حج نصیب ہوا۔ جس میں اہلیہ مرحومہ (والدہ صاحبزادہ جمال الدین) بھی آپؒ کے ساتھ تھیں۔ اس حج کی سعادتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپؒ لکھتے ہیں:

"آخری دفعہ جب حج پر گیا تو میری اور میری اہلیہ کی دعوت یوں ہوئی کہ بی بی صاحبہ کی میرے متعلق ہر دعا قبول ہوئی اور ان کی خواہش کے مطابق میری جیب پیسوں سے کبھی خالی نہیں ہوئی۔ صبح خالی ہوئی تو شام بھر گئی۔ میری اس دفعہ دعوت یہ ہوئی کہ مجھے سنت کا قرب نصیب ہوا۔ اب مجھے اپنا ہر عمل روح سنت کے قریب نظر آنے لگا۔ یعنی اٹھنا' بیٹھنا' کھانا' پینا اور وضو کرنا وغیرہ۔ پچھلے دنوں میرے ایک دوست کو خواب نظر آیا کہ ندا آئی کہ اٹھو رسول اللہ ﷺ امامت کرنے والے ہیں اور جماعت تیار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں جلدی جلدی اٹھا اور جماعت میں شریک ہوا۔ جو امام کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ آپؒ (حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ) تھے۔"[1]

۵۔ اشاعت دین

علم دین ایک حقیقت ہے اور اس کی تبلیغ اور اشاعت ہر عالم دین کا فرض ہے۔ ہمارے علمائے کرام اپنے مقدور کے مطابق اس فرض کو نبھانے میں مصروف عمل رہے۔ شرعی احکام اور دینی روایات کی منتقلی اسی تسلسل سے قائم و دائم ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ہمارے ہاں اکثر دیکھا گیا ہے کہ کوئی عالم جب مسند ارشاد پر متمکن ہوتا ہے تو وہ اپنے علمی اور تبلیغی مشاغل سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اس کے ہاں صوفیانہ رکھ رکھاؤ کا زیادہ اہتمام ہونے لگتا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ طریقت میں جلوت کی جگہ خلوت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بایں ہمہ جب ہم حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کی روزمرہ زندگی کے معمولات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کی زندگی میں ایک عجیب اور حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ صوفی باصفا

۱۔ سلسبیل نومبر ۱۹۹۵ء ص۔ ۲۵

ہونے کے ساتھ آپ" ایک عالم دین بھی تھے۔ فرقہ واریت کی ناپسندیدہ روایت سے ہٹ کر آپ" دین کے اصول اور فروعات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سفر و حضر میں طریقت کے مشاغل بھی جاری رہتے اور ساتھ ساتھ تبلیغ دین کا سودا بھی سر پر سوار رہتا۔ بلکہ یہاں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ" اس امر میں فی الواقع بڑے حریص واقع ہوئے تھے۔ کوئی پسند کرے یا نہ کرے لیکن آپ" کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ جہاں کہیں چند افراد کا اجتماع ہو اور آپ" دین کی بات نہ کر رہے ہوں یا تصوف کے نکات نہ سمجھا رہے ہوں' ایسا کم دیکھنے میں آیا ہے۔

آستانہ عالیہ بیربل شریف کا کوئی عرس یا تہوار آپ" کے خطبے کے بغیر مکمل نہیں تھا۔ خوبصورت اندازبیان' خداداد خوش الحالی کے ساتھ جب آیات قرآنی کی تلاوت فرماتے یا اشعار پڑھتے تو لوگ جھوم اٹھتے اور خاص کر ایسی محافل یا مواقع جہاں پر حضور قبلہ عالم" خود تشریف فرما ہوتے تو ان کا اندازبیاں اور بھی دوآتشہ ہو جاتا اور تاثیر اور تاثر کے لحاظ سے روحانی فیوضات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا۔ صبح کی نماز کے بعد درس قرآن کا باقاعدہ اہتمام رکھتے اور دوسری نمازوں کے بعد موقع و محل کے مطابق وعظ فرماتے۔ شہری لوگ وقت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ بعض اوقات آپ" کا بیان طویل ہو جاتا لیکن اس سلسلے میں آپ" کسی کی ناگواری کی چنداں پرواہ نہ کرتے۔ جب تک صحت قائم رہی خطبہ جمعہ اور نماز پنجگانہ کی امامت خود فرماتے رہے۔ آپ" کے خطبات میں خوف خدا' محبت رسول ﷺ' اولیائے کرام کی محبت' فکر آخرت' سزا و جزا جیسے موضوعات ہوتے۔ تصوف کے اسرار و رموز کو ایسے فلسفیانہ انداز میں سمجھاتے کہ ایک دفعہ جو تقریر سن لیتا وہ ہمیشہ انہیں کے پیچھے جمعہ ادا کرنے کی خواہش رکھتا۔ لوگ شہر کے دوردراز علاقوں سے بڑے اہتمام کے ساتھ جمعہ پڑھنے آتے۔ مسجد عمر احمد پارک موہنی روڈ کی تعمیر سے پہلے آپ" نے مسجد نور بیرون موری گیٹ تقریباً ۲۷ سال تک جمعہ کا خطبہ دیا۔ اردو بازار اور انارکلی کے کاروباری حضرات آپ" کے مواعظہ حسنہ سے ایک طویل مدت تک مستفید ہوتے رہے۔

جناب چوہدری مظفر حسین صاحب ریٹائرڈ ڈائریکٹر محکمہ زراعت آپ" کے پر تاثیر مواعظ حسنہ کی بابت لکھتے ہیں:

"میں مسجد عمر میں جمعہ ادا کرنے کے لیے جانے لگا جہاں خطبہ جمعہ حضرت حاجی صاحب" دیا کرتے تھے۔ قبلہ حاجی صاحب" کے خطبات میں ایک عجیب تاثیر تھی۔ انداز بیاں بڑا دلکش تھا۔ آپ" اختلافی مسائل سے اجتناب فرماتے۔ ہر خطبہ کا مرکزی نقطہ آخرت کی زندگی ہوتا اور بات کسی موضوع پر ہو ختم ہمیشہ آخرت پر ہوتی۔ خطبہ دیتے وقت وہ ایک خاص قسم کی روحانی کیفیت میں کھو جاتے اور پھر ایسی پرسوز لے میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں پر تاثیر اشعار پڑھتے کہ مسجد میں موجود تمام لوگ کیف و مستی میں ڈوب جاتے۔ ان کی اقتداء میں جمعہ ادا کرنا میرے لیے ایک روحانی تجربے سے کم نہ تھا۔" (۱)

حضرت قبلہ حاجی صاحب فی الواقع ایک جید عالم' بلند پایہ خطیب اور عالی مرتبت شیخ طریقت تھے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک اور خوبی یہ تھی کہ وہ ایک صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ جب ۱۹۶۱ء میں ادارہ تصوف قائم ہوا تو حاجی صاحب" ہی کو اس کا پہلا صدر نامزد کیا گیا اور بعد میں جب اس ادارہ کے زیر اہتمام ماہنامہ سلسبیل کا اجراء ہوا تو آپ" ہی اس کے پہلے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ سلسبیل کا اداریہ (گفتنی) جو ہمیشہ آپ" ہی تحریر فرماتے تھے۔ عموماً درس قرآن کی طرز پر قرآنی آیات سے بات شروع کرتے اور اسی سے موضوعات اخذ کر کے تصوف کے رنگ میں اس کی تشریح و تفسیر فرماتے۔ روزمرہ کے مسائل کو بھی ساتھ ساتھ زیر بحث لاتے۔ مناسب مواقع پر آیات' احادیث اور اردو فارسی اشعار کا بڑا موزوں استعمال فرماتے۔ آپ کی تحریر میں ادبی چاشنی کے ساتھ بے ساختہ پن ہوتا۔ مختصر جملوں میں بڑی بڑی باتیں لکھ دیتے۔ اردو زبان کا وسیع ذخیرہ الفاظ اور اصطلاحات کا مناسب استعمال کرتے۔ تحریر میں وہ کسی سے متاثر نہیں تھے بلکہ اپنی منفرد طرز تحریر کے خود تخلیق کار تھے۔ ان کے خطبوں کی طرح ان کی تحریریں بھی تاثیر کے لحاظ سے کچھ کم نہیں۔ ماہنامہ سلسبیل اپنے اداریے "گفتنی" کی وجہ سے دینی اور روحانی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا۔ پھر ایسے وقت جب کہ دینی رسالوں کی ڈائجسٹوں کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ آپ" ہی کی کوششوں سے مسلسل ۳۳ سال تک "سلسبیل" باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور

۱۔ سلسبیل نومبر ۱۹۹۷ء۔ ص۔ ۳۰

اب تک بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت قبلہ حاجی صاحب ؒ ایک صاحب طرز ادیب تھے۔ سلسبیل کی ادارت کے علاوہ "انوار الھدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ" آپ ؒ کے قلم کی شاہکار تصنیف ہے۔ تصوف کے رنگ میں لکھی ہوئی ایک ایسی منفرد تصنیف ملک کے ممتاز اہل علم و قلم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

آپ ؒ کے حلقہ اثر میں اس عہد کے نامور محقق' اہل قلم اور اہل علم حضرات شامل تھے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم جن کا شمار ملک کے ممتاز محقق اور ماہر تعلیم میں ہوتا ہے کئی بار چوہدری مظفر حسین صاحب کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے۔ پہلی ملاقات میں حضرت قبلہ حاجی صاحب ؒ کو دیکھا اور تبادلہ خیال ہوا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ "آپ ؒ بلاشبہ عصر حاضر کے مایہ ناز فلسفی صوفی ہیں۔ جو کچھ ہم دماغ سے سوچتے ہیں یہ دل سے محسوس کرتے ہیں۔" پروفیسر عبدالصمد صارم صاحب آپ کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حضرت حاجی صاحب ؒ سے ہماری دوستی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ وہ سچے صوفی تھے۔ نہ دیوبندی' نہ بریلوی' تعصب سے بالکل پاک۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ "مولانا مودودی یا اشرف علی تھانوی جیسے لوگوں کے مضامین آپ سلسبیل میں کیوں چھاپتے ہیں؟ تو میں پرواہ نہیں کرتا۔" حاجی صاحب ؒ کی بعض باتوں اور تحریروں سے مجھے علم لدنی کی بو آتی تھی۔ ان کے اداریئے میں بعض ایسی باتیں ہوتی تھیں جنہیں میں نے قرآن و حدیث میں پایا نہ کسی صوفی کے اقوال میں' مگر وہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہوتی تھیں۔" [1]

حضرت قبلہ حاجی صاحب ؒ بلاشبہ اپنے مرشد کامل کے صادق مرید اور اعظم خلیفہ تھے۔ آپ ؒ شریعت اور طریقت میں اپنے شیخ کامل کے قدم بقدم تھے اور عصر حاضر میں اسلام کے عظیم مبلغ' تصوف اسلام کے ممتاز شارح اور ترجمان تھے۔ تصوف اسلام کے دفاع کے لیے حضور قبلہ عالم ؒ نے جس تحریک کا آغاز کیا تھا' حاجی صاحب ؒ نے اپنے مرشد کے دوش بدوش تصوف اسلام کے

۱۔ سلسبیل نومبر ۱۹۹۳ء ص۔ ۹

خلاف بعض معاصر تحریکوں کی طرف سے پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا مضبوط علمی استدلال کے ساتھ محاسبہ کیا اور یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ آپؒ فقر و تصوف کو جان اسلام قرار دیتے تھے اور تبلیغ و دعوت اسلام کے سلسلے میں صوفیائے کرام کی مساعی جمیلہ کو قابل قدر اور لائق رشک سمجھتے تھے۔

اخلاقی محاسن (خصائل)

حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کو اس ناچیز نے بڑھاپے کی عمر میں دیکھا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ گندمی رنگ' گول چہرہ' متوسط قد اور بھرا بھرا بدن مبارک تھا۔ سرخ گندمی رنگ والے چہرے پر حنائی ریش مبارک کا کیا خوبصورت اور حسین امتزاج تھا۔ چہرے پر زہد و تقویٰ کے انوار صاف صاف دکھائی دیتے تھے۔ ایک بار جو زیارت کر لیتا اس کے دل میں آپؒ کی صورت سما جاتی۔ قد و قامت سے قطع نظر ویسے بالکل اپنے پیر و مرشد (حضور قبلہ عالمؒ) کی تصویر دکھائی دیتے تھے۔ ساری عمر اپنا علاقائی اور روایتی لباس زیب تن کیا جس میں پگڑی' کرتہ تہبند شامل تھے۔ لاہور جیسے شہر میں رہنے کے باوجود اس میں سرمو فرق نہ آیا اور اسی طرح ہمیشہ سادگی کے ساتھ اپنی بزرگانہ وجاہت کو برقرار رکھا۔ ہر معاملے میں اپنے پیر و مرشد کی تقلید کو مقدم رکھا۔ جبوں اور قبوں کی نمود و نمائش سے دور رہے۔ حسن و عشق کے میدان میں خوبصورتی کا جو بھی معیار موجود ہے اس سے قطع نظر طریقت کے میدان میں مجھے جتنے بزرگوں کی زیارت کا موقع ملا۔ آپؒ جیسی متوازن اور خوبصورت شخصیت میری نظر سے نہیں گزری۔ آپؒ بڑے بلند حوصلہ اور بڑھاپے میں جواں ہمتی کا اعلیٰ مظہر تھے۔ جب کبھی کسی کام کا ارادہ فرما لیتے تو جوانوں کی طرح اٹھتے اور اپنی اعلیٰ ہمتی سے ناممکن کو ممکن بنا لیتے۔ آپؒ کے ساتھ رہنے سے ایسے کئی تجربات ہوئے کہ جہاں جوان لوگ گھبرا اٹھتے وہاں آپؒ ہراول دستہ بن جاتے۔ بڑھاپے کے باوجود سفر و حضر میں اپنے مرشد کے احکام کی تکمیل میں اور احباب کے کاموں میں جوانوں کی طرح سرگرم رہتے۔

خدا کے نیک بندے ہمیشہ انسانی اخلاق کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی

صفات عالیہ کا مظہر ہوتے ہیں اور اپنے رب کریم کے عفو و درگزر' رحم و کرم اور جمال و جلال کا پرتو ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب" بھی کئی اعلیٰ اخلاقی صفات سے متصف تھے۔ آپ" اپنے پیر و مرشد کے اخلاق و اطوار کی صحیح تصویر تھے۔ البتہ حضور قبلہ عالم" کے مزاج کے برعکس طبیعت میں جلال تھا کیونکہ آپ" کو اگر کوئی چیز ناگوار گزرتی تو فوراً اس کا محاسبہ کرتے ڈانٹ ڈپٹ کرتے۔ لیکن آپ" کا غصہ دیرپا نہ تھا اور نہ ہی کسی سے بغض رکھتے بلکہ دوسرے ہی لمحے بڑے مہربان نظر آتے اور اگر ان سے خود کوئی غلطی ہو جاتی تو بڑی انکساری سے معافی مانگ لیتے۔ آپ" انسانی روابط میں ظاہری جلال اور باطنی جمال کے مرقع تھے اور بڑے اونچے درجے کے لجپال واقع ہوئے تھے کہ جس سے ایک بار تعلق پیدا ہو گیا تو اس کی ہر قسم کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔

آپ" نے تقریباً ساری عمر مسجد میں گذار دی۔ رات کو بھی مسجد ہی میں آرام فرماتے۔ ضرورت کے وقت گھر تشریف لے جاتے۔ ضعیف العمر نمازیوں اور نیک لوگوں سے بڑی محبت کرتے۔ ایسے لوگ جو کثرت سے ذکر و عبادت میں مصروف رہتے ان کی بڑی آؤ بھگت کرتے۔ ایسے لوگ کئی کئی ماہ تک آپ" کی مسجد میں ٹھہرے رہتے۔ ادارہ تصوف' خانقاہ بیربل شریف اور اپنے خانگی معاملات میں آپ" ہمیشہ مشاورت سے کام لیتے اور اپنے مخلص احباب کے ساتھ معاملہ کے ہر پہلو پر مشورہ فرماتے۔ احباب میں جن حضرات پر آپ" کو کامل اعتماد تھا ان میں چوہدری محمد افضل خان صاحب' چوہدری دوست محمد صاحب' ملک مشتاق احمد صاحب اور صاحبزادہ جمال الدین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بڑے اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے اور ضرورت مند کی مدد کرنا ان کی عادت ثانیہ تھی۔ حضور قبلہ عالم" کی ذات کا حوالہ بھی ان کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ لاہور میں مسجد عمر آستانہ عالیہ بیربل شریف کا دوسرا ہیڈکوارٹر تھا۔ یہاں بہت سے لوگ خواہ ان کا تعلق براہ راست آپ" سے ہوتا یا خانقاہ عالیہ بیربل شریف سے ہوتا حضرت قبلہ حاجی صاحب" کی سرپرستی میں دینی و دنیوی فیض حاصل کرتے تھے۔ حضور قبلہ عالم" کے صاحبزادے حضرت خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ العالی اور نواسوں نے اسی جگہ قیام کر کے اپنی تعلیمات مکمل کیں اور آج بفضلہٖ تعالیٰ اعلیٰ

عہدوں پر فائز ہیں۔ ہمارے جیسے کئی نادار اور بے سہارا لوگ بھی اس فیض عام سے مستفید ہوئے۔ آپؒ کے زیر سایہ مسجد عمر میں قیام کر کے کئی نادار اور بے کس لوگ ڈاکٹر' انجینئر' پروفیسر اور کلاس اول کے افسر بنے۔

حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کا اپنا حلقہ اثر کافی وسیع تھا جس میں لاہور جیسے عروس البلاد کے ہر طبقے کے لوگ شامل تھے۔ غریب مزدور سے لے کر سیکرٹری کی سطح تک کے سرکاری افسران خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ کے وصال کے بعد خانقاہ عالیہ بیربل شریف کے متوسلین بھی آپؒ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لیے آپؒ کے اپنے مریدوں اور دوسرے پیر بھائیوں میں چنداں فرق نہیں تھا۔ آپ بلاامتیاز سب کی رہنمائی اور مدد فرماتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ بلند پایہ بزرگ اور صاحب علم و فضل تھے۔ وہ ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ جن کے چہرے کو دیکھ کر خدا یاد آ جاتا تھا۔ قول و فعل کے دھنی' سادگی اور بے تکلفی کا مرقع تھے۔ ان کی زندگی نام و نمود کی خواہش سے بالکل مبرا تھی۔ ان کا عمل ان کے قول کا آئینہ دار تھا۔ وہ اپنے عہد کے عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ انداز فکر رکھنے والے صوفی تھے۔ ان کی تمام عمر کا خلاصہ ان دو نکات پر آ کر ٹھہر جاتا ہے: (۱) اشاعت دین (۲) تصوف اسلام کی تشریح و وضاحت۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے ایک روایتی فقیر گوشہ گیر کی بجائے بھرپور علمی اور عملی زندگی بسر کی۔ بالآخر خلوت و جلوت اور تحریر و تقریر کے ذریعے اللہ کی راہ دکھانے والا یہ عظیم مرد حق بروز جمعتہ المبارک ۱۴ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ بمطابق ۲۲ نومبر ۱۹۹۱ء بعد نصف شب واصل بحق ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مجاہد ملت حضرت علامہ محمد عبدالستار خان نیازی صاحب سابق مرکزی وزیر نے خطبہ جمعہ کے بعد آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مسجد عمر سے ملحق خانقاہ میں آپؒ کو دفن کیا گیا۔

۲۔ حضرت صوفی محمد اقبال صاحبؒ

حضرت صوفی محمد اقبال صاحبؒ بھیرہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد حاجی غلام حبیب صاحب کابل میں امیر امان اللہ خان والی افغانستان کے محل میں بیگمات کے لباس اور زیورات کے منتظم تھے اور محل ہی میں رہائش پذیر تھے۔ صوفی صاحب کی ولادت بھی محل میں ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ چند سال بعد امیر امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تو صوفی صاحب کا خاندان اپنے وطن واپس لوٹ آیا۔ آپؒ کا تعلق مشہور کاروباری پراچہ خاندان سے تھا۔ کابل سے واپسی کے بعد آپ کے والد نے منڈی بہاؤ الدین میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں کاروبار شروع کر دیا۔ لہٰذا صوفی صاحب کی ابتدائی تعلیم و تربیت اس شہر کے ماحول میں ہوئی۔ میٹرک کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ لاہور ہی میں شیخ محمد امین صاحب مرحوم کی معرفت حضور قبلہ عالمؒ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ ایف۔ اے کرنے کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور واپس بھیرہ آ کر کتابوں کی دکان کھول لی۔

اوائل عمر ہی میں صوفیانہ طبیعت پائی تھی۔ کھیل کود اور لہو و لعب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ نیک لوگوں اور اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ حضرت مولانا غلام محمود صاحبؒ سے بچپن سے ہی راہ و رسم تھی اور انہیں کے ذریعے حضرت قبلہ عالمؒ کی ذات اقدسؒ کا غائبانہ تعارف تھا۔ اس لیے حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں پہلی حاضری ہوئی تو کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی اور بہت جلد حضور قبلہ عالمؒ کی توجہ خاص کا مرکز بن گئے اور بیربل شریف آنا جانا شروع کر دیا۔ اگرچہ آپ کا تعلق ایک متمول خاندان سے تھا لیکن راہ سلوک کے لیے نہایت موزوں طبیعت اور استعداد پائی تھی۔ اس لیے تربیت جلالی کے زیر اثر درویشانہ زندگی بسر کی اور اپنے پیر و مرشد کی نظر کرم سے بڑے حوصلے سے راہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ حضور قبلہ عالمؒ سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ جب کبھی حاضری میں دیر ہوتی تو حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت میں بڑے درد انگیز اور محبت آمیز خطوط لکھتے جن میں اپنے مربی کے ساتھ والہانہ عشق کا اظہار اشعار کی صورت میں کرتے جنہیں حضور قبلہ عالم بہت پسند فرماتے۔ جب کبھی صوفی صاحب کا خط

آتا۔ تو حضورؒ راقم الحروف کو فرماتے۔ "صوفی صاحب کا خط آیا ہے پڑھیں۔" آپؒ کا یہ حکم میری تربیت کا حصہ تھا۔ خط کیا ہوتا ہجر و فراق کا ایک مرثیہ ہوتا۔ پڑھ کر بڑا لطف آتا۔

صوفی صاحب کو تقریباً چھبیس ستائیس سال تک حضور قبلہ عالمؒ کی رفاقت رہی۔ بیربل شریف کی کوئی تقریب اور حضور قبلہ عالمؒ کا کوئی سفر مبارک صوفی صاحب کی رفاقت سے خالی نہ ہوتا۔ حضور قبلہ عالمؒ سے والہانہ محبت کے پیش نظر آپؒ کی ہر ادا کو اپنے اندر اس طرح جذب کئے ہوئے تھے کہ انہیں حضور قبلہ عالمؒ کی زندگی کی معلومات پر اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا۔ اس لیے حضور قبلہ عالمؒ کی زندگی میں یا بعد از وصال ان کی کوئی مجلس اپنے پیر و مرشد کے فضائل و مناقب کے تذکرہ سے خالی نہ تھی اور ان کی مجلس میں ایسے محسوس ہوتا جیسے حضور قبلہ عالمؒ کی محفل میں بیٹھے ہیں۔ کچھ عرصہ حضور قبلہ عالمؒ کے حکم سے ماہنامہ "سلسبیل" کی ادارت کا کام بھی سنبھالا اور رسالہ کو معیاری بنانے میں بھرپور کوشش کی لیکن بعض خانگی مجبوریوں کے پیش نظر لاہور میں زیادہ قیام نہ کر سکے۔ لاہور سے واپس آکر منڈی بہاؤالدین میں مقیم ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن اسی شہر میں بسر کئے۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۸۵ء کو وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

صوفی صاحب کے اخلاقی محاسن بے شمار ہیں۔ حضور قبلہ عالمؒ کے متوسلین میں حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحبؒ کے بعد انہیں کو درجہ قرب حاصل تھا۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی قناعت پسندی تھی۔ ایک متمول خاندان کا فرد ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔ دنیا کی جاہ و حشمت ان کے نزدیک تنکے برابر بھی نہ تھی۔ ریاکاری کو ناپسند فرماتے تھے۔ صاحب کشف بزرگ تھے۔ صوفیانہ شکل و شباہت ایسی دل آویز تھی کہ دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ خلوص کے پیکر تھے اور احباب میں بے حد ہر دلعزیز تھے۔ آپ کے علم و عرفان کی محفلوں سے سینکڑوں لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء محفل میں حاضری دیا کرتے تھے۔ جو بھی آتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ کئی لوگوں نے متاثر ہو کر بیعت کی خواہش کی لیکن آپ بڑے احسن طریقے سے ٹال دیتے تھے۔

۳۔ حضرت مولانا غلام محمود صاحبؒ

حضرت مولانا غلام محمود صاحب کا تعلق بھٹی راجپوت خاندان سے تھا جن کے آباؤاجداد کئی پشتوں سے دین کی نشر و اشاعت کی خدمات انجام دیتے چلے آ رہے تھے۔ آپؒ کے جدامجد حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحبؒ کا حلقہ اثر اضلاع گوجرانوالہ' شیخوپورہ' فیصل آباد' گجرات اور سرگودھا کے علاقوں پر محیط تھا۔ اور ان علاقوں کے متوسلین دینی رہنمائی کے لیے آپؒ کے خاندان کے افراد سے رجوع کرتے تھے۔ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب موضع بھوجووال تحصیل پھالیہ میں سکونت پذیر تھے۔ کچھ عرصہ بعد اپنے بڑے بیٹے مولوی سراج دین کو یہ مسند سپرد کر کے خود دوسرے بیٹے مولانا نجم الدین صاحب کے ساتھ دھنی کلاں ضلع گوجرانوالہ منتقل ہو گئے۔

حضرت مولانا نجم الدین صاحبؒ کے چار فرزند تھے۔ مولانا غلام محی الدین صاحبؒ' مولانا تاج محمود صاحبؒ' مولانا غلام محمود صاحبؒ اور مولانا محمد علی صاحبؒ ۔ سب سے بڑے مولانا غلام محی الدین صاحبؒ جن کا روحانی تعلق حضرت قبلہ عالمؒ خواجہ محمد عمرؒ سے اس درجہ کا تھا کہ حضور قبلہ عالمؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ "ہم تو دھنی کا طواف کرتے ہیں۔" حضرت مولانا غلام محمود صاحب عالم دین اور حکیم تھے۔ اپنے تایا مولوی سراج الدین صاحب کی وفات کے بعد بھوجووال منتقل ہو گئے اور تادم آخر وہیں پر دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ شروع میں آپ کا روحانی تعلق حضرت محمد سعید شاہ صاحبؒ چورہ شریف والوں سے تھا لیکن بعد میں زیادہ تر روحانی فیض حضرت قبلہ عالم خواجہ محمد عمرؒ سے حاصل کیا۔ دھنی کلاں جہاں بزرگوں کے دور سے جمعتہ المبارک پڑھانے کا اہتمام تھا۔ راستہ کی تکلیف کے باوجود کئی سال تک بھوجووال سے چل کر دھنی کلاں جمعہ پڑھاتے رہے۔ اوائل عمر میں تجارت بھی کرتے رہے۔ آپ کی کاروباری دیانت داری کے مسلمان تو کیا ہندو بھی معترف تھے۔ دینی حمیت کا یہ عالم تھا کہ علاقے بھر میں خوشی اور غمی کے موقع پر قبیح رسومات کی ادائیگی کرنے والوں پر کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کا بڑی سختی سے محاسبہ کرتے تھے۔ اس زمانے میں ابلاغ عامہ کے وسائل محدود تھے اس لیے عیدین کے موقع پر

رویت ہلال کے بارے میں کامل تحقیق کے بعد فتویٰ دیتے تھے۔

ضلع گجرات اور گوجرانوالہ کے وہ علاقے جو خاندان عالیہ بیربل شریف کے حلقہ اثر میں شامل تھے۔ ان میں شیعہ مذہب کا فروغ ہونے لگا تو اس کے تدارک کے لیے حضور قبلہ عالمؒ کے ایماء پر ''انجمن اصلاح المسلمین'' وجود میں آئی۔ اس انجمن کے صدر اعلیٰ حضرت صاحبزادہ صدیق احمد صاحبؒ سیدا شریف والے تھے اور نائب صدر حضرت مولانا غلام محمود صاحبؒ تھے اور آپؒ کے بھانجے مولانا عزیز احمد صاحب اس کے سیکرٹری جنرل تھے۔ ان حضرات نے دن رات محنت کر کے اور علماء اور مناظرین کے جلسوں کا اہتمام کر کے لوگوں کو شیعہ مذہب کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ انجمن کے اس کام کا خاطرخواہ نتیجہ برآمد ہوا اور نہ صرف اس علاقے میں اس مذہب کی ترویج و اشاعت رک گئی بلکہ بعض حقیقت پسند طبائع نے سنی مذہب کی طرف دوبارہ رجوع کر لیا۔ حضرت مولانا غلام محمود صاحبؒ اس انجمن کے روح و رواں تھے۔ اس سلسلے میں ان کی گرانقدر خدمات قابل تحسین ہیں۔

حضور قبلہ عالمؒ سے اپنی محبت اور عقیدت کی بنا پر سنت حضرت ابوبکر صدیقؓ پر عمل کرتے ہوئے اپنی لخت جگر کو حضور قبلہ عالمؒ کے حرم میں داخل کیا۔ آپؒ کی زندگی کے شب و روز بیربل شریف کی مسافت اور وہاں پر حاضری دینے میں گزرتے۔ حضور قبلہ عالمؒ ہر قسم کے معاملات میں آپؒ سے مشورہ فرماتے۔ عرسوں پر قیام و طعام کا انتظام آپ کی نگرانی میں ہوتا۔ آپؒ کی شخصیت کئی خوبیوں کی مالک تھی۔ نفیس الطبع' وجیہ اور خوبصورت جسم و جاں رکھتے تھے۔ ہر قسم کے معاملات پر گہری نظر رکھتے اور ہر قسم کے لوگ اپنے معاملات میں ان سے مشاورت کے طلب گار ہوتے۔ علم و تقویٰ اور تجربہ کی بنیاد پر لوگ ان کی مشاورت سے مستفیض ہوتے سفر و حضر میں اورادو وظائف کا اہتمام رکھتے۔ آہستہ بات کرتے اور کم گوئی ان کا خاص وصف تھا۔ ان کی گفتگو مختصر مگر جامع ہوتی جس سے ان کی ذہانت اور تجربے کا اظہار ہوتا۔ آپؒ نے طویل علالت کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۸۳ء کو بھوجووال میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

۴۔ حضرت پیر سید محمد شاہ صاحبؒ

حضرت پیر سید محمد شاہ صاحبؒ کا تعلق بھیرہ ضلع سرگودھا کے ایک قدیم روحانی ہاشمی خاندان سے تھا۔ آپ کی ولادت ۱۹۱۸ء میں بھیرہ میں ہوئی۔ آپؒ کے والد ماجد پیر محمد حیات صاحبؒ بڑے نیک طینت اور ورع و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ جن کا روحانی تعلق حضرت خواجہ غلام حسن صاحب ڈھڈیؒ سے تھا۔ پیر سید محمد شاہ صاحبؒ نے ۱۹۴۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کی ڈگری لی۔ پھر جامعہ امینیہ دہلی سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ تحریک قیام پاکستان اس زمانے میں عروج پر تھی۔ ابتداء میں آپ احرار تحریک سے متاثر تھے لیکن بعد میں حضرت مولانا علاء الدین صاحب اور حضرت خواجہ قمرالدین سیالویؒ کے ساتھ مل کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ سکول میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ پہلی روحانی نسبت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے تھی لیکن بعد میں حضور قبلہ عالمؒ سے بیعت کی۔ آپؒ کے خاندان کے ساتھ خانوادہ عالیہ بیربل شریف کے دیرینہ روحانی اور معاشرتی روابط تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ کے چھوٹے بھائی حضرت صاحبزادہ محمد عابد صاحبؒ نے انہیں کے گھر میں قیام کر کے اپنی تعلیم مکمل کی تھی اس لیے پیر صاحب حضور قبلہ عالمؒ کی توجہ خاص کا مرکز بن گئے۔

پیر صاحب بڑے جہاں دیدہ اور دلآویز شخصیت کے مالک تھے اور رکھ رکھاؤ کی خوبیوں سے واقف تھے۔ اس لیے حضور قبلہ عالمؒ کے ساتھ سفر مبارک کے دوران دوسرے بزرگوں سے رابطہ اور سفارت کا کام پیر صاحبؒ کے ذمے ہوتا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں حضور قبلہ عالمؒ کے حکم سے جامع مسجد پولیس لائن سرگودھا میں خطابت کا منصب سنبھالا اور تادم زندگی اسی منصب جلیلہ پر فائز رہ کر خدمت دین کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ سفر مبارک کے دوران حضور قبلہ عالمؒ کا پہلا اور آخری پڑاؤ سرگودھا میں پیر صاحب کے دردولت پر ہوتا تھا۔ جہاں بہت سے شہر کے لوگ پیر صاحبؒ کی وساطت سے روحانی فیض حاصل کرتے۔ علم و فضل' اور اپنی شخصی و خاندانی وجاہت کے پیش نظر پیر صاحبؒ کو مختلف مقامات جیسے مسجد داتا صاحبؒ لاہور' شاہی مسجد لاہور اور مسجد

نواب الملک بہاول پور وغیرہ سے اعلیٰ دینی منصب اور پرکشش مراعات کی پیش کش ہوئی لیکن ہمیشہ قناعت پسندی کے ساتھ پیرو مرشد کے حکم کے تحت آخری وقت تک اسی مسجد میں خدمت دین کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ پیر صاحب" نے دسمبر ۱۹۸۰ء میں بروز جمعۃ المبارک سرگودھا میں وفات پائی۔ حضرت قبلہ حاجی فضل احمد صاحب" نے نماز جنازہ پڑھائی اور بھیرہ میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

پیر صاحب" کی شخصیت بڑی سحرانگیز اور حسن و جمال کا مرقع تھی۔ آپ" سفید لباس کے ساتھ شیروانی اور طرہ زیب تن کرتے تو لوگ دیکھ کر مسحور ہو جاتے۔ سیاست اور تدریس کا سلسلہ منقطع کر کے خدمت دین کو ترجیح دی اور اپنے پیرو مرشد کی نظرکرم سے صبر و رضا اور تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری نے آپ کی وفات پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے۔ یہ شعر کہا جو آپ کی قبر پر کندہ ہے۔

؎ پیر سید محمد شاہ کی آرام گاہ
تربت انوار افشاں' ہر زماں فضل الٰہ

* * * * * *

۵۔ حضرت قاضی محمد رضا صاحبؒ

حضرت قاضی محمد رضا صاحب کا تعلق نلی شریف ضلع خوشاب کے قاضی خاندان سے تھا۔ آپؒ کے والد حضرت قاضی عطا محمد صاحبؒ اعلیٰ حضرت بیربلویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپؒ کی پیدائش ۲۲ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ میں نلی شریف میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار کے زیرسایہ حاصل کی۔ حفظ قرآن کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے پہلے جھاوریاں اور پھر بھیرہ تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا ظہور احمد بگویؒ سے تکمیل کی۔ تحصیل علم کے بعد اپنا روحانی تعلق قطب دوران غوث صمداں حضرت خواجہ محمد عمرؒ سے متصل کیا۔ دیرینہ خاندانی تعلق کی بنا پر حضور قبلہ عالمؒ کی نظرالتفات ہمیشہ مائل بہ کرم رہی جس کے نتیجے میں قاضی صاحب پیکر اخلاص ہو کر حضور قبلہ عالمؒ کے نہایت معتمد مخلصین میں شمار ہونے لگے۔ قاضی صاحب نے عمر بھر خانقاہ عالیہ بیربل شریف کی ہر قسم کی خدمت کو اپنا مطمح نظر بنائے رکھا اور لنگر کی خدمت کو اپنے دیگر دینی وظائف سے ترجیح دیتے رہتے۔ حضور قبلہ عالمؒ کی خوشنودی حاصل کر کے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ راہ سلوک میں بھی بلند درجات حاصل کئے۔ اگرچہ اپنے والد صاحب کی نسبت سے پیر اور سجادہ نشین بھی تھے لیکن عاجزی اور انکساری کا مرقع ہونے کی وجہ سے آگے کوئی سلسلہ جاری نہیں کیا۔

قاضی صاحبؒ کا اصل کارنامہ دارالعلوم عطائیہ نلی شریف کو بطریق احسن چلانا اور اسے ایسے معیار پر قائم کرنا تھا جس پر ان کے والد صاحبؒ نے قائم کیا تھا۔ آپؒ نے اس کی عمارت کی تعمیر و توسیع کر کے اس کو وسعت دی۔ للّہ شریف اور خوشاب کے درمیان تھل کے علاقے میں اس کے مقابلے میں کوئی ایسا مدرسہ نہ تھا جہاں دینی تعلیم اور حفظ قرآن کا اچھے پیمانے پر انتظام ہو۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق قاضی صاحبؒ کے زیرسایہ ۴۵۰ اشخاص نے قرآن مجید حفظ کیا۔ قاضی صاحبؒ کی کوششوں سے بہت سے لوگوں نے اس درس گاہ سے فیض حاصل کیا۔ تقریباً چالیس سال تک فی سبیل اللہ قرآن مجید کا درس دیا۔

قاضی صاحب کے والد صاحبؒ ایک صاحب نسبت بزرگ ہونے کے علاوہ علاقہ تھل کے

بہت بڑے مفتی بھی تھے۔ لوگ ان کے فتاویٰ کا احترام کرتے تھے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی استقامت عطا فرمائی تھی کہ وہ اپنے فتووں پر عمل درآمد بھی کراتے تھے۔ قاضی صاحب" نے بھی اپنے والد ماجد کی اس روایت کو قائم رکھا اور اس علاقے میں جہاں کہیں دین کے خلاف کوئی فتنہ اٹھا قاضی صاحب" نے اپنی مقدور بھر کوشش سے اس کو دبا دیا اور دینی شعائر کے احترام اور نشر و اشاعت کے لیے علماء کے جلسوں کا اہتمام بھی کرتے رہے۔ قاضی صاحب" ایک مذہبی پیشوا کے طور پر تمام دینی معاملات پر نظر رکھتے تھے اور آپ" کے فتووں کا علاقہ سون اور دامن کوہ کے علاقے میں احترام کیا جاتا تھا۔

قاضی صاحب" بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ اپنے والد ماجد کی طرح دینی معاملات میں غیر معمولی جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ہمیشہ مسجد میں قیام رکھتے' صرف عصر کے وقت گھر جاتے تھے۔ مدرسہ کے طلباء کی تدریس اور ان کے قیام و طعام پر نظر رکھتے تھے۔ بڑے خلیق اور ملنسار تھے۔ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کا صحیح مصداق تھے۔ ان کی ایک بڑی خوبی دیانت داری اور امانت داری تھی۔ درس کے سلسلے میں آمدنی و خرچ کا حساب کتاب بڑے اہتمام سے رکھتے۔ ان کی ذاتی آمدنی بھی کافی تھی لیکن کوئی جائیداد نہیں بنائی بلکہ اپنا وقت درویشی ہی میں بسر کرنے کو ترجیح دی۔ قاضی صاحب" اپنے اسلاف کی زندگی کا نمونہ تھے۔ ان کی دینی اور اشاعت قرآن کی خدمات سے بھرپور زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ" نے دو شوال المکرم ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۸ اپریل ۱۹۹۱ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ نلی شریف کی تاریخ میں آپ" کے جنازے کا بہت بڑا مجمع دیکھنے میں آیا۔ آپ" کے بڑے صاحبزادے قاضی احمد رضا صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ آپ" کے مرقد کو منور فرمائے۔ آمین۔

۶۔ جناب حاجی فضل کریم صاحب مرحوم بھیرہ

حاجی فضل کریم صاحب مرحوم و مغفور کا تعلق بھیرہ کے قدیم تاریخی و تہذیبی شہر سے تھا۔ آپ نے اپنی ابتدائی دینی تعلیم سیال شریف میں حاصل کی تھی اور حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی ؒ کے ہم درس رہے۔ ابتداء میں بیعت بھی اسی سلسلہ چشتیہ میں کی تھی لیکن بعد میں حضور قبلہ عالم ؒ سے بیعت ہوئے۔ بڑی سادہ اور تصنع سے پاک طبیعت پائی تھی۔ سرخ و سفید نورانی چہرہ تھا اور ورع و تقویٰ میں بے مثل تھے۔ حضور قبلہ عالم ؒ کے نہایت مخلص خادموں میں شمار ہوتے تھے۔ لنگر شریف کا کوئی کام جس کا تعلق بھیرہ یا اس کے گرد و نواح سے ہوتا وہ آپ ہی سرانجام دیتے تھے۔ خانقاہ شریف میں اپنے مصارف سے نئی کھوئی بنوائی جو ابھی تک جاری ہے۔ کوئی اولاد نہیں تھی صرف میاں بیوی اور ایک لے پالک بیٹی کے ساتھ اپنے آبائی مکان میں رہائش پذیر تھے اور چھوٹی موٹی تجارت سے گذراوقات کرتے تھے۔ حضور قبلہ عالم ؒ کے گھرانے کا کوئی فرد بیمار ہوتا اور علاج معالجہ کے لیے بھیرہ جاتا تو قیام حاجی صاحب کے گھر میں ہوتا۔ حاجی صاحب دوسری خدمات کے علاوہ علاج معالجہ کے مصارف بھی برداشت کرنے سے گریز نہ کرتے لیکن حضور قبلہ عالم ؒ یہ پسند نہ فرماتے۔ لنگر کا کوئی خادم یا کوئی پیر بھائی ملنے کے لیے جاتا تو اس کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ حضور قبلہ عالم ؒ آپ کے اخلاص کے بڑے مداح تھے اس لیے اپنے وصیت نامے میں انہیں اپنے مخلصین میں شمار فرمایا۔ حضور قبلہ عالم ؒ کے وصال کے بعد وفات پائی اور بھیرہ میں دفن ہوئے۔

۷۔ الحاج حافظ دوست محمد صاحب جوہر آباد

ضلع خوشاب

الحاج حافظ دوست محمد صاحب کا آبائی وطن موضع کلیال وادی سون میں ہے۔ لیکن آج کل جوہر آباد میں مقیم ہیں اور ایک مسجد کے امام اور خطیب ہیں۔ کھوڑہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ کچھ عرصہ بعد نلی شریف میں حضرت قاضی عطا محمد صاحبؒ کے مدرسے میں رہے۔ چک نمبر ۲۰ شمالی میں امام مسجد کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اپنے بڑے بھائی صوفی محمد حیات مرحوم کے ایماء پر حضور قبلہ عالمؒ سے بیعت ہوئے تو زندگی میں انقلاب آگیا۔ حضور قبلہ عالمؒ کے ایسے شیدائی ہوئے کہ ایک ہفتہ بھی زیارت کے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ سفر و حضر میں حضور قبلہ عالمؒ کی ذاتی خدمت کر کے ایسا قرب حاصل کیا کہ آپؒ کے محرم راز بن گئے۔ وصال کے وقت حضور قبلہ عالمؒ کو غسل دینے والوں میں شامل تھے۔ لنگر شریف کی ہر قسم کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہنے والے اور پیر بھائیوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ طبیعت میں جذب و جلال کا حسین امتزاج رکھتے ہیں اور بڑے رقیق القلب ہیں۔ خدمت دین اور ورع و تقویٰ میں بے مثل ہیں۔ حضور قبلہ عالمؒ کی نظرعنایت سے کئی سعادتیں حاصل کی ہیں۔ کئی بار حج بیت اللہ کر چکے ہیں۔ نیک اور صالح اولاد رکھتے ہیں۔ اپنے صوفیانہ عادات و اطوار کے لحاظ سے حضور قبلہ عالمؒ کی تربیت کا شاہکار نظر آتے ہیں۔ عرصہ دراز سے فالج کی وجہ سے بیمار چلے آ رہے ہیں۔ آپ جیسے پاکباز انسانوں کا وجود ہمارے لیے بڑی غنیمت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت دے اور شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

۸۔ حافظ محمد حبیب شاہ صاحب پولیس لائن سرگودھا

حافظ محمد حبیب شاہ صاحب قریشی النسل ہیں اور وطن مالوف موضع تلوکر ضلع خوشاب ہے۔ حضرت قاضی عطا محمد صاحبؒ کے مدرسے تلی شریف سے قرآن حفظ کیا اور پھر حافظ دوست محمد صاحب کے ایماء پر حضور قبلہ عالمؒ کی غلامی میں آئے۔ بیعت ہونے سے پہلے ذہن میں بڑے شکوک و شبہات رکھتے تھے لیکن پہلی ہی حاضری میں سب دور ہو گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ کی نظرکرم سے اللہ تعالیٰ نے خدمت دین کا موقع دیا اور پولیس لائن سرگودھا کی چھوٹی مسجد میں امام بن گئے اور اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ بقیہ زندگی لنگر کی خدمت اور خانقاہ شریف کے مدرسے کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ سرگودھا میں اپنے قیام کے دوران سرگودھا سے متعلق لنگر کے چھوٹے بڑے کام انہیں کے ذمے ہوتے تھے اور انہیں بڑے خلوص سے سرانجام دے کر حضور قبلہ عالمؒ کے مخلص احباب کی فہرست میں جگہ پائی۔ سادگی اور اخلاص کا مجسمہ ہیں۔ اپنے شیخ سے والہانہ محبت نے ان کی طبع میں بڑا سوزوگداز پیدا کر دیا ہے۔ اس لیے کم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود شعر و ادب کے محاسن سے خوب واقف ہیں۔ حضور قبلہ عالمؒ کی سوانح حیات کی تیاری کے سلسلے میں بہت سارا کام (فیلڈورک) انہیں کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کارخیر کی جزا دے اور ان کی عمر اور صحت میں برکت دے۔ آمین۔

۹۔ حاجی سردار محمد فیروز خان میکن مرحوم

حاجی سردار محمد فیروز خان مرحوم کوٹ بھائی خان کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد خانقاہ مرتضویہ بیربل شریف سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور لنگر شریف کے لیے ایک وسیع قطعہ زمین وقف کر دیا تھا۔ سردار صاحب ابتداء میں عام روساء کی طرح دین سے دور اور دنیادار قسم کے آدمی تھے۔ جب حضور قبلہ عالمؒ کی غلامی میں آئے تو دل کی دنیا بدل گئی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہو گئے اور حضور قبلہ عالمؒ کی محبت کے اسیر ہو گئے۔ اور ایسی پختہ عقیدت پیدا ہوئی کہ اپنے دکھ سکھ کی گھڑی میں فوری طور پر خدمت اقدسؒ میں رجوع کرتے اور طمانیت کی دولت سے سرفراز ہوتے۔ دونوں خانوادوں میں دیرینہ تعلقات پہلے ہی تھے۔ سردار فیروز خان صاحب مرحوم کی نیازمندی سے ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی۔ حضور قبلہ عالمؒ کی توجہ خاص کا مرکز بنے تو آپؒ کی جلالی تربیت نے سارے جاگیردارانہ کس بل نکال دیئے اور سردار صاحب کی طبیعت میں ایسی تبدیلی آئی کہ عجز و انکسار کا پیکر بن گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ کے دورحیات میں لنگر کی ہر قسم کی خدمت کرتے اور عرس کے موقع پر اپنے پیر بھائیوں کی مہمان نوازی کر کے انہیں دلی خوشی ہوتی۔ حضور قبلہ عالمؒ کے وصال کے بعد جب روضہ مبارک کی تعمیر شروع ہوئی تو اپنے سارے وسائل وقف کر دیئے۔ لنگر شریف کے اخراجات کے لیے ۵ کلہ زمین دے رکھی تھی جو آج تک لنگر شریف کے مصرف میں ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ سردار صاحب کے خلوص کے بڑے قدردان تھے اس لیے وصیت نامے میں انہیں اپنے مخلص احباب کی فہرست میں شامل فرمایا۔ حضور قبلہ عالمؒ کے وصال کے بعد وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

۱۰۔ تین اور خادم

اولیاء اللہ کے ہاں لنگر کے کام کاج کے لیے بے لوث خدام فتوحات الٰہیہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسے نادار حضرات جو صرف دو وقت کی لنگر کی روٹی اور اپنے مرشد اور رب العزت کی خوشنودی کے سوا کسی چیز کے طالب نہیں ہوتے اور لنگر کے کام کاج میں انہیں جو سکون ملتا ہے وہ اپنے گھر میں نہیں ملتا کیونکہ فقیر کا آستانہ ہی ان کا ملجاوماویٰ ہوتا ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ کے ذکرِ خیر کے ساتھ ان حضرات کا ذکر بے محل نہ ہو گا۔

۱۔ میاں کرم دین صاحب مرحوم

میاں کرم دین صاحب مرحوم پنڈی لالہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ لڑکپن کی عمر میں اعلیٰ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور بہت مدت تک اعلیٰ حضرتؒ کی ذاتی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کی وفات کے بعد حضرت ثانیؒ (حضور قبلہ عالم کے والد ماجد) کے ساتھ بھی ایسے ہی خدمت گذار رہے۔ سفر و حضر میں ساتھ رہتے اور قلم دان وزارت انہیں کے پاس ہوتا۔ حضور قبلہ عالمؒ کا زمانہ آیا تو آپؒ کے ساتھ بھی حقیقی خدمت گزار کی حیثیت سے زندگی گزار گئے۔ سفر و حضر میں ساتھ رہے اور ہر کام میں مشیر اور مددگار۔ حضور قبلہ عالمؒ کے پوتے حضرت صاحبزادے سعید احمد صاحب کے بچوں کے ساتھ بھی ویسی ہی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے جیسے اپنے مرشد کے ساتھ کرتے تھے۔ گویا وہ اس خاندان کے سات پشتی خادم تھے۔ اسی نوے سال سے زیادہ عمر ہو چکی تھی۔ آخری عمر میں حضور قبلہ عالمؒ کے حکم سے اپنے گاؤں پنڈی لالہ میں مقیم ہو گئے لیکن بیمار ہوئے تو پھر بیربل شریف تشریف لے آئے اور کئی ماہ صاحب فراش رہے۔ حضور قبلہ عالمؒ ان کا خاص خیال رکھتے اور اکثر خادموں کو ان کی دن رات دیکھ بھال پر لگا رکھا تھا۔ ان کے اس مرض الموت میں راقم الحروف کو بھی ان کی خدمت کا موقع ملا۔ حضور قبلہ عالمؒ کے وصال سے تقریباً ایک سال پہلے ۱۹۶۶ء میں وفات پائی اور اعلیٰ حضرت بیربلویؒ کے روضہ مبارک کے شمال مشرق دفن ہوئے۔

۲۔ حیدر شاہ صاحب مرحوم

حیدر شاہ مرحوم ضلع گجرات کے گاؤں عیدل کے رہنے والے تھے۔ معلوم نہیں کب خدمت اقدس" میں حاضر ہوئے لیکن پھر واپس نہیں گئے۔ ایک بار جب ان کا بھائی فوت ہوا تو ان کے والد صاحب انہیں واپس لے گئے۔ لیکن ان کا سارا خاندان شیعہ مذہب رکھتا تھا اس لیے حیدر شاہ صاحب کا وہاں دل نہ لگا اور پھر واپس آ گئے۔ کبھی کبھی ان کے والد صاحب انہیں ملنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ کاشتکاری کے کام کی نگرانی' مویشیوں کی دیکھ بھال' فصل کی برداشت' مزارعین سے لین دین اور لنگر کے مہمانوں کے قیام و طعام کے ذمہ دار تھے۔ حضور قبلہ عالم" کی عدم موجودگی میں گھروں کے جملہ ضروریات کی فراہمی کے ذمہ دار تھے۔ حضور قبلہ عالم" کی آل اور اولاد سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ کام لینا دینا خوب جانتے تھے۔ اہل دہ مردوزن ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ تمام متوسلین بھی ان کے مقام و مرتبے سے باخبر تھے اور ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ راقم الحروف کو ان کے ساتھ سات آٹھ ماہ لنگر میں رہنے کا اتفاق ہوا تو اس ناچیز پر بھی والدین کی طرح مہربان تھے۔ حضور قبلہ عالم" کے وصال کے بعد بیمار ہو گئے اور بینائی جاتی رہی۔ آخری ایام میں مسجد کے حجرے میں قیام رہا۔ طویل علالت کے بعد فوت ہوئے اور بیربل شریف میں دفن ہوئے۔

۳۔ سید عباس علی شاہ صاحب"

سید عباس علی شاہ صاحب گھوگھانوالی ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ آپکا سارا خاندان شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور آپ کے والد بھی شیعہ تھے۔ جس زمانے میں ضلع شیخوپورہ میں مدرس تعینات تھے تو حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرقپوری" سے روحانی نسبت پیدا ہوئی۔ حضرت میاں صاحب" کے وصال کے بعد حضور قبلہ عالم" کے ساتھ عقیدت اور نیازمندی کا سلسلہ استوار کیا اور بقیہ زندگی لنگر شریف کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ زمین کے لین دین' عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کے ذمہ دار تھے۔ اس سلسلے میں کئی کئی ماہ تک بیربل شریف میں مستقل قیام

رکھتے تھے۔ شاہ صاحب بڑے نرم دل' عبادت گزار اور ذکر و فکر میں رہنے والے تھے۔ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ مرد و زن دعا کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آخری عمر میں دل کے عارضہ میں مبتلا رہے۔ نماز ظہر کے وقت دوران سجدہ ۳۰ ستمبر ۶۹ء کو واصل بحق ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں میں دفن ہوئے۔

حضور قبلہ عالمؒ کے چند مخلص احباب کا سطور بالا میں ذکر خیر "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق ہے۔ دیگر سینکڑوں احباب ایسے ہیں جو نیکی و طہارت' ورع و تقویٰ اور راہ سلوک الی اللہ میں کامل نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں سے اگر ہر ایک کا حضور قبلہ عالمؒ کے ساتھ روحانی تعلق اور اس کے نتیجے میں ہونے والی روحانی تربیت کا ذکر کیا جائے تو کئی صفحات درکار ہیں۔ لہٰذا طوالت کے خوف سے صرف چند حضرات کے ناموں کے اندراج پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ شیخ محمد امین صاحب مرحوم لاہور۔
۲۔ مولوی محمد معصوم صاحبؒ للہٰ شریف ضلع جہلم۔
۳۔ مولانا غلام محمد صاحب مرحوم چھنی جاکے ضلع گوجرانوالہ
۴۔ قاضی عبداللطیف صاحبؒ ساکن سوہادہ ضلع گجرات
۵۔ ڈاکٹر دل محمد قریشی صاحبؒ پی ایچ ڈی۔ لاہور
۶۔ چوہدری محمد افضل خان صاحب ایم ایس سی۔ لاہور
۷۔ چوہدری محمد صدیق صاحب ایم ایس سی۔ لاہور
۸۔ ملک ظفر علی خان صاحبؒ بی اے۔ لاہور
۹۔ چوہدری دوست محمد صاحب۔ چک نمبر ۲۴ شمال سرگودھا
۱۰۔ مولانا عبدالخالق صاحب بکھر بار ضلع سرگودھا
۱۱۔ ملک حبیب الرحمٰن صاحبؒ سکنہ کھوڑہ ضلع خوشاب
۱۲۔ سید مظفر حسین شاہ منڈی بہاء الدین
۱۳۔ قاری غلام محمد صاحبؒ دھوکہ منڈی (فیض پور) ضلع شیخوپورہ
۱۴۔ حاجی معراج الدین صاحبؒ گوجرانوالہ شہر

۱۵۔ حاجی مولا داد صاحب نمبردار ڈنگی ضلع گوجرانوالہ
۱۶۔ ملک شیرباز صاحب کھوڑہ ضلع خوشاب
۱۷۔ حکیم فضل حسین صاحب مرحوم جاکے چٹھہ ضلع گوجرانوالہ
۱۸۔ سید مقبول حسین شاہ صاحب بھکر ضلع میانوالی
۱۹۔ حاجی علی محمد صاحبؒ فاروق آباد ضلع شیخوپورہ
۲۰۔ چوہدری محمد اسماعیل حال مقیم امریکہ
۲۱۔ ملک مشتاق احمد صاحب لاہور
۲۲۔ مولوی خورشید احمد صاحب کھوڑہ ضلع خوشاب
۲۳۔ مفتی محمد زبیر صاحب ضلع منڈی بہاؤالدین
۲۴۔ مولوی محمد حسین (حضور قبلہ عالمؒ کے بھانجے) چک راداس سرگودھا
۲۵۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ تلی شریف ضلع خوشاب
۲۶۔ ڈاکٹر عبیدالرحمان صاحب کھوڑہ ضلع خوشاب حال مقیم مکہ مکرمہ
۲۷۔ حافظ محمد شریف مرحوم جاکے چٹھہ ضلع گوجرانوالہ
۲۸۔ محمد فاضل صاحب مرحوم موضع گھوگھانوالی ضلع گجرات
۲۹۔ میاں متعلی صاحب مرحوم موضع گھوگھانوالی ضلع گجرات
۳۰۔ حکیم عبدالغفور صاحب کوٹ بھائی خان ضلع سرگودھا
۳۱۔ صوفی عبدالحکیم مرحوم کوٹ بھائی خان ضلع سرگودھا
۳۲۔ محمد عارف شاہ قریشی جھاوریاں ضلع سرگودھا
۳۳۔ مولوی محمد زبیر صاحب مرحوم ضلع شیخوپورہ

* * * * * *

باب ۱۶

مکتوبات

تاریخ ادبیات میں مکتوبات کے نام سے ایک نئی صنف کا وجود میں آنا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مرہون منت ہے کیونکہ آپؒ کے نجی خطوط اپنی ہمہ گیری کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف سے بھی زیادہ اہمیت حاصل کر گئے تھے۔ ان مکتوبات قدسیہ کو ہمارے دینی ادب میں جو مقام حاصل ہوا وہ ایک الگ موضوع ہے۔ تاہم بعد میں آنے والے بہت سے لوگوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے اس طرز کو اپنانے کی کوشش کی لیکن ان کی یہ کوشش وہ مقام حاصل نہ کر سکی جو آپؒ کے مکتوبات کو حاصل ہوا۔

صدیوں بعد ہمارے حضور قبلہ عالم حضرت خواجہ محمد عمر بیربلویؒ نے تصوف اسلام کی ترجمانی کا انہیں خطوط پر بیڑہ اٹھایا جن کی بنیاد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے رکھی تھی۔ آپؒ نے اس فن لطیف میں جو ادب تخلیق کیا۔ اس کا مفصل ذکر پچھلے ابواب میں گزر چکا ہے جہاں حضور قبلہ عالمؒ کی مستقل تصانیف میں طریقت و حقیقت کے اسرارو رموز کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے' وہاں آپؒ کے نجی خطوط میں بھی ایسے ہی حقائق و معارف سمو دیئے گئے ہیں۔ اگر ان مکتوبات کو اسی طرز پر شائع کیا جائے جس پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوب شائع ہوئے ہیں تو تصوف اسلام کے ادب میں ایک اور گرانقدر اضافہ ہو گا۔ حضور قبلہ عالمؒ کے اپنے ہم عصر اور متوسلین کے نام لکھے گئے مکتوبات کی تعداد ہزاروں میں ہے اور جن کے جمع کرنے کا کام ہنوز باقی ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک احباب کی انفرادی کوشش سامنے آئی ہے لیکن اصل کام ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کا متقاضی ہے۔ اس باب میں صرف چند مکتوبات کو نمونے اور تبرک کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

بنام حضرت قبلہ ثانی میاں غلام اللہ صاحب شرقپوریؒ

منبع جود و کرم حضور فیض اتم حضرت المکرم مولانا و مرشدنا جناب میاں صاحب دام ظلکم العالی۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ بے نہایت خوشی ہوئی۔ الحمد للہ اِس عاجز کی التجا نے شرف قبولیت حاصل کیا۔ ثم الحمد للہ۔ آنجناب اپنی بصیرت خداداد سے ہر کام کو سرانجام کرنے کی بہتر سے بہتر تدابیر فرما سکتے ہیں۔ صرف کام کا شرف منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔ اب جبکہ اس کارخیر[1] کے لیے حضور نے اپنے قصد گرامی کو مستعد پایا اور اپنے ذمے لے لیا۔ تو اب ترتیب کیا۔ تفحص حالات اور دیگر ضروری امور کے بارے میں آنجناب سے بہتر تدبیر کون کر سکتا ہے۔ تاہم مختصر سا خاکہ جو میرے ذہن میں ہے۔ وہ نہایت ادب سے پیش کرتا ہوں۔

ع کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ باقی ہیں

"جنید را دیدہ بود" کے مصداق ابھی بعض حضرات ایسے موجود ہیں جنھوں نے اس غوث زمانہ' مجدد طریقت اور ہادی عالم کا فیض براہ راست پایا۔ حضورؒ کی صحبت میں بیٹھے اپنے اندر تبدیلیاں دیکھیں۔ اب وہ جدائی کے آنسو بہاتے ہیں۔

سہ یا رب چہ عہد بود؟ کہ عہد وصال بود
در گلشن امید نسیم جمال بود
دوراں چناں ربود نما عہد آں وصال
گفتی مگر در آئینہ جان خیال بود

ایسے لوگ جو براہ راست حضرت قبلہ مرشدناؒ سے کچھ مدت فیض یاب ہوتے رہے۔ انہی لوگوں کی ایک جماعت کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔ وہ اپنی آپ بیتی حاضری دربار' پہلی حاضری' ملفوظات' مکتوبات' اپنی آنکھ دیکھی اور تن بیتی کرامات کو تحریر کریں۔ بعض لوگ سنی ہوئی باتیں دیکھنے والوں سے زیادہ وثوق سے یاد رکھتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں وہ بھی اس محفل میں شریک ہو

۱۔ کارخیر سے مراد حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ کی سوانح حیات کی تدوین ہے۔

جائیں۔ ایسی محفل ایک مرکز میں ہو اور اسی قسم کی مختلف مجالس، مختلف علاقوں میں قائم کی جائیں۔ جو پوری جدوجہد سے اور ہر ممکن ذریعہ سے مختلف صاحب نسبت اصحاب سے اور متعلقین سے حالات دریافت کریں اور حیطہ تحریر میں لائیں۔ یا خود ایسے لوگوں سے لکھوا کر مرکز کو بھیج دیں۔

مرکزی جماعت علاقائی جماعتوں کے ان مراسلات کو ترتیب دے۔ اس ترتیب کے بعد ایسے آدمی کو منتخب کرے جو تجربہ کار، صاحب قلم اور صاحب انشاء ہو۔ اس حال و قال کے امتزاج سے حالات کو اپنے طریق پر ترتیب دے۔ تاکہ علمی اور حالی دونوں قسم کے فیوض پڑھنے والا حاصل کر سکے۔ کتاب دو حصوں میں منقسم ہو۔

اول ذاتی حالات خاندان، والدین، مولد شریف، شرقپور شریف کے مختصر حالات بچپن، تربیت، جوانی تک کے مختلف مراحل، حیات طیبہ، اخلاق، عادات، تعلیم۔

دوم ولایت کے متعلق، نسبت باطن، حصول فیض، تربیت کا زمانہ اور اس کے مختلف حالات اور مراتب و منازل، سجادہ خلافت پر متمکن ہونا۔ طالبین ارشاد کی تربیت، طریقہ تربیت، طبع مبارک، آنے والوں سے سلوک، فیض عام، کرامات آنے والوں کے حالات میں تبدیلی، سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ و السلام سے عشق، سلوک و جذب، ہر دو کا امتزاج، عمر مبارک، وصال، روضہ مقدس، فیض جاری، سجادہ نشین عالی مقام کا فیض اور طالبین کی آمد وغیرہ۔ لنگر شریف، رہائش گزران وغیرہ۔

اس ترتیب سے صحیح حالات مجتمع ہو جائیں اور یہ ایک ایسا امر عظیم ہے کہ تبلیغ دین، تبلیغ تصوف، اشاعت سنت اور صحیح اسلام کی حقیقی تصویر اسی ایک کتاب کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

اور یہ کام معمولی نہیں اور نہ معمولی خیال فرمایا جائے بلکہ عوام و خواص میں اس کی بہت بڑی اہمیت پیدا کی جائے اور دو تین سال کے اندر بھی اگر یہ کام سرانجام ہو جائے تو بہت بڑی کامیابی ہو گی بفضلہٖ تعالیٰ۔

ایک وقت مجھ پر تھا کہ میں قلم پر قادر تھا۔ حال بھی اس کام کے لیے اہل تھا۔ لیکن میں بعض ناگزیر موانع کی وجہ سے اور کسی قابل مشیر کے اس وقت نہ ملنے سے یہ کام نہ کر سکا۔ تاہم

صاحب نظر کے لیے میں نے جو کچھ لکھا وہ اس قدر ہے کہ قبلہؒ اور ان کی جھلکتی ہوئی تصویر کے نور سے بھری ہوئی جھلک سامنے آ جائے اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

عرس سے قبل ہی اگر آنجناب بذریعہ خطوط یا بذریعہ اخبارات اپنے ارادہ مبارک کا اظہار فرما دیں اور مجلس مشاورت کی تاریخ قبل از عرس یا بعد از عرس متعین فرما دیں۔ تو کام کی "بسم اللہ" عرس پر شروع ہو جائے گی۔

استخارہ مسنونہ۔ اس بارے میں بھی بعض احباب سے کرا لیا جائے اور یہ مستحسن ہو گا۔[1]

زیادہ آداب و نیاز

آپ کا پیارا محمد عمرؒ

ا۔ خط مطبوعہ ماہنامہ "نور اسلام" شرقپور۔ فروری ۱۹۵۵ء

بنام صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول صاحب مد ظلہ سجادہ نشین للہ شریف

ا۔ میرے محترم و بزرگ جناب صاحبزادہ صاحب' زاد شرفہ' و فیوضہ'

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

محبت نامہ تشریف لا کر باعث عزت ہوا۔ آپ کی دعاؤں کے صدقے اب مجھے کافی آرام ہے اور روزے خوشی سے رکھے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مسند عالیہ کا شہ نشین بنائے اور آپ کے دل روشن کی ضیا پاشی سے دنیا روشن ہو۔

آپ کے جذبات صادقہ کو اللہ تعالیٰ بھڑکائے اور آپ کو اپنے خیال میں اتنا غرق کرے کہ تن من کی خبر تک نہ رہے۔

کیا ہدایات ہیں۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں کمی اگر ہے تو یہی ہے کہ خاندان میں جو کچھ کیا جاتا ہے ایک معمول کر کے کیا جاتا ہے' آپ کو اس سے ترقی کرنی چاہئے اور جو کچھ کیا جائے' صرف اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا چاہیے۔ کرتے آپ لوگ بہت کچھ ہیں' صرف روح لانے کی ضرورت ہے۔ خوف و رجا جب تک بندے میں پیدا نہ ہو' اس وقت تک عبودیت کاملہ نصیب نہیں ہوتی۔ اب آپ کے خاندان میں اچھے بندے (یعنی صاحب ذکر و فکر) بہت کم رہ گئے ہیں' جس کا اثر تمام خانقاہ پر وارد ہو رہا ہے۔

لوگوں کو پس ماندگان کی فکر کھائے جا رہی ہوتی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس فکر سے تو بلند کر دیا' کاش دوسرے فکر سے بھی رہائی ہو جاتی اور سیدھے اس کے قدموں پر جا گرتا۔

امید ہے کہ جناب کے مزاج گرامی اچھے ہوں گے۔ ایک خط بھیکے والا سے جناب کا موصول ہوا تھا۔ خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی کہ محمد دین نے آپ کو لکھنے کی کیوں تکلیف دی۔

زیادہ دعا

طالب دعا

محمد عمرؒ

بنام صاحبزادہ محبوب الرسول صاحبؒ للہ شریف

درابن

(بوقت عصر)

قبلہ و کعبہ سلامت باکرامت باشد

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

ایک مدت سے آپ کے خط کا انتظار تھا' لیکن یاد نہیں فرمایا۔ میں نے دیدہ دانستہ نہیں لکھا۔ شاید میری گستاخیوں پر نظر پڑ گئی اور طبع ملول ہو گئی۔ اب وقت گذر گیا۔ طبیعت صاف ہو گئی ہو گی اور چاہتی ہو گی کہ میں آپ کو عریضہ لکھوں۔

درابن موسیٰ زئی شریف سے چار میل پر برساتی نالہ سے شمال جانب ہے۔ بارش کی وجہ سے ایک رات ڈیرہ اسماعیل خان اڈہ موٹر پر گذاری۔ خدا خدا کر کے جب موسیٰ زئی شریف پہنچے تو رات کو پھر بارش ہوئی۔ ہرچند صاحبزادہ نے اصرار فرمایا' لیکن طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ خانقاہ پر بوجھ ڈالا جائے۔ لاری بارش کی وجہ سے رک چکی تھی۔ اس لیے صاحبزادہ صاحب نے میرے لیے سواری مہیا کی اور دوسرے یاران طریقت میرے ساتھ پیدل آ گئے۔

راستہ خراب اور کیچڑ پانی سے پر تھا۔ تاہم گیارہ بجے درابن پہنچ گئے۔ لیکن کوئی گاڑی' کوئی بس ڈیرہ اسمٰعیل خان جانے کے لیے تیار نہ تھی۔ اڈہ پر ایک چھوٹی سی مسجد میں قیام ہے اور شاید کل کوئی سامان مہیا ہو جائے ان شاء اللہ۔ طبیعت بھی اس سفر میں صاف نہیں رہی۔ اس وقت طبیعت کچھ صاف ہے اور آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

۱۰-۴-۶۳ کو سرگودھا سے روانہ ہوئے اس وقت نفری تقریباً سترہ افراد کی تھی۔ عصر سے پہلے سیال شریف پہنچ گئے۔ فاتحہ پڑھا' سجادہ نشین صاحب موجود نہ تھے' ان کے بھائی اور چچا صاحب سے ملاقات ہوئی اور وہ بہت خوش تھے۔ چائے پلائی اور ہم نے رخصت طلب کی۔ رات جھامرہ رہے' جو وہاں سے ۱۸ میل تھا۔ اپنے ایک دوست عبدالقادر کے ہاں رات بسر کی اور صبح چائے پی کر روانہ ہوئے اور تقریباً ۲ بجے سلطان صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہو گئے' لیکن سجادہ

نشین وہاں بھی موجود نہ تھے اور نہ ہی حاجی سلطان عبدالحمید صاحب تھے۔ مناسب یہی سمجھا کہ اپنا انتظام کریں۔ کھانا اپنے پاس تھا۔ کھایا۔ قرآن مجید کا ختم پڑھ کر ہدیہ پیش کیا گیا۔ دعائیں کی گئیں اپنے لیے اپنے اقرباء کے لیے اور خصوصاً تمام اہل سلاسل کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنی برکتیں نازل فرمائے اور ان میں طریقت جاری و ساری رکھے۔ صبح سویرے وہاں سے روانہ ہو کر تقریباً دس بجے لیہ [1] پہنچ گئے۔ جو ستر میل کے فاصلہ پر تھا۔ اگرچہ گاڑی تیار تھی' لیکن آسانی کے لیے تیسری گاڑی میں جانے کا خیال کیا' جو اڑھائی بجے جایا کرتی تھی' لیکن جب وقت مقررہ پر پہنچے تو گاڑی ندارد۔ کہا گیا کہ ابھی تک وہ آئی ہی نہیں۔ ایک دوست پیر سید محمد شاہ صاحب کے مخلص کے ہاں رات بسر کی پر تکلف دعوت ہوئی۔ صبح بذریعہ گاڑی کوٹ ادو پہنچے لیکن گاڑیاں ملتان سے بھری بھری آئیں اور چلی گئیں۔ آخر ایک گاڑی میں ساڑھے آٹھ بجے موقع مل گیا اور تمام دوست بیٹھ گئے۔ تقریباً ۱۱ بجے تونسہ شریف پہنچ گئے۔ دریائے سندھ کے پل سے گذرے۔ فاتحہ پڑھا۔ روضہ شریف کا گنبد اور فقر کے شاہانہ ٹھاٹھ [2] دیکھ کر حیرت میں آ گئے۔ کیا کہیں۔ کتنا بڑا وسیع روضہ' تمام فرش سنگ مرمر اور تمام مزارات سنگ مرمر کے تھے۔ برآمدہ اور تسبیح خانہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ کیا ذکر کروں لیکن مسجد اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹی تھی۔ بلکہ وہی نقشہ تھا جو حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب" [3] نے بنیاد رکھا تھا۔ تعارف سے ایک بہت بڑا مکان مل گیا اور کھانا بھی لنگر شریف سے پہنچ گیا۔

ظہر کی نماز کے بعد سجادہ نشین سیال شریف بھی پہنچ گئے۔ ان سے نیاز حاصل کی وہ بہت خوش ہوئے۔ ملاقات کا بدل ہو گیا۔ ختم کلام اللہ پڑھا۔ پھر دعائیں کیں۔ خصوصاً یاران طریقت کے لیے' پھر فارغ ہوئے یہاں بھی سجادہ نشین موجود نہ تھے۔ چھوٹے صاحبزادہ سے نیاز حاصل کیا۔ نوجوان تھے۔ نذر و نیاز حاضر کی' جو قبول فرما لی گئی۔ رات کو کھانا کھایا۔ صبح سویرے فاتحہ

۱۔ ضلع مظفرگڑھ کی تحصیل۔

۲۔ رعب

۳۔ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی" کے پوتے ان کے عہد میں بھی سلسلہ شریف کافی بڑھا۔

پڑھا۔ لیکن بارش شروع ہو گئی۔ بارش ہی میں بس پر سوار ہوئے۔ بڑی بھیڑ تھی اور بڑی تکلیف سے جگہ ملی اور ڈیرہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں تھوڑی بہت بوندا باندی ہوتی چلی گئی۔ تقریباً بیس میل سڑک پختہ تھی پھر کچی آ گئی۔ پھر تو خدا ہی سامنے رہا۔ تقریباً چالیس میل کچا سفر شروع ہوا۔ جہاں پل صراط کا نمونہ تھا۔ کئی جگہ گاڑیاں پھنسیں اور نکالی گئیں اور پھر پختہ سڑک ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی آ گئی۔ جو تقریباً تیس چالیس میل لمبی ہو گی اور تقریباً اڑھائی بجے ڈیرہ پہنچ گئے۔ یہاں بھی موٹر نہ ملی اور رات یہیں بسر کی۔ دوسرے روز موسیٰ زئی شریف پہنچے۔ یہاں بھی سجادہ نشین صاحب موجود نہ تھے' لیکن ان کے صاحبزادگان نے نہایت اہتمام سے مہمان نوازی کی اور پرانے روایات مہمان نوازی' جو اس خاندان کے چلے آتے ہیں وہ تازہ کئے گئے۔ یہاں بھی ختم کلام پاک پڑھا اور حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری" اور حضرت حاجی محمد عثمان صاحب" اور حضرت خواجہ سراج الدین" کے وسیلے سے دعائیں کی گئیں۔ غرض کوئی ایسا مقام نہیں' جہاں آپ کو اور آپ کی اولاد امجاد کو اور آپ کے اجداد رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کو یاد نہ کیا گیا ہو۔ یہ سفر میں نے صرف اس لیے کیا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ ان کے زمرے میں شامل فرمائے اور یہی دعا پڑھتا چلا آ رہا ہوں۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ [1] (۱۲: ۱۰۱)

ہر صورت ۱۹ اپریل کو گھر پہنچنا تھا لیکن عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ [2]

آج دوستوں نے ٹیلیفون اپنے اپنے دفاتر کو دراین سے کئے اور عدم حاضری کی اطلاع دی کہ ٹریفک بند ہے۔ اور حاضری نہ ہو سکے گی۔ اب دوستوں کے نام پیش کرتا ہوں۔

۱۔ حاجی فضل احمد صاحب ۲۔ پیر سید محمد شاہ صاحب ۳۔ چوہدری محمد صدیق صاحب ۴۔ خان عبدالغفار خاں سرگودھا ۵۔ حافظ دوست محمد صاحب ۶۔ حافظ حبیب شاہ صاحب ۷۔ ملک محمد نواز خاں کھوڑہ ۸۔ منشی عبدالمجید صاحب پسر مولوی غلام محمود صاحب ۹۔ صوفی محمد اقبال صاحب

۱۔ مجھے مسلمان کی حیثیت سے بہت موت دے اور صالحین میں سے اٹھا۔

۲۔ میں نے اپنے رب کو اپنی عزائم کی ناکامیوں سے پہچانا۔

۱۰۔ قاضی محمد رضا صاحب تلی ۱۱۔ حاجی فضل کریم صاحب بھیرہ ۱۲۔ ممتاز صاحب پراچہ بھیرہ ۱۳۔ عبدالحکیم صاحب کوٹ بھائی خان ۱۴۔ سید مظفر حسین شاہ صاحب منڈی بہاء الدین۔ عزیز ضیا محمد صاحب و عبدالرشید بھیروی حضرت سلطان صاحبؒ سے واپس چلے گئے تھے۔ غرض اپنا بھی کھایا' پرایا بھی کھایا' کچھ دیکھا' کچھ دکھایا' لیکن طریقت کی درماندگی ہر جگہ نظر آئی۔ شاخیں پھوٹ رہی ہیں' لیکن تنے کم زور ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں نئی زندگی عطا فرمائے وھو یحیی العظام وھی رمیم یہ قدرت ہی ہے کہ ازسرنو زندگی بخشتی ہے اور نونہالان طریقت اپنے آپ کو سنبھالیں۔ کتنا دکھ ہوتا ہے کہ مقدس مسندوں پر وہ بیٹھے ہیں' جو اس کے اہل نہیں ہیں۔ ان کو خود شرم آتی ہے کہ ہم کس منہ سے بیٹھے ہیں۔ اس کا احساس میں نے ہر جگہ پایا۔ اللہ ہم پر ان پر اور تمام مخلوقات پر رحم فرمائے اور اپنے دین کو زندہ فرمائے اور ہمارے دلوں میں ایمان و یقین بڑھے اور ہمیں حسن خاتمہ سے سرفراز فرمائے۔

رَبَّنَا اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ (۲: ۲۵۰) [۱]

محترم عزیزم مولانا محمد معصوم صاحب کو میری طرف سے دعا و سلام فرما دینا۔ ان کی یاد بھی زیادہ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے آمین۔ درخواست ہے کہ عزیزم سعید احمد مدت سے بیمار چلا آ رہا ہے' وہ لاہور علاج کے لیے گیا ہے اس کے لیے بھی دعا فرمائیں۔

والسلام

بفرمان حضور قبلہ عالمؒ

۱۔ اے ہمارے رب ہمیں صبر عنایت فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار پر فتح دے۔

بنام حضرت صاحبزادہ سید محفوظ حسین صاحب" سجادہ نشین بھلیر شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۶۵ : ۳) (۱)

حضرت قبلہ شاہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

شفقت نامہ پہنچا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ جواب میں تاخیر ہوئی اور انتظار کی تکلیف آپ کو اس عاجز نے دی معافی کا خواستگار ہوں۔

سب کام اپنے کرنے تقدیر کے حوالے
نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

آیت بالا سامنے آ گئی' جو زیب عنوان کر دی گئی۔ عاجز سیاہ کار کس قابل' کس منہ سے کچھ کہے! لیکن حسب ارشاد دعاگویان دربار میں ہوتے عرض ہے

کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

مجھے کامل امید ہے کہ ان شاء اللہ مولیٰ کریم آپ کی اور آپ کے خاندان کے لنگر کی عزت قائم رکھیں گے اور پاک لوگوں کی اولاد کو ذلیل نہیں فرمائیں گے۔ بحرمتہ الصاد والنون۔

جب بھی آپ کا خط آتا ہے' دعائی الفاظ نکالنا شروع کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ منظور فرمائے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (۳ : ۱۷۳) (۲) بزرگ لوگ مجرب فرماتے رہے۔

زیادہ آداب و نیاز
طالب دعا
محمد عمر کان اللہ لہ'

۱۔ اور جو خدا پر بھروسہ کرے گا' تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔

۲۔ ہم کو خدا کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

بنام صاحبزادہ خالد سیف اللہ مدظلہ' سجادہ نشین بیربل شریف

عزیز از جان خالد جاں سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

وہ دن آگیا جس کے لیے دو سال تم محنت کر رہے تھے کچھ کیا کچھ نہ کیا۔ اب تو صرف اللہ کا بھروسہ رہ گیا۔ دعا کریں تم اچھے نمبروں پر کامیاب ہو۔ اور سرخروئی نصیب ہو اور تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ امتحان کے دنوں میں ہمیشہ پس ماندہ پانی وضو کا دوچار گھونٹ پی لیا کریں۔ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ (۲۰ : ۲۵' ۲۶' ۲۷) پرچہ لکھنے سے پہلے پڑھنا بڑا ضروری ہے۔ تم شاید جانتے ہو گے کہ میں بیکار پڑا ہوں ایک جان اور ہزار دکھ۔ کہیں مقدمہ ہے کہیں ناراضگی ہے' کہیں رنجش ہے۔ غرض اس سے بڑھ کے سب سے بڑی بات غفلت اور گناہ۔ اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائے۔ تمہیں کامیاب فرمائے اور تمہیں دین کا رہبر بنائے دنیادار ایم اے۔ بی اے لاکھوں پھرتے ہیں لیکن کیا قیمت۔ قیمت تو وہی ہے جو اللہ کے نزدیک ہو۔ جس کی قیمت اللہ کے ہاں ہے۔ اس کی ساری دنیا میں قیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز فرمائے۔ دین میں رہبر بنائے۔ غالباً ۲۲ جون کو پہنچ جاؤں گا۔ ملک ظہور کے لیے ساٹھ روپے بھیج رہا ہوں اور تمہیں سو روپیہ پہنچ چکا ہے۔[1]

والدعا

محمد عمر

ا۔ یہ خط صاحبزادہ خالد سیف اللہ مدظلہ العالی کو اس وقت لکھا گیا جب آپ لاہور میں بی۔ اے کا امتحان دے رہے تھے۔

پیغام بنام مدیر "سلسبیل" حضرت حاجی فضل احمد صاحبؒ

عزیزم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ اوارہ نے سہ ماہی رسالہ "سلسبیل" نکالنے کا کلی فیصلہ کر دیا ہے۔ الحمد للہ علی ذلك

اگرچہ تصوف۔ اپنی روشنی توحید کے سوا کوئی دوسری روشنی نہیں چاہتا لیکن آج بڑا ذریعہ اشاعت پریس اور طباعت ہے۔ اس کے سوا افکار کا پھیلنا بڑا مشکل ہے۔

توحید خود پھلتی پھولتی ہے۔ لیکن توحید کی آبیاری تحریری صورت میں ضروری ہے۔ یہ بیشک مشہور ہے۔

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ے نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

فطرتی میلان رکھنے والے خود پیاسے' خود آبحیات کے لیے جنگل بیلے اور رات کی تاریکی جھیلتے ہیں لیکن وہ بہت کم۔ اس لیے ضرورت ہے کہ موجودہ وقت آبحیات کے چند قطرے ہی کیوں نہ ہوں۔ کسی کے لب خشک تک پہنچائے جاویں۔ دینی رسالے بہت ہیں اور پڑھنے اور سمجھنے والے کم۔ لیکن جس ذوق توحید کو پیدا کرنے کے لیے ہم رسالہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے لکھنے والے بھی کم اور پڑھنے والے بھی بہت کم۔ اس لیے جس اخلاص سے یہ کام شروع کیا جا رہا ہے۔ خدا کرے یہ اخلاص جب تک رسالہ جاری رہے ہم میں قائم رہے اور کوئی دنیاوی یا کوئی تعصب مجازی آڑے نہ آئے۔ یہ دونوں چیزیں ہمارے رسالے کے مفاد کے خلاف ہیں۔ ہمارا مقصد نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس لیے ہمیں بلند اور اعلیٰ طریقہ پر نہایت وسیع النظری سے چلنا

چاہئے اور وہ کچھ پیش کرنا چاہئے۔ جو محبت و اخلاص سے بھرپور ہو۔ رسمی تصوف و فقر ایک قید ہو چکا ہے اور اس قید میں ایک دنیا قید ہے۔ علمی دنیا کا الگ تصوف ہے اور مادہ پرستوں کا ایک الگ فقر ہے۔ ہمیں وہ فقر پسند ہے جو کتاب و سنت کے اندر انوارالٰہیہ کے ساتھ چمکتا ہو اور جس کے دیکھنے سے دل کو سکون اور خلق اللہ کے ساتھ محبت پیدا ہو اور نفرت و اختلاف دور ہو ہماری صراط مستقیم ایک ہے اور وہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ (۳ : ۵۱) قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (۶ : ۱۶۲) اخیر میں بارگاہ الٰہی سے دست بدعا ہوں کہ اللہ العالمین ہمارے اس مبارک ارادے کو عملاً کامیاب فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

محمد عمر (کان اللہ لہ)

بنام صوفی محمد اقبال صاحبؒ ساکن بھیرہ ضلع سرگودھا

عزیز محترم صوفی صاحب زاد شرفہ'

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

اللہ تعالیٰ بخیریت عزیز اور اس کی والدہ کو لائے۔ آپ کے متواتر خط پہنچ رہے ہیں لیکن روزانہ خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہفتہ میں ایک آدھ کافی ہے۔

آج خط صرف اسی وجہ سے لکھ رہا ہوں کہ کل خط میں یہ لکھنا بھول گیا کہ ہمارے علاج معالجہ کے لیے آپ اپنی گرہ سے صرف کرنے کے لیے تیار ہیں بلکہ کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں۔ عزیزہ خورد (والدہ مسعود) کی بیماری کے ایام میں حاجی فضل کریم صاحب نے مصارف برداشت کیے۔ پھر آپ لوگ مجبور کرتے ہیں۔

عزیز! آپ لوگ میرے مخلص دوست ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ آپ کا اخلاص تو یہی چاہتا ہے کہ یہ خدمت اپنے سر لیں۔ لیکن میرا اخلاص یہ چاہتا ہے کہ اس بارے میں اپنا خرچ ادا کروں اور آپ لوگ مجھے پریشان نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر بڑا کرم فرما رکھا ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہے اور حالات زمانہ سے صرف واقفیت نہیں بخشی۔ بلکہ طبائع انسانی کا بے انداز علم دیا ہے۔ اس لیے جب تک میرے پاس کچھ ہو۔ میرا ضمیر کسی کو مفت اتنی تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیشہ حکیم کے زیر نظر علاج کو پسند کرتا ہوں۔ جب تک مریض حکیم کے زیر سایہ اور زیر نظر نہ ہو۔ علاج بے سود ہوتا ہے۔ بلکہ حکیم کی توجہ مریض کی طرف قائم نہیں رہتی اور نہ ہی مریض کا بھروسہ کامل حکیم پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب تک حکیم صاحب اپنی مرضی سے اجازت نہ دیں۔ مریضہ وہاں رہے۔ اللہ تعالیٰ شفائے کلی بخشے نت یہ علاج معالجہ نہیں ہو سکتا نہ آنا جانا ہو سکتا ہے۔

مخلصم حاجی صاحب کو بعد دعا و سلام کہ آپ کے اخلاص میں کمی نہیں۔ گھر کا معاملہ ہے۔ آپ ضرور مصارف ادویہ قبول کرلیویں۔ یہ آپ کی سعادت ہوگی۔

میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام نامساعد و نامناسب حالات سے مجھے بچائے اور یقین کامل یعنی ایمان، عرفان، محبت عامہ، محبت خدا اور رسول ﷺ عنایت ہو۔

ع بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

احباب کو السلام علیکم

والدعا

آپ کا محمد عمر

بنام پیر سید محمد شاہ صاحبؒ سابق خطیب جامع مسجد پولیس لائن سرگودھا

باسم ربی العلیم

عزیز محترم پیر صاحب زادہ شرفہ، و رشدہ،

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

خیریت ہر دوجہاں مطلوب خط پہنچا۔ دل کو بڑی تسلی ہوئی۔ کہ دل دنیا سے سرد ہو رہا ہے اور آخرت کا خیال غالب۔

مجھے ہمیشہ آپ کا خیال رہتا ہے اور دل کی خواہش ہے کہ سرگودھا آپ کے لیے مبارک ہو اور آپ سرگودھا کے لیے مبارک ہوں۔ جس طرح ہر باپ کا خیال ہوتا ہے اپنی اولاد کی خوش زندگی دیکھ کر مرے۔ کاش مجھے بھی شکر کا موقع ملے اور اپنے پروان چڑھے دیکھ کر گزروں۔

دنیاداری دینداری کے اندر ہے اور ہمارے مشرب میں تو دنیا کی حقیقت کھل جانا ہی فقر ہے۔

فقر فخر ہے لیکن اس فقر میں دل کی تمنا جب ہو تو فخر ہے۔ ورنہ خالی فقر فقر ہے۔ جس سے نبی اکرم ﷺ نے پناہ مانگی۔

ظالم کے ظلم سے بچنے کے لیے جہاں دعا کا حکم ہے۔ وہاں تدبیر سے بچنے کا بھی حکم ہے۔

وَادْفَعْ عَنَّا شَرَّ الظَّالِمِيْنَ۔ [1]

۱۔ اور ظالموں کے شر سے بچا۔

خدا کرے "یا منتقم یا عزیز و یا جبار" اپنی صفات کاملہ کا ظہور جائے ظہور پر فرمائیں۔

کوئی خاص مجبوری نہیں۔ لیکن حق پہنچایا جا سکے تو پہنچانا ضروری ہے۔ ایسے طریقے پر جیسے صوفیائے کرام کا طریقہ ہے۔ یعنی باوقار اور باعظمت۔ عرس کرنا۔ اپنے اسلام کے خاتمہ پر گئے ہمارے بزرگوں کا روشن طریقہ ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم خود کچھ نہیں جو کچھ ہیں وہ (اللہ تعالیٰ) ہیں یا اس کے پاک بندے۔

عزیزی حبیب شاہ کو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے اپنا حبیب بنائے۔ میرے سلام و دعا پہنچانا اور عزیز حافظ صاحب کے لیے ایک اچھی جراب اونی (لنڈا) بازار سے خرید کر ہمراہ لا دیں یا کسی کے ذریعے بھجوا دیں۔ پہلی پھٹ چکی ہے۔

والدعا

آپ کا محمد عمر

بنام حافظ محمد حبیب شاہ صاحب امام مسجد پولیس لائن سرگودھا

؎ یاد او سرمایہ ایمان بود
ہر گدا از یاد او سلطان بود

عزیز محترم زاد شرفہ'

السلام علیکم

میں قربان انہاں تھیں باہو جنہاں کھوہ پریم دے جتے ہو

خط پڑھا۔ خوش ہوتا ہوں کہ کچھ تو اندر سلگ رہا ہے۔ جو یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ محبت بھرے لکھے جا رہے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ زِدْفَزِدْ ثُمَّ لَاتَنْقُصْ [1] جو کچھ میں ہوں' میں جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں لیکن شکر ہوتا ہے جب کسی دوست کے اندر محبت کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ خدا کرے بھانبھڑ مچ جائے اور اپنے پرائے کی خبر نہ رہے۔ اور اپنے گھر (من) کا کچھ نہ رہے۔

؎ شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

عزیز پیر صاحب کو السلام علیکم۔ اللہ کرے سرگودھا کی آب و ہوا آپ کو موافق ہو۔ اور سرگودھا اسے موافق ہو۔ اپنا کیا! فکر و پریشانی' فقر کیا ہے؟ اطمینان و سکون' خالی رہنا تو کاہلی ہے۔ خالی کرنا ایک شغل ہے۔ جس کا انجام بلند۔

آپ کا محمد عمر

ا۔ اے اللہ! اس کو اور بڑھا پھر اس میں نقص نہ ڈال۔

بنام حافظ سلطان بخش صاحب ساکن للہ شریف

عزیزم حافظ سلطان بخش صاحب زاد رشدہ'

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

مدت سے خیال تھا کہ آپ کے کسی رفیق کی ملاقات ہو۔ چنانچہ کل مولوی خورشید صاحب تشریف لائے۔ حال دیکھ کر خیال آیا شاید وہی ہیں۔ جن کے دیکھنے کا خیال تھا۔ الحمد اللہ آتش ذکر و فکر ان کو جلا رہی ہے۔ لیکن دوسرے پہلو سے جب نظر اٹھی۔ تو وہی کچھ سامنے آگیا جسے ہم اہل شریعت پسند نہیں کرتے۔ جو اصل سے نقل میں گم ہو کر رسم و رسوم ملت سے بیگانے ہو جاتے ہیں' کیا ہی اچھا ہو کہ جب بھٹی میں چڑھ جائیں تو پوری آگ سے خوبصورت اینٹ پختہ ہو کر مکان پر لگے (یعنی کامل انسان بنے) اور مسجدیں تعمیر ہوں۔ ورنہ زیادہ آگ سے یہ کھنگر (جلی اینٹ) تیار ہونے پر بھور ہو کر بھسم ہو جاتا ہے۔

گو بقا کھنگر کی زیادہ ہے۔ لیکن دیوار کی بنیاد کے سوا کس کام؟ کوئی بھی سر دیوار لگانا پسند نہیں کرتا۔

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ الٰہی ہمیں سیدھی راہ رکھ۔

صراط مستقیم کیا ہے؟ "ظاہر و باطن کی خوبصورتی"

اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (۹۵ : ۴)

ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ دی۔

انسانیت' انسانیت کے جامے میں' یہی اسلام ہے۔

کھدر پوش کا جسم کتنا ہی خوبصورت ہو۔ لیکن کھدر کا لباس اس کی خوبصورتی کو ڈھانپتا ہے اور مردہ جسم پر کتنے خوبصورت لباس سے آراستگی کی جائے لیکن اندر کھوکھلا ہے۔ ظاہری آراستگی جب زیادہ ہو گئی اور اندر خالی' (مٹی بھری ہنڈیاں) تو اہل فقر نے ظاہر چھوڑ اندر کی طرف توجہ فرمائی۔ تاکہ روحانی علاج سے روح کو مجاہدہ کی بھٹی میں دے کر مشاہدات روحانی کو تقویت دی جائے لیکن بعض وقت غیر شعوری طور پر مجاہدات کی بھٹی اتنی گرم ہو گئی کہ لوہا پگھل کر مٹی میں

مل گیا اور مٹی ہو گیا۔ قالب میں ڈھالنے کی نوبت تک نہ آئی۔ بھٹی کی آگ سر سے نکل گئی لیکن کاریگر کی غفلت سے کیا کرایا ضائع ہو گیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَاھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ (۱۶ : ۴)

یہ انسان کتنا خصیم مبین (جھگڑالو) ہے کہ اللہ جل شانہ' کا مقابل ہو بیٹھتا ہے اس خصیم مبین کو اس سخت تکبیر سے اٹھانے کے لیے آتش محبت کی بھٹی میں ڈال کر پگھلایا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی میں (انانیت) کشتہ ہو جائے اور اکسیر ہو جائے۔ صرف مٹی بنانا مقصود نہیں۔

سالک اور مجذوب میں یہ فرق ہے کہ وہ (سالک) اپنی مرضی سے کرتا ہے اور یہ (مجذوب) بلا مرضی چلتا ہے۔ وہ اپنے متوسلین کو جادہ شریعت سے ایک قدم باہر نہیں نکلنے دیتا اور شریعت کے حدود کے اندر انہیں مجاہدات اور مشاہدات میں رکھتا ہے۔ لیکن مجذوب بے اختیار ہوتا ہے۔ جس طرف کوئی مادہ یا روح رخ کر گئی اسی طرف کی ہو گئی۔ خواہ مفید ہو یا غیر مفید۔

لیکن جب ایک سالک سے مجذوبوں کے سے جذبات ابھرنے لگیں تو شریعت الٰہیہ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ اور اسلام کا کیا وقار؟ آخر وہی بے دینی ہو گی۔ جس کے قلع قمع کے لیے اسلام آیا۔ اور جس کی مثال دنیا کے ہر کونے میں ملنگوں کی صورت میں موجود ہے۔ پھر مجددیت اور اشغال نقشبندیہ سے کیا فائدہ۔ جب تک کہ نتائج شیخ مجدد" کے سلوک اور اتباع سنت کے ہی خلاف سراسر پیدا ہوں۔ یہ کارنامہ میرے نزدیک کچھ کم نہیں کہ موجودہ دنیاداری کے دھارے سے نکال کر ان کی ہستی کو موہوم ہستی بنا دیا جائے۔ لیکن اس فنا کا کیا فائدہ جب اس کی بقابقائے اسلام کی صورت میں دنیا میں نمودار نہ ہو۔

زیادہ کیا لکھوں:

؎ دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہ برکنار

سعدی فرماتے ہیں:

؎ خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

؎ پندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز درپے مصطفیٰؐ

منزل مقصود فنا نہیں بلکہ بقا اور بقا اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب اتباع نبی کریم ﷺ پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔

؎ دادیم ترا ز گنج مقصود نشانے
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

والسلام

عاجز سراپا غفلت و ننگ اسلاف

محمد عمر (کان اللہ لہٗ)

بنام مولانا مولوی ظہور احمد صاحب بمقام سیرے، ضلع گجرات

عجب کفراست در طریقت ما کینہ داشتن

عزیز محترم زاد شرفہ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

آپ کے خط کا جواب تو بھیج دیا گیا لیکن عریضہ طویل ہونے کی وجہ سے شاید میرا مطلب واضح نہ ہوا ہو۔ اس لیے مختصراً لکھتا ہوں۔ بریلویت کو حامی طریقت جانتا ہوں۔ ان کے عقائد پر کچھ کہنا پسند نہیں۔ خود اعتدال دین پر قائم ہونے کی وجہ سے کسی کو مشرک کہنا یا کافر کہنا پسند نہیں کہ در طریقت مابیش ازیں گناہے نیست ——

بریلوی سے بیر نہیں بلکہ محبت ہے توازن قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہ مجاہد مرد میدان ہیں۔ لیکن مقام دعوت پر ہماری یہی دعوت ہے۔

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ۔ (۳ : ۶۴)

اور یہی دین فطرت کا طغریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ دین کے خادموں میں رکھے۔

محمد عمر

* * * * * *

باب ۱۷

حضور قبلہ عالمؒ کی شخصیت معاصرین کی نظر میں

پچھلے ابواب میں حضور قبلہ عالمؒ کی سیرت و کردار پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ اس باب میں آپؒ کے چند ہم عصر بزرگوں کے تاثرت اور مشاہدات کو یکجا کیا گیا ہے۔

جامع صفات ہستی

(حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول صاحب للّٰہیؒ)

؎ لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

دیر تک سوچتا رہا کہ ایک جامع صفات ہستی کی سیرت کے کس پہلو پر کچھ عرض کروں کیونکہ ایسی ہستی کے لیے ہر ایک عنوان پر دفتر کے دفتر لکھ دیئے جائیں تب بھی کم ہیں۔ بالآخر چند سطور لکھ کر خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کے مترادف کا مصداق ہو رہا ہوں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ علیہم کے جن اوصاف اور اخلاق حمیدہ کے متعلق کتابوں میں پڑھتے تھے' وہ ایک ایک کر کے حضرت والا میں مکمل صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ سخاوت' مروت' استغنا عن الخلق' خودداری' بلند ہمتی' خدمت خلق' نفاست' تواضع و انکساری' سادگی و بے تکلفی' اللہ تعالٰی کے انعام پر شکر و قناعت' سیر چشمی و بے نیازی' غرض تمام اخلاق کریمانہ اس شان سے آپؒ کی ذات والا صفات میں پائی جاتی تھیں کہ بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتا:

؎ حسن یوسف' دم عیسٰی' ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند' تو تنہا داری

پھر یہ سب کچھ بیگانوں اور یگانوں کے لیے یکساں تھا بلکہ میں نے آنکھوں دیکھا ہے کہ ان صفات کا ظہور مخالفوں اور بیگانوں پر زیادہ صورت میں ہو رہا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات احباب کو بیگانوں پر شاہانہ نوازشیں گراں گزرتی تھیں مگر ابرکرم برابر برس رہا ہے۔

؎ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہے کہ ابرکرم سے ان کے دل کی کھیتی بدستور اجڑی رہے وہ اپنی شوریدگی کی وجہ سے ابر رحمت سے لہلہانہ اٹھے۔

؎ تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ایسی جامع صفات ہستی نہ ماضی قریب نہ حال اور مستقبل قریب میں کوئی نظر آ رہی ہے۔ حضرت والا میرے نزدیک اپنی مثال آپ ہی تھے۔ پھر جو طالبین اور سالکین کی تربیت کا طریقہ تھا وہ بھی فقید النظیر تھا۔ ہر طبیعت کے ساتھ اس کے اپنے ذوق کے مطابق عمل تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ آخر میں بھی تصوف ہی کی گود میں پیدا ہوا اور تصوف کے ماحول میں ہی پرورش پائی مگر بلامبالغہ عرض کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں تربیت کا یہ طریقہ جس میں جلال اور جمال بالکل ساتھ ساتھ چل رہے تھے' جدید اور قدیم تعلیم یافتہ ایک ساتھ اس چشمہ سے سیراب ہو رہے تھے۔ یہ معاملہ میں نے نہ دیکھا نہ سنا اور نہ میرے علم کی حد تک کہیں موجود ہے۔ اس کے لیے طویل مضمون اور مثالوں کی ضرورت ہے۔ اس مضمون میں اس کی گنجائش نہیں اس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

؎ تلقین درس اہل نظر یک اشارت است
کردم اشارتے و مکرر نمے کنم

میں آپ" کے وجود گرامی کو ایک ایسے محل سے تشبیہ دیتا ہوں جس کے مختلف دروازے ہوں۔ ہر دروازے پر ایک صاحب کمال بیٹھا ہو۔ سائل آئیں اور اس سے اپنا مطلب پائیں۔ ایک دروازے پر حضرت مجدد الف ثانی" تشریف فرما ہیں' جس سے تصوف کے حقائق و معارف

اور ایسے لاینحل معمے جو صدیوں سے ذہن میں الجھ رہے ہوں' زودفہم اور آسان عبارت میں سمجھائے جا رہے ہوں کہ خواص و عوام کے لیے قابل فہم ہو رہے ہیں۔ دوسرے دروازے پر حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری" بیٹھے ہیں کہ جس سے تزکیہ نفوس و قلب اور منکرین توحید کو سیراب کیا جا رہا ہے۔ تزکیہ و تصفیہ کا طریقہ ہی عجیب ہے۔ "نہ ہنگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا دے" کے مصداق نہ مجاہدہ' نہ اعتکاف' نہ چلہ کشی وغیرہ بلکہ سنت نبوی ﷺ "پر صرف صحبت جس سے اندر کی غلاظتیں دھل کر بے نام و نشان ہو رہی ہیں۔ بے نور چہرے اللہ تعالیٰ کے نور سے چمک رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بیگانہ بھی دیکھ کر بیساختہ پکار اٹھتا ہے لیس ھذا وجہ کذاب۔ مردہ چہروں پر سنت لہر دکھا رہی ہے۔

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

تیسرے دروازے پر حضرت نظام الدین اولیا" بیٹھے ہیں جن کے نفس قدسیہ کے اثر سے جبابرہ و متکبرین زمانہ کشش پا کر قدموں میں آ رہے ہیں۔ وہ خواہ دنیاوی عزت و مرتبہ کے کسی بلند سے بلند مقام پر ہی فائز ہیں مگر جب فقر کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے ننگے سر مستور اور بیباک آنکھیں بند اور آزاد جسم دو زانوں ہو جاتے ہیں۔ سخت دل پانی ہو کر آنکھوں کے راستہ بہ جاتا ہے۔ پھر فقر کا وسیع لنگر اپنے بیگانے کے لیے کھلا ہے۔ مقروضوں کا قرض ادا ہو رہا ہے' حاجت مندوں کی حاجت روائی ہو رہی ہے' بھوکوں کو کھانا کھلایا جا رہا ہے' غم رسیدہ اور شکستہ دلوں سے ہمدردی ہو رہی ہے۔

چوتھے دروازے پر لقمان حکیم بیٹھا ہے جس سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ گفتگو کا ایک ایک فقرہ حکمت کے صدہا انمول موتی لیے ہوئے ہے۔ کوئی کلمہ حکمت سے خالی نہیں۔ عام زندگی کے معمولات میں مخلصین کو ایسے قیمتی مشورے دیئے جا رہے ہیں جو مدت العمر آویزہ گوش بنانے پر نہ صرف فلاح ہے بلکہ باعث فخر بھی ہے۔

پانچویں دروازے پر قائداعظم جیسا مدبر اور سیاستدان بیٹھا ہے (اگرچہ حضرت والا کے ذکر میں یہ بات بے جوڑ معلوم ہو گی مگر راقم سیاہ کار کو ایک زمانہ میں ملکی سیاست سے گہری نظری اور عملی دلچسپی رہی ہے۔ اس لیے یہ ذاتی مشاہدہ ہے) اور بڑے بڑے سیاسی اور ملکی مسائل چند

لمحوں میں حل ہو رہے ہیں۔ ملکی سیاست میں جو رائے آپ نے قائم کی یا دوران مکالمہ فرمائی وہ ربع صدی گزر جانے پر صائب ہے اور اس کی صداقت دن بدن واضح ہو رہی ہے۔ بعض اوقات سیاسی مسائل میں اس قدر بلند گفتگو فرماتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اگر سیاست ملکی میں حصہ لیتے تو آپ چوٹی کے مدبرین اور سیاستدانوں میں سے ہوتے۔

چھٹے دروازے پر امام ابو حنیفہ یا امام مالک رحمہما اللہ تشریف فرما ہیں جس سے فقہ کے لاینحل مسائل چند الفاظ میں حل ہو رہے ہیں۔ پھر فقہی مسائل میں جو مسلک اختیار فرمایا ہے نہایت معقول' کتاب و سنت پر مبنی اور افراط و تفریط سے بالکل معرا ہے۔ فصلی مقدمات میں (جس زمانہ میں آپ عملاً مقدمات سنتے تھے) عقل عقیل دنگ رہ جاتی۔ ایسے فیصلے فرماتے کہ عموماً فریقین مطمئن ہو جاتے۔ میں نے کئی ایک مقدمات خود اجلاس میں بیٹھ کر سنے ہیں۔

ساتویں دروازے میں امام فخرالدین رازی" کے ہم وزن مفسر بیٹھا ہے۔ جس سے قرآن حکیم کے اہم اور ادق مقامات کی تفسیر متکلمانہ اور صوفیانہ رنگ میں بیان ہو رہی ہے۔ غالباً میرا یہ عرض کرنا مبالغہ نہ ہو گا کہ قرآن حکیم کے بعض مقامات پر جو مفسرین کے نزدیک نہایت ادق ہیں اس قدر عام فہم اور آسان عبارت میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے فطرتی اسلوب پر تفسیر فرمائی ہے کہ اسلاف کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کے باوجود وہ مقامات طالب پر اس قدر منکشف نہ ہوئے جیسے حضرت" کی تفسیر کے بعد فطرتی اسلوب میں اذہان میں بیٹھ گئے۔

آٹھویں دروازے پر شاہ عبدالعزیز محدث" جیسا امت کا نباض اور مجدد علم بیٹھا ہے کہ آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز" کے بعد شیعہ فرقہ کی غلط فہمیوں کو محسوس فرمایا "تحفہ اثنا عشری" کے بعد اپنے مخصوص اسلوب میں شیعہ پر محققانہ کتاب لکھی جس میں مناظرانہ خشونت' مولویانہ تشدد کے بجائے علمی رنگ میں ان کی تردید کی ہے۔ آپ کا انداز بیان بھی ایسا تھا کہ باوجود تحقیق کے کوئی دلآزار فقرہ تحریر نہیں فرمایا۔ حکمت الٰہی کہ ایسی مفید کتاب کی طباعت کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں ہوا (وہ کتاب ابھی مسودہ کی شکل میں موجود ہے' اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی تو شائع ہو جائے گی)۔ آپ کی بعض تحریریں خالص علمی رنگ میں ہی ہوتی تھیں اور ان میں ادب عالیہ کی چاشنی بدرجہ اتم ہوتی تھی۔ چنانچہ اب مجموعہ مضامین "زنبیل عمر" کے نام سے آپ" نے لکھا۔ وہ

راقم کو عطا فرمایا اور راقم کے پاس طویل مدت تک رہا۔ اس میں بعض مضامین ادب کی جان اور لطیف ظرافت لیے ہوئے ہیں۔ وہ ایسی دلچسپ ظرافت ہے جو ایک سنجیدہ اور متین بزرگ کے شایان شان ہیں۔ اِس کے بعض مضامین وقتاً فوقتاً "ماہنامہ سلسبیل" میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

غرض کہاں تک عرض کروں کہ جامعیت میں ایسا کوئی دوسرا مجھے نظر نہیں آیا۔ وسعت قلبی اور ہر مسلک کی خوبیوں کا اعتراف تو آپ کا شیوہ تھا۔ ہر مکتب خیال کے علماء کی عزت فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی تلقین فرماتے۔ اب بھی اس کا اثر آپ کے اصحاب میں نمایاں ہے۔ آپ یکتائے زمانہ تھے۔ آخر پیغام اجل آیا تو آپ نے اس پر لبیک کہی۔

اگست ۱۹۶۷ء میں لاہور میں واصل بحق ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں بیربل شریف ضلع سرگودھا میں مدفن ہوئے اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَضْجِعَہٗ وَ اَحْشُرْ نَامَعَہٗ

میں ان شاء اللہ العزیز آپ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر پھر کسی وقت مفصل عرض کروں گا۔ اب تو صرف اپنی سعادت کے لیے کارخیر میں شمولیت کر رہا ہوں بمصداق مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔

آخر حضرت شیخ سعدیؒ کے اس شعر پر یہ سطور ختم کرتا ہوں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

* * * * * *

میرے تاثرات

(حضرت صاحبزادہ صدیق احمد صاحبؒ سجادہ نشین سیدا شریف)

سہ چہ باید مرد را طبع بلندے مشرب نابے
دلے گرمے نگاہے پاک بینے جان بے تابے

انسانی ذہن کو متاثر کرنے والی تو ان گنت چیزیں ہیں لیکن بنیادی طور پر صرف تین چیزیں ہی ایسی ہیں جن کا تاثر عام اور گہرا ہوتا ہے۔ بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی چیزیں تو ان ہی کی فروع ہیں۔ اصل بنیاد یہی تین چیزیں ہیں مال' جمال' کمال۔ مال اور جمال کا تاثر تو فوری ہوتا ہے اور بظاہر گہرا بھی ہوتا ہے لیکن اس تاثر کو بقا حاصل نہیں ہے۔ اہل طریقت کی نظر میں مال و دولت کے طالبین کو جیفئہ دنیا کے کتے شمار کیا گیا ہے۔ مال و دھن کے طالب اصل علم سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ اصل علم ہے اپنے نفس کا علم۔ اس لحاظ سے بھی یہ جہلاء کی صف میں آتے ہیں۔ رہا حسن و جمال کا تاثر' یہ بھی پلک جھپک کا کھیل ہے اور ڈھلتا سایہ ہے۔ اہل نظر کے ہاں یہ بھی ایک دھوکا اور فریب اور عظیم فتنہ ہے۔ کسی نے اس کے تاثر یعنی عشق کا انجام کیا اچھا بیان کیا ہے۔

سہ ناکامی عشق ہو یا کامیابی
دونوں کا حاصل ہے خانہ خرابی

لیکن کمال خصوصاً اخلاقی اور روحانی کمال' اسے خود بھی بقائے دوام حاصل ہے۔ اس کے تاثرات اور نقوش بھی بہت گہرے اور ان منٹ اور لازوال ہوتے ہیں۔ ہر بہار کو خزاں کا کھٹکا درپیش ہے۔ لیکن یہ بہار تو ازل سے ابد تک سدابہار ہے۔ حضرتؒ کی شخصیت کے متعلق میرے تاثرات اس روحانی و اخلاقی کمال کے رہین منت ہیں نہ کہ مال و جمال کے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی منزل یا کسی شخص کے محبوب بن جانے کے بعد منزل یا وہ شخصیت ہی محبوب نہیں ہوتی بلکہ وہ نقش' درجات بھی محبوب بن جاتے ہیں جو منزل کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو محبوب منزل اور محبوب شخصیت سے تعلق رکھتی ہو' اس راہ کے مسافر کو

حسین اور محبوب نظر آنے لگتی ہے۔ اس محبت کی ہستی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اسے راہ شوق کے خار بھی عزیز ہوتے ہیں۔ وہ ان کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مجنوں کا وہ شعر ہماری تاریخ اور ادب میں کس قدر افادیت کا حامل ہے جس کے ذریعہ اس نے لیلیٰ کے شہر کے در و دیوار کو چومنے کی حکمت بیان کی تھی۔ اس دیوانگی کو وہ عین حکمت قرار دیتے ہوئے بولا کہ مجھے اس شہر کی جاذبیت اور کشش نے محسوس نہیں کیا بلکہ مشغولیت کی وجہ وہ ذات ہے جو شہر میں قیام پذیر ہے۔

؎ امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذالجدار و ذالجدارا
و ما حب الدیار شغفن قلبی
و لکن حب من سکن الدیارا

ایسے عاشق کو منزل کے حسن و جمال سے ہی شغف نہیں ہوتا بلکہ آثار و نقوش محبوب سے بھی دلچسپی ہوتی ہے۔

اخلاق کی اہمیت

ہو سکتا ہے کہ بعض دوست اخلاق کا لفظ پڑھ کر یہ خیال کریں کہ اخلاق اپنے اندر کیا کمال رکھتے ہیں؟ یہ تو ایک معمولی اور مختصر سا لفظ ہے مگر حقیقت میں یہ لفظ بہت جامع ہے۔ اگر اس کی جامعیت پر نظر ڈالی جائے تو صدیقیت تک کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنے کے لیے جن مراحل سے گزرنے کی ضرورت ہے اور مرتبہ ولایت تک پہنچنے کے لیے جس تہذیب اور اصلاح کی حاجت ہے' اسی ایک لفظ خلق میں داخل ہیں۔ خلق ظاہری شکل و صورت کو کہتے ہیں اور خلق باطنی شکل و شبیہ کو کہا جاتا ہے۔ باطنی شکل و شبیہ سے مراد خو' خصلت' عادت' سیرت' طبیعت' مزاج' وصف' مزاج' برتاؤ' نبھاؤ' تمیز' سلیقہ' شعور وغیرہ ہے۔ جب تک انسان کے باطنی اوصاف درست اور صحیح اور اعتدال پر نہ ہوں اسے انسانیت زیب نہیں دیتی اور اس کی شرافت کے تاج میں آدمیت کی میناکاری جھوٹے رنگوں کی ریزہ کاری نظر آتی ہے۔ اخلاق کی عظمت برتری کا

اندازہ لگانے کے لیے تخلقو ابا خلاق اللّٰہ پر غور کرنا ضروری ہے۔ رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کے کامل و اکمل مکمل ترین ہونے کی دلیل انک لعلی خلق عظیم سے بیان کی گئی ہے۔ جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی یہی وہ چمکتی دمکتی حقیقت تھی جس کو دیکھ کر عرب کے اجڈ' اکھڑ اور وحشی انسان شمع رسالت پر پروانہ وار نثار ہوئے۔ مال اور جانیں نثار کر کے یہ ثابت کر دیا کہ انک لعلی خلق عظیم ہی نبوت اور رسالت کی عظیم ترین اور سچی دلیل ہے۔ بعثت لا تمم مکارم الاخلاق بعثت کی علت غائی ہی مکارم اخلاق قرار دی گئی۔ اخلاقی کمال کا تاثر مال و جمال کی طرح فوری نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر شخص اس سے متاثر ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس کمال سے ایسی طبائع متاثر ہوتی ہیں جو ذوق سلیم اور اپنے اندر صلاحیت اور عمدہ استعداد کا جوہر رکھتی ہیں۔ پھر ایسا تاثر ابدی اور دائمی ہوتا ہے۔

میرے تاثر کی ابتدا

یہ بات تو نہ تھی کہ میں حضرتؒ کے خاندان یا حضرتؒ میرے اب وجد کو جانتے نہ تھے لیکن میں اس وقت تک حضرتؒ کے اخلاقی و روحانی کمال سے متاثر نہ تھا سوائے اس بات کے کہ حضرت ایک بزرگ کے سجادہ نشین ہیں اور بس۔ اس سے زیادہ نہ کبھی سمجھا اور نہ کبھی سمجھنے کی کوشش کی۔ کوشش بھی کیسے کرتا جبکہ میں خود پیدائشی سجادہ نشین اور ایک بگڑا ہوا مولوی تھا۔ میرے لیے پیر' صاجزادہ' سجادہ نشین ہونے میں مطلقاً" کوئی کشش نہ تھی اور نہ ہے کیونکہ

مجھے میں ہوں محرم راز درون میخانہ

شرف نیازمندی کی ابتداء اس دور زریں کے اختتام سے ہوئی۔ جبکہ قبلہ عالم حضرت سید نورالحسنؒ شاہ صاحب مسند آرائے حضرت کیلیانوالہ شریف کی ذات بابرکات ایک جہان کو اپنے نور باطنی سے منور کر کے واصل باللہ ہو چکی تھی۔ ہجر و فراق کی آتش اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ مربی سے محروم ہونے کا احساس شدید صورت اختیار کر چکا تھا۔ حضرتؒ کا چہلم آ گیا۔ اس تقریب پر ایک عظیم اجتماع تھا۔ اس سلسلہ عالیہ کے چوٹی کے حضرات جمع ہو چکے تھے۔ صبح کی آخری مجلس تھی جس میں رسم دستاربندی ادا کی جانی تھی۔ حضرت موصوفؒ اس تقریب میں

شامل تھے جس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ مجلس کی پہلی صفوں میں آپ مجھے نظر نہیں آئے۔ جناب صاحبزادہ دامت برکاتہ' نے مجھے ایک ضروری اعلان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اور صرف پندرہ منٹ کے وقت کا بھی تعین کر دیا۔ اعلان یہ تھا کہ حضور قبلہ عالم (سید نور الحسن شاہ صاحب") کسی کو خلافت نہیں دے گئے اور اس حقیقت کو اچھی طرح لوگوں پر واضح کر دینا۔ اس اعلان کے لیے مجھے کیوں منتخب کیا گیا۔ اس وقت اس سے بحث نہیں۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

وقت پر اعلان کے لیے کھڑا ہوا۔ جذبات کا لاوا آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا۔ ہر طرف آہ و بکا کا شور برپا تھا۔ آخر میں اعلان کیا اور بیٹھ گیا۔ مجلس ختم ہو گئی۔ مایوسی کے عالم میں واپس لوٹا اور امیر خسرو" کا یہ شعر ورد زبان رہا۔

گوری سوہوے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
چل خسرو گھر اپنے اندھیر بھیو جو دیس

گھر آیا' چارپائی پر گر پڑا۔ آنسوؤں کا ایک دریا تھا جو امڈ آیا۔ ہچکی بندھ گئی اور یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ شتر بے مہار کی طرح رہنا کسی صورت مناسب نہیں کیونکہ تربیت کی ہمہ وقت ضرورت ہے۔ اب کیا ہو گا۔

شرف نیازمندی

اگلے ہی روز میاں فضل احمد ساکن موضع دوگل متصل پھالیہ ملنے کے لیے آئے جو حضرت موصوف کے مخلص ہیں۔ بغل میں ایک کتاب لیے تھے۔ علیک سلیک کے بعد میں نے پوچھا کہ کیا کتاب ہے؟ انہوں نے کتاب مجھے تھما دی۔ ورق جو الٹا' اس کا نام "انقلاب الحقیقت" لکھا پایا جو حضرت" کی تصنیف تھی۔ بصد اصرار اس سے کتاب لی۔ مطالعہ شروع کیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میرا کوئی آنسو بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گیا ہے جس کا جواب اس صورت میں مل چکا ہے۔ وجدانی طور پر مجھ پر یہ کیفیت طاری تھی کہ کوئی علوم طریقت اور تربیت گاہ طریقت کے

عجیب و غریب شہر کی سیر کرا رہا ہو۔ کتاب دیکھنے سے پہلے شکستہ دل بیٹھا تھا۔ اب ہمت بندھ گئی۔ تازہ دم ہو گیا۔ کتاب نے صاحب کتاب کی شخصیت سے متاثر کیا اور یہ تاثر اس حد تک گہرا تھا کہ ملاقات کی پیاس بھڑک اٹھی اور ایک عریضہ حاضری کی اجازت کے لیے لکھ ڈالا۔ واپسی مکتوب گرامی جو آپ نے تحریر فرمایا اس کا اقتباس پیش خدمت ہے۔

مکرمی:۔ اگر آپ صاحبزادہ اور میرے مکرم بن کر تشریف لانا چاہیں تو یہ میری سعادت ہو گی۔ "بھر قدمے کہ برداری پائے تو زما چشمے" کا معاملہ ہو گا۔ لیکن اگر سالک بن کر تشریف لانا چاہیں تو کیا عرض کروں "انقلاب" ایک خواب ہے جس کی بابت "شب جائے کہ من بودم" کہہ سکتا ہوں۔ میں وہی ہوں جس کے پلے اس خواب کے سوا کچھ نہیں۔ جب وقت تھا تو تھا' اب نہیں تو نہیں۔ کسی کو دھوکا دینا نہیں چاہتے۔ میرے محترم! مجھے نہایت خوشی اس وقت ہوئی۔ جب میں نے آپ کو حضرت کیلیانوالہ میں دیکھا۔ پھر جب آپ سے چند کلمات مجلس میں سنے تو ازحد خوشی ہوئی۔ اور وہ چند کلمات دل میں بیٹھ گئے۔ معلوم ہوا صاحبزادگی میں کچھ تو ہے۔ ایک بزرگ کی اولاد پر کتنی مہربانی ہے۔ اب آخر میں اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ اب آپ کو کسی کے پاس جانے سے بڑھ کر اپنے پاس رہنا ہی بہتر ہے۔ جو کچھ دیکھا وہی اچھا ہے۔ کیونکہ حضرت قبلہ میاں صاحب" کے بعد جب تشنگی بھڑکی تو پھر قدم ادھر ادھر اٹھائے لیکن تسلی و طمانیت کی جگہ بزرگوں کی نسبت شک و شبہ نے موقع پایا۔ اب توکل پر ہوں اور راضی برضا ہوں۔ اپنی بے چارگی کے سوا چارہ نہیں۔ "اللہ تعالیٰ ہم بزرگوں کی اولاد پر رحم فرمائے۔"

والانامہ کی عبارت اور عبارت کا ہر لفظ خلوص' نیک نیتی' بے نفسی' تواضع' اعلیٰ اخلاق اور احترام آدمیت کا مظہر تھا۔ یہاں تو وہی جنس قبول ہوتی ہے جو خالص ہو۔ یہ تحریر صاف پتہ دے رہی ہے کہ سجادگی صاحبزادگی اور مولویت کی تحریر نہیں بلکہ ان سے اوپر اور بلند شخصیت کی تحریر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخصیت مولویت وغیرہ کی پست سطح سے بلند اور بہت بلند نظر آئی۔ جو پھول خوشبو نہ دے وہ بیکار ہے۔ اس تحریر سے عظمت اور عقیدت بڑھ گئی اور یہی عقیدت بیربل شریف لے گئی۔

حاضری کے چند تاثرات

خواص کی مجلس کے آداب سے پہلے بھی شناسا تھا۔ مزید قبلہ عالم شاہ صاحب" کی جلالی تربیت سے اس سلسلہ عالیہ کے آداب سے کسی قدر واقف ہو چکا تھا۔ مگر حضرت موصوف" کی بارگاہ کی نشست و برخاست اور آداب وہ نہ تھے جو مجھے حضرت کیلیانوالہ کی بارگاہ طریقت میں دیکھنے میں آئے تھے۔ پیڑھی نما قسم کی بنی ہوئی دیسی کرسیاں رکھی تھیں۔ لوگ انہی پر بیٹھتے۔ میں بھی اسی قسم کی ایک پیڑھی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ تشریف لائے اور میری طرف ذرا متوجہ ہو کر فرمایا کہ "میں شیر محمد نہیں ہوں۔" اور بس۔ پھر اور لوگوں سے باتیں کرنے لگے۔ میرے اس پوشیدہ خطرے کا جواب بھی ہو گیا اور اپنی نفی اور اپنے شیخ کے علومقام کا بھی پتہ چل گیا۔ سرشام چارپائیوں پر الگ الگ مہمانوں کو کھانا دیا گیا۔ پھر ایک خیال تمام رات ستاتا رہا کہ حضرت میاں صاحب" تو سب کو اکٹھا کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اس کے خلاف ایسا کیوں؟ بعد نماز فجر مجلس قائم ہوئی۔ چند احباب اور بھی تھے۔ اور سلسلہ کلام کی ابتداء یوں ہوئی کہ سبحان اللہ! میاں صاحب" میاں صاحب" ہی تھے اور اکثر میاں صاحب" کا ذکر اسی انداز سے ہوتا' سبحان اللہ کیا ہستی تھی۔ میاں صاحب" جب کھانا کھلایا کرتے تھے تو دل بھی اکٹھے ہوتے تھے۔ اب جبکہ دل اکٹھے نہیں تو کھانا اکٹھا کھلانے سے کیا فائدہ۔ مجھے اب احساس ہوا کہ میں ایک روشن ضمیر مرد مومن کے سامنے بیٹھا ہوں۔ مجلس کی ہر بات دل نشیں اور ہر فقرہ دلکش تھا۔ واپس یہ تاثر لے کر لوٹا کہ میری گم شدہ چیز مجھے مل گئی۔ الحمد اللہ! اجازت لے کر واپس آیا اور آتے ہی رسالہ "نوراسلام" جاری کرا لیا۔ اس میں حضرت کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے اور میں صرف آپ ہی کے مضامین بڑے ذوق اور گہرے غور و فکر سے پڑھا کرتا اور جب کسی حقیقت تک پہنچتا تو جھوم جاتا اور جب آپ کے مضامین شائع ہونے بند ہو گئے میں نے رسالہ بند کر دیا اور جب کسی حاضری میں آپ کے کلام کے متعلق کچھ عرض کرنے کا موقع ملتا اور آپ یہ سمجھ کر کہ میرے کلام کو کس حد تک سمجھ رہا ہے تو بڑے خوش ہوتے۔ الغرض حضرت نوازش ہائے پیہم سے نوازنے لگے اور نوازتے ہی رہے۔ اگر کبھی حاضری میں دیر ہو جاتی تو اس نوع کے مکتوب آنے لگتے۔ایک گرامی نامہ آیا۔ جس کا عنوان تھا۔

ع "آیا کرو ادھر بھی میری جاں کبھی کبھی"

کثیر تعداد میں مکتوبات میرے پاس موجود ہیں جن میں میرے جیسے ناقص کے لیے ہر قسم کی رہنمائی موجود ہے اور یہ ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ اور جب کبھی اس اجڑے دیار میں تشریف لاتے تو غریب خانہ کو اپنے قدوم میمنت سے رشک صد چمن بناتے۔ میں نے اس عرصہ میں آپ کی ذات گرامی کو ان اخلاق عالیہ کا پیکر پایا—— علم' حلم' تواضع' عفت' قناعت' توکل' زہد' تقویٰ' حیا' ظرافت' لطافت' دیانت' عفو' شفقت' کرم' ایثار' احسان' صبر' وقار' حسن معاملہ' صدق و صفا' محبت و رضا' حضور و غیب' سیر چشم' غیور' دشمن نواز' راست باز' خوف الٰہی میں چور' قطع علائق میں بے باک' حب فی اللہ کے مقام میں راسخ' استقامت میں نہایت پختہ' بلند ہمت طبیعت' حب الٰہی کے نور سے دل گرم' نگاہ پاک اور دین کی سربلندی اور اصلاح خلق کے لیے جان بے تاب۔ یہ اخلاق اگر ولایت کی دلیل اور کرامت نہیں تو پھر کرامت کس چیز کا نام ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ معصوم عن الخطا تھے' یہ کیسے کہہ سکتا ہوں اور نہ میرا یہ عقیدہ ہے۔ مگر حضرت میاں صاحبؒ کی تربیت اور نسبت نے آپ کو کندن بنا دیا تھا اور ان اخلاق کی چلتی پھرتی ایک زندہ تصویر تھے۔ اب مجھے لاہوری درویش علامہ اقبالؒ کے وہ چند اشعار یاد آ رہے ہیں جن میں ایک صوفی کی صحیح تصویر کھینچی ہے۔ اور حضرت موصوفؒ کو اس میں ملاحظہ فرمایئے۔

سہ نوری و خاکی نہاد' بندۂ مولا صفات

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادا دل فریب' اس کی نگاہ دل نواز

اسی پر اپنی ناقص تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ "آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است" اور یہ کہہ کر

سہ تیرا غم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے

غم یار تیرے صدقے' یہی میری زندگی ہے

رخصت ہوتا ہوں' میری نگاہ میں صرف آپ کی ذات گرامی ہی قابل زیارت نہ تھی بلکہ وہ بستی بھی زیارت گاہ ہے۔

* * * * * *

خراج عقیدت

(حضرت صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین للّہ شریف)

ہر نکتہ کہ گفتم در وصف آں شمائل
ہر کس شنید گفتا للہ در قائل

ایک زمانہ تھا کہ بیربل شریف میں علم و حکمت کا ایک دریا موج زن تھا۔ حضرت خواجہ خواجگان صاحبزادہ پیر محمد عمرؒ کی شخصیت ایک جامع کمالات تھی۔ آپؒ کی ذات والا صفات سرآمد روزگار اور آیت من آیات اللہ تھی جو ہر آنے والا محسوس کرتا تھا اور اپنے تہی دامن کو علوم و معارف کے انوار سے بھر کر لوٹتا تھا۔ آپؒ کا وجود باجود علم و عرفان کا ایک مجموعہ تھا جہاں سے خلق نور علم و عرفان سے مستفیض ہو رہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ ہر طبقہ و خیال کے لوگ اسی دروازے کے سوالی ہیں اور اپنی خالی جھولی پھیلائے ہوئے ہیں۔ شیخ کی عجیب کرامت کہ مرید ماسوئی اللہ سے منقطع ہو کر مع اللہ ہو جاتے صحبت کی اتنی تاثیر تھی کہ غیر محسوس توجہ سے دل کی کایا پلٹ جاتی۔ اس ناچیز پر معاصی پر خاص نظر شفقت ہوتی۔ اپنے آستانہ عالیہ پر بلا کر باکمال مہربانی حاضری کا شرف بخشا جاتا۔ اکثر عرس کے موقعہ پر جو ۲۱۔ا سوج کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت خواجہ غلام مرتضیٰؒ منعقد ہوتا تو اس ناچیز کو دعوت ہوتی جس کا مجھے سال بھر انتظار رہتا۔ ہرچند کہ اس ناقص میں یہ صلاحیت کہاں تھی مگر وہ شیخ جو عام و خواص کو روحانی فیوضات سے نوازتا اس ناچیز کو کیسے محروم رکھ سکتا تھا۔

بقول مولانا رومؒ

بندگان حق، رحیم و برد بار
خوئے حق دارند در اصلاح کار
مہربان، بے رشتماں یاری کنان
در مقام سخت در روز گراں

ایسی حاضری پر ایسی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوتی جو ہر محسوس کرنے والا محسوس کرتا۔

وہ لیل و نہار بھی عجیب ہوتے جو آپ کی خدمت میں گزرتے۔ ایک عجیب سی طمانیت و تسکین اور ایک جہاں انوار سے بھرپور ہوتا۔ راقم الحروف نے متعدد ظاہری اور باطنی کرامات کا مشاہدہ کیا جن کی تفصیل اس اختصار میں نہیں لا سکتا۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہو گا کہ میرے لیے آپ" کی حیات طیبہ کا دور ایسا دور تھا کہ جس نے مجھے علمی اور روحانی بے پایاں وسعت بخشی' علمی اور روحانی ادراک کا ملکہ عطا کیا۔

جب کبھی مجھے حاضری کا حکم ہوتا تو ساتھ ہی میرے لیے ڈھاک اسٹیشن یا پتن پر گھوڑا سواری کے لیے بھیج دیا جاتا کیونکہ اس دور میں سوائے ریل گاڑی کے رسل و رسائل کا کوئی اور انتظام نہیں تھا۔ نہ سڑک' نہ موٹر گاڑی وغیرہ کچھ بھی نہ تھا اس لیے گھوڑے کی سواری واحد ذریعہ تھی۔ ڈھاک اسٹیشن پر اتر کر گھوڑے پر سوار ہو کر یا کچھ پیدل چل کر حاضر حضور ہوتا۔ آپ" اکثر کرم فرماتے کہ شہر سے نکل کر چند فرلانگ سیر کرتے ہوئے باہر ہی باہر مجھے ملاقات کا شرف بخشا جاتا۔ پھر اپنی معیت میں اپنے دراقدس پر ساتھ لے جاتے۔

؎ من آں خاکم کہ ابر نو بہاری
کند از لطف بر من قطرہ باری

اس دور میں ایسی عظیم شخصیت جو ہمہ پہلو حسن اخلاق اور سیرت و کردار کا مجموعہ ہو قلیل ہی نہیں ناپید بھی ہے۔ راقم الحروف جو کچھ بھی ہے یہ اسی ابر نوبہاری کے لطف قطرہ باری کا ممنون احسان ہے اور مجھ جیسے ہزاروں تشنگان علوم و معارف اسی ذات و الاصفات کے زیربار احسان ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس عظیم خانوادہ کو جس کے انوار و فیوضات برسوں سے ایک خلق خدا کو منور کر رہے ہیں' اس کی ضیاپاشیاں تا ابد قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

آخر اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں جو شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی کتاب میں حضرت خواجہ باقی باللہ" کے وصف بیان سے عاجز ہو کر اپنی قلمی بے بضاعتی کا اقرار کر لیا۔

؎ خم زلف و رخش را شرح دادن
شبے باید دراز و ماہتابے

چند تاثرات

مولانا ظہور احمد صاحب خطیب جامع مسجد فاروقیہ منڈی بہاء الدین

تیرے نام پاک سے ابتداء کر رہا ہوں جو بڑی مہربان اور نہایت رحم کرنے والی ذات ہے۔ درود و سلام اولین و آخرین کے سردار رحمتہ للعالمین کی ذات اقدس پر' آپ ﷺ کے اصحاب ؓ اور آل ؒ اور ان کے طفیل ان لوگوں پر جن کو عرف عام میں اولیاء اللہ ؒ کے مبارک نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس ناچیز کو بیربل شریف کے بزرگان کی محبت ورثہ میں ملی ہے اور اس ناچیز کے علمی خاندان کے سارے بزرگ چار پشتوں سے آستانہ عالیہ بیربل سے وابستہ چلے آ رہے ہیں۔ میرے ماموں صاحب کا ذکر ''انوار مرتضوی'' میں مکتوبات کے سلسلے میں موجود ہے۔ اس تعلق کے پیش نظر حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد عمر ؒ سے متعلق اپنے تاثرات لکھنا میری بڑی سعادت ہو گی۔

حضور قبلہ عالم ؒ اس عہد کے ایک انوکھے درویش تھے۔ اپنی طرز کلام اور رنگ و روپ میں ہر لحاظ سے منفرد تھے۔ اپنے دادا جان اعلیٰ حضرت مولانا غلام مرتضیٰ صاحب ؒ کے فقر و تصوف کا زمانہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کے خدوخال اور ان کی محافل کی روداد پر لطف انداز میں بیان کرتے تھے۔ بایں سبب نسبت نقشبندیہ کے فیوض و برکات انہوں نے دیکھے تھے۔ اعلیٰ حضرت للّٰہی ؒ اور حضرت بیربلوی ؒ کے روحانی انوار و برکات نے اپنا رنگ دکھایا کہ آپ ؒ جنید زمانہ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے۔

بیربل شریف پہلے ہی زیارت گاہ خلائق تھا۔ آپ ؒ کے بیٹھنے سے بہاریں لوٹ آئیں اور رونقیں لگ گئیں۔ لوگوں کی دن رات آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت بیربلوی ؒ کی مسجد میں پھر وہ بہار لوٹ آئی۔ حضور قبلہ عالم ؒ اپنی پوری زندگی میں اپنے شیخ کامل اعلیٰ حضرت شرقپوری ؒ کے کمالات بیان کرتے نہیں تھکتے تھے۔ کسی نہ کسی بہانے آپ ؒ کا ذکر چھیڑ دیتے۔ کمالات ولایت میں یہ بڑی دلیل ہے کہ اپنے شیخ کامل سے والہانہ عقیدت ہو۔ اپنے بزرگوں کے

طریقہ پر خادموں کے پاس دورے پر بھی آپ” نے جانا شروع کیا اور پوری زندگی آپ” کا یہ معمول رہا کہ سال میں ایک بار اپنے ملنے والوں کے پاس تشریف لے جاتے۔ جس گاؤں یا ڈیرے پر آپ” تشریف لے جاتے لوگوں کا ہجوم خودبخود اکٹھا ہو جاتا۔ لوگ کہتے بیربل شریف والے آئے ہوئے ہیں۔ بعض جگہ کئی کئی راتیں آپ” قیام فرماتے' مثلاً پانڈووال اور دھنی کلاں وغیرہ۔ جب بھی آپ” دورہ فرماتے غریب خانہ سہرے میں قدوم لزوم میمنت سے ضرور مشرف فرماتے۔ ناچیز کے آباؤاجداد کی بیربل شریف کے متوسل ہونے کی وجہ سے آپ بڑی مہربانی فرماتے۔ خدمت خلق کا جذبہ آپ” کی طبیعت میں بہت زیادہ تھا۔ اپنے دادا جان علیہ الرحمتہ کے ملنے والوں سے خاص شفقت فرماتے۔ دورہ کے دوران زیادہ وقت آپ” مسجد میں گزارتے۔ اگر کوئی اچھا قاری مل جاتا تو اس سے بڑے ذوق سے قرآن پاک سنتے۔ دوران تلاوت آپ” پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اگر کسی خاص خادم کے ڈیرہ یا گھر پر جاتے تو گھر والوں اور آنے جانے والوں سے الخلق عیال اللّٰہ (مخلوق اللہ کا خاندان ہے) پر عمل فرماتے ہوئے ان کی دلجوئی اور غم ہلکا کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی گھریلو باتیں دریافت فرماتے۔ اگر کسی برادری یا گھر میں ناراضگی ہوتی تو سنجیدگی سے اور ان لوگوں کی مرضی سے دونوں فریقوں کو سمجھا بجھا کر صلح کرا دیتے۔ اور وہ لوگ ہمیشہ کے لیے شیر و شکر ہو جاتے۔ آپ” کی محفل کا رنگ مائل بہ روحانیت تھا۔ بیٹھنے والوں کی اندر ہی اندر ارواح تازہ ہو جاتیں اور اپنے دھیان میں لگ جاتے۔ گفتگو آپ” کی پر سوز اور آہستہ ہوتی۔ ہر ملنے والے سے محبت سے ملتے۔ آپ” کا رہن سہن تکلفات سے پاک تھا۔ اپنے دولت خانہ سرا میں مہمانوں کی حتی المقدور مہمان نوازی فرماتے۔ کبھی کبھی اپنے دست مبارک سے مہمانوں کے لیے کھانا لے کر آتے۔ اس وقت آپ” کے چہرہ مبارک پر خوشی اور انبساط ہوتی۔ یوں لگتا کہ لوگوں کی خدمت میں آپ” کو قلبی راحت نصیب ہو رہی ہے۔ ولایت کی علامتوں میں یہ بھی ایک علامت ہے۔ دورہ پر کھانے کے وقت آپ” ہر آدمی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ جو قناعت سے کھاتا اس سے خوش ہوتے اور اس کے اندر کا کام چل نکلتا۔ جو بے صبری سے کھانا اور سالن وغیرہ دوبارہ مانگتا اس کو آپ” بالکل پسند نہ فرماتے۔ زبان مبارک سے کچھ نہ کہتے لیکن اس کی روحانی تربیت بگڑ جاتی۔ ایسے بہت سے واقعات ناچیز کے چشم دید ہیں۔

مریدوں سے نذرانہ لینے میں بھی احتیاط فرماتے۔ آپ ؒ کی طبع میں غناء اور فقر کی غیرت تھی۔ آپ ؒ مریدوں کے گھروں میں تعزیت کے لیے بھی تشریف لے جاتے۔ آپ ؒ کے دورے سراسر لوگوں کو روحانیت کی طرف راغب کرنے کے لیے ہوتے۔ گفتگو کے دوران آپ ؒ فقیرانہ رنگ میں بلاغت اور فصاحت کے موتی بکھیرتے۔ بعض اوقات صوفیائے کرام اور تصوف کی ضرورت پر اس انداز سے گفتگو ہوتی کہ سننے والے دم بخود اور چشم پرنم ہو جاتے اور آپ ؒ بھی چشم پرنم ہو جاتے۔ تین تین چار چار میل ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پیدل چلتے۔ راستے میں کافی لوگ آپ ؒ کے ساتھ پیدل چلتے۔ سب کو اپنی درویشانہ گفتگو سے محو کر دیتے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اور اعلیٰ حضرت بیربلوی ؒ کے فیوض و برکات سے دوبارہ رونقیں اور بہاریں لوٹ آئیں۔

"انقلاب الحقیقت" شیر ربانی حضرت میاں صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ آپ ؒ کی آپ بیتی بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت شیر ربانی قدس سرہ العزیز کی بہت ساری سوانح لکھی گئی ہیں۔ ہر ایک کا اپنا مقام ہے اور ہر لکھنے والے نے اپنے انداز میں آپ ؒ کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ لیکن حضرت علیہ الرحمتہ نے جو کچھ لکھا وہ "وراء الورا" ہے۔ حضور قبلہ عالم بیربلوی ؒ کو جو کچھ ملا اپنے دادا جان کی برکت اور سرکار میاں صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کے در سے ملا۔ اس لیے اعلیٰ حضرت شرقپوری ؒ کے معمولات ہی آپ ؒ کے مشعل راہ رہے۔ حضرت بیربلوی علیہ الرحمتہ نے پوری زندگی میں اپنے مرشد گرامی علیہ الرحمتہ سے حاصل کردہ فیوض و برکات ہی سے خادموں کی زندگی بدلی۔ حضرت بیربلوی علیہ الرحمتہ نے اپنی زبان درفشاں سے جو کچھ فرمایا وہ ہو کر رہا۔ خدا کی مخلوق پر رحم کرنا ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ کھرے' نکھرے باریک بیں اور دوررس' باتوں باتوں میں اگلے کا کام کر دینے والے فقیر تھے۔ ان کی قبر مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

* * * * * *

باب ۱۸

گلہائے عقیدت اور تاریخی قطعات

ذیل میں چند شعرائے کرام کا مدحیہ اور مرثیہ کلام پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے حضور قبلہ عالم قدس سرہ' کے سانحہ وصال سے متاثر ہو کر اظہار عقیدت کے طور پر لکھا۔ سب سے پہلے حضرت قاضی محمد عبداللطیف سوہاوی" کے عربی کے اشعار اور ان کا منظوم پنجابی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اَلرِّثَاءُ لِحَضْرَةِ الْاَعْلٰی

از حضرت قاضی عبداللطیف سوہاوی رحمتہ اللہ علیہ

صُبَّتْ عَلٰی رَزِیَّةِ النَّعْیِ فَجَاءَ ةً
مُتَوَقِّد فِیْ الصَّدْرِ مِنْ جَمَرَاتِہٖ
شَیْخٌ وَّلِیٌ اَعْظَمُ قَدارٍ تَحُلُّ
اَسْوَدَ وَجْہُ الدَّھْرِ بَعْدَ وَفَاتِہٖ

قَدْ کَانَ نُوْرًا فِیْ الْقُلُوْبِ بِفَیْضِہٖ
مُلِئَتْ عُیُوْنُ الدَّھْرِ مِنْ بَرَکَاتِہٖ
اَحْیَی الْقُلُوْبُ بِقَلَمِہٖ وَ کَلَامِہٖ
وَ بِعَزْمِہٖ وَ بِنَظْرِہٖ وَ صَلَاتِہٖ

اَسْخٰی اَجْوَدُ مَارَاَیْتُ نَظِیْرَہٗ
کَسَحَابٍ مِدْرَارٌ عَلٰی عَرَصَاتِہٖ
مَا اَحْسَنَ حُبًّا لِسُنَنِ نَبِیِّہٖ
وَ تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ مِنْ اٰیَاتِہٖ

سَہَرَ اللَّیَالِیْ ذِکْرُہٗ وَ صَلٰوتُہٗ
وَ مَعِیۃٗ مِنْ قُرْبِہٖ فِیْ ذَاتِہٖ
کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلَیْہِ حَتّٰی اَزُوْرَہٗ
بِجَمَالِہٖ وَ کَمَالِہٖ دَعْوَاتِہٖ
مَا کُنْتُ حَیًّا بَعْدَہٗ یٰلَیْتَنِیْ
حَتّٰی اَذُوْقُ الْمَوْتَ مِنْ سَکَرَاتِہٖ
قَلْبِیْ لِفَقْدِکَ لَوْعَۃٌ وَ صَبَابَۃٌ
عَیْنِیْ لِحُبِکَ فَاضٍ مِنْ عَبْرَاتِہٖ
مَازُرْتُ مِثْلَکَ فِیْ زَمَانِکَ یَا عُمَرْ
فِیْ کُلِ وَصْفٍ کَامِلٍ بِصِفَاتِہٖ
اَعْلَی الْاِلٰہُ مَقَامَۃَ فِیْ قُرْبِہٖ
فِیْ جَنَّۃِ الْفِرْدَوْسِ مِنْ غُرْفَاتِہٖ
مَا مِنْ لَطِیْفٍ ھَائِمٍ مُتَفَجِعٍ
مِنْ غَیْرَ ذِکْرِ الْخَیْرِ مِنْ حَسَنَاتِہٖ

* * * * * *

منظوم پنجابی ترجمہ

اچن چیت مصیبت آ گئی سن کے کوچ نقارے
اگ فراقوں بھانبھڑ بلیا سینے وچ انگیارے

حضرت اعلیٰ ولی اللہ تے دنیا چھوڑ سدھارے
پھری سیاہی وچ زمانے چھپ گئے چن ستارے

فیض انہاندا وچ دلاندے ہر دم ٹھاٹھاں مارے
برکت ذکر الٰہی نوروں چہریاں وچ چمکارے

قلم کلاموں کر دے زندے شبہے اٹھائے سارے
نال نظر دے نال توجہ نال احساناں تارے

وچ سخاوت مثل انہاندی اج کوئی نظر نہ آوے
بدل فیضوں مینہ وساوے کردا جدوں نظارے

واہ واہ سنت پاک نبی ﷺ دی ہر کم ہر گفتارے
سچا عشق الٰہی دل وچ سنے قرآن پیارے

ذکر نماز رکوع سجودوں ساری رات گذارے
وچ معیت قرب الٰہی ہر دم شکر چتارے

یا رب کیویں زیارت ہو سی پہنچاں وچ دربارے
اوہ جمال دکھائیں مینوں خواب اندر اک وارے

پہلے ہی مر جاندے جیکر ہوندا وس ہمارے
وچ جدائی حال نہ کائی باجھوں مرشد پیارے

دل میرے وچ سوز محبت درد جدائی بھارے
اکھیں ساون جھڑیاں لایاں روون نین بے چارے

حضرت ؒ جیہا نہ ڈٹھا میں کوئی وچ زمانے سارے
سب صفتاں وچ کامل اکمل باجھ اس پیر سو ہارے

کراں دعائیں شام صباحیں اللہ دے دربارے
وچ فردوس چو بارے بہہ کے ربدے کرے نظارے

* * * * * *

مرثیہ

از شاد فاروقی، کھڑی شریف، ضلع جہلم

آہ! امام عاشقان دردمند از ما برفت
آہ! امیر اصفیائے ارجمند از ما برفت
سرگروہ صوفیائے نقشبند از ما برفت
سربراہ اتقیائے نقشبند از ما برفت
آں کہ نام او مزیں با محمد ہم عمر
آہ! آں پور غلام مرتضیٰ از ما برفت
جانشین خواجہ شیر محمد شرق پور
معدن حلم و حیا، صدق و صفا از ما برفت
حب مولیٰ در وجود پیر او ہر دم جواں
عاشق پاک جناب مصطفیٰ از ما برفت
شافی امراض دل بہر مریدان صفا
واہ دلہارا دوا و ہم شفا از ما برفت
اشک خون آمیز شد از عین عینینم رواں
چوں شنیدم آں امام اتقیاء از ما برفت
در نظر گشتہ جہاں تا روسیاہ از موت او
لیلہائے کفر و عصیاں را ضیاء از ما برفت
دل گرفتہ ایں ہمہ دیوار و درہا را ببیں
از زبان حال گریاں دلربا از ما برفت
بلبلاں نالہ کناں در صحن بستان و چمن
باغباں رفت و بہار جانفزا از ما برفت

ہیں کہ می بینم مجالس را ہمہ ویران شدہ
رونق محفل چو ماہ خوش لقا از ما برفت

میکدہ ویراں' خم و ساغر ہمہ افسردہ اند
آہ! آں پیر مغان خوش عطا از ما برفت

مسجد و تسبیح و سجادہ بگویند ایں سخن
عابد شب زندہ دار 'و' بے ریا از ما برفت

کنج خلوت را نظر کن' نالہ و شیون کناں
نالہ شب گیرد آں آہ رسا از ما برفت

راز توحید و نکات عشق را کے بشنویم
رازدان کن فکاں ناز و ادا از ما برفت

باکہ گویم شادؔ ایں افسانہ درد و الم
سرگروہ عاشقان باوفا از ما برفت

آں کہ بد عشق و محبت را امام از ما برفت
پیشوائے امت خیرالانام از ما برفت

* * * * * *

مرثیہ وصال

حضور پرنور قبلہ و کعبہ حضرت صاحبزادہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ

قطب دوراں چھپ گیا

از۔ ایم فضل عظیم درد بھیرہ

بیربل کی سر زمین میں، ماہ تاباں چھپ گیا
منبع فیض و کرم وہ قطب دوراں چھپ گیا
صاحب حلم و حیا وہ پیکر صبر و رضا
حامی دین نبی شمع فروزاں چھپ گیا
جن کے اخلاق و محبت کی نہیں ملتی مثال
ہائے غمخوار پریشاں، جان جاناں چھپ گیا
وہ علوم معرفت کا رازداں وہ راہ نما
راز ہائے فقر کو کر کے نمایاں چھپ گیا
مضطرب دل کے لیے چہرہ تھا تسکین جمال
ہائے ویرانی قسمت دل کا ساماں چھپ گیا
یہ زمین بیربل ہے مایہ صد افتخار
اس کے دامن میں وہ اپنا ماہ کنعاں چھپ گیا
عارف توحید و سنت مظہر نور خدا
درد اک عالم سے بحر علم و عرفاں چھپ گیا

* * * * * *

چند اشعار حسرت آثار

از شکستہ قلم، محمد عالم بیکس

اوہ وسدا اوہ وسدا دربار نی ویکھو اوہ وسدا
پُر انوار مزار نی ویکھو اوہ وسدا
حضرت محمد عمر پیارے دنیاں توں کر گئے کنارے
عاشق درد فراق دے مارے، کردے جان نثار نی ویکھو اوہ وسدا
ویکھو نی ایہہ ساڈا ماہی جیندی شان دی حد نہ کائی
سیاہ ولاندی کرے صفائی جسدی خوش گفتار نی ویکھو اوہ وسدا
چھپ گیا اوہ چند نورانی، جیندی سورج وانگ پیشانی
تک تک خلقت ہوئی دیوانی، چہرہ پرانوار نی ویکھو اوہ وسدا
جسدم سوہنے مجلس لاندے رحمت والے پھل برساندے
سب نوں وحدت جام پلاندے ساقی مست ہوشیار نی ویکھو اوہ وسدا
ڈاہڈی کیتی بے پرواہی، نظراں تھیں چھپ بیٹھے ماہی
اجے تاں ایہہ گل ڈھکدی ناہی جیوں کیتی سرکار نی ویکھو اوہ وسدا
بیکسؔ نہ کر گریہ زاری، رج رج ویکھ لے جاندی واری
حضرتؒ صاحب توں جند کر لیے صدقے سو سو وار نی ویکھو اوہ وسدا

* * * * * *

تاریخ وصال

از حضرت مولانا سید ابوظفر شریف احمد شرافت قادری نوشاہی رحمتہ اللہ علیہ
ساہن پال شریف (ضلع گجرات)

زہے رخصت شد! محمد عمر
کہ در صوفیاں بود روشن قمر

نبیرہ غلام شہ مرتضیٰ
کہ در بیربل بود شمع ہدا

فقیہ و محدث فضیلت مآب
بتفسیر قرآن معلیٰ خطاب

بشرع و تصوف بجاہ و جلال
شدہ مشتہر در جہاں چوں ہلال

ولی زماں فخر دوران بود
ز اقران خود گوی سبقت ربود

منور ز نور شہ نقشبند
ز فیض مجدد شدہ ارجمند

بہ نور ولایت شدہ مستنیر
جہانے ز ارشاد او فیض گیر

کمالات او در جہاں بے شمار
فیوضش بعالم شدہ آشکار

بہ شنبہ ازیں دار رحلت نمود
جمادی اولیٰ مہ پاک بود

ز دنیا چو بربست رخت حیات
بجنت خرامید آں پاک ذات
چو خواہی بدانی ز تاریخ او
تو از شیخ فردوس منزل بجو

۱۳۸۷ھ

دگر سال ترحیل والا گہر
دبستان حکمت محمد عمر

۱۳۸۷ھ

ہم از فرقت شاہ فرخ مزاج
محمد عمر باعث ابتہاج

۱۳۸۷ھ

شرافت بگو سال روشن ضمیر
ز ترحیل آہ شیخ برناؤ پیر

۱۳۸۷ھ

* * * * * *

سن عیسوی

شیخ ما فخر زماں شاہ عمر نور ہدا
سالک راہ طریقت ز جہاں سائر شد
ورجناں رفت بصدشان و شکوہ و تمکیں
ذات آں فیض رساں از دنیا طائر شد
سال وصالش زشرافت بشنو ایں مصرع
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

۱۹۶۷ء

* * * * * *

مادہ تاریخ عیسوی آیت شریف

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

۱۹۶۷ء

* * * * * *

قطعہ تاریخ وفات

احمد نظامی صفوی۔ لاہور

عالم دیں رہبر راہ سلوک
حضرت محمد عمر عالی نسب
احمدؔ مسکیں بگو سال وفات
رفت جنت صاحب علم و ادب

۱۳۸۷ھ

دیگر

تھے فقیہ علوم دین رسول
ہر سخن آپ کا تھا سر نوشت
مئے توحید عشق سے سرشار
باخود و بیخودی سر گذشت
تا ابد ہو گی فیضیاب نہ کیوں
شمع نور خلائق جائے نشست
دم قدم سے آپ کے سر سبز
آبیاری، سلسبیل کشت
حق تعالیٰ کے ہیں سبھی جویا
نقشبندی و قادری و چشت
یہ ندا آئی غیب سے احمد
صوفی نقشبند رفت بہشت

۱۳۸۷ھ

* * * * * *

مادہ تاریخ سن ہجری از آیت قرآنی

از حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ لاہور

فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِیْمًا

۱۳۸۷ھ

بارگاہ ربوبیت میں ایک سالک کی دُعا

(نتیجہ فکر صاحب تذکرہ حضرت قبلہ عالم صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ)

دمبدم تیرا تصور ہی رہے اور جستجو
ذکر تیرے سے رہے معمور میری گفتگو
کر محبت ذات اقدس کی مجھے یا رب عطا
تا کہ میں سب بھول جاؤں جو کہ ہے تیرے سوا
نیک و بد اغیار کی اٹھ جائے بھی مجھ سے تمیز
اور تیرے ماسوا ہرگز نہ ہو مجھ کو عزیز
یا الٰہی میں تیری حمد و ثنا کرتا رہوں
شکر تیری نعمتوں کا میں ادا کرتا رہوں
آنکھ میری بند ہو اور قلب ہو میرا کھلا
پھر تجلی طور کی قائم رہے اس پر صدا
موت سے پہلے ہی مرنا مجھ کو ہو جائے نصیب
تا فنائے قلب سے لذت اٹھاؤں اک عجیب
خوف تیرے سے ہمیشہ چشم میری تر رہے
جسم پر لرزہ رہے اور دل میں تیرا ڈر رہے
ساتھ ہی دعویٰ محبت کا رہے باعزّ و ناز
بے نیازی تیری کا کھٹکا رہے اے بے نیاز
مطلع الانوار سینہ میرا ہو جائے تمام
میں مٹوں سارے کا سارا اور مٹ جائے یہ نام
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی ہو جھلک پر تو فگن
کچھ نہ ہو کھٹکا کہ میرا کوئی ہے فرزند وزن
وصل تیرا ہو میسر بے تکیف و بے قیاس
لیک ظاہر میں رہے تیری شریعت کا لباس
سنت خیرالوریٰ کی بھی ملے مجھ کو لوا
ہر نفس پر میں کہوں یا مصطفیٰ یا مجتبیٰ
آنکھ میری دیکھ لے پھر نور اس محبوب کے
اور حجاب اٹھ جائے سارا چہرہ مطلوب سے
یہ حقیقت دیکھ کر پھر ہو حقیقت کل عیاں
جس کے کہنے سے لرز جائے زبان ناتواں

موت گر آ جائے آسانی سے ہو میرا گذر
جیسے کوئی پل سے گذرے یا کہ راہ بے خطر
ہاں مسلماں ہو کے جاؤں اس جہاں سے اے خدا!
بندگان خاص میں پھر رکھیو مجھ کو اے شہا!

عصمت و عفت تری کی بھی ملے مجھ کو روا || کیونکہ یہ بدکار اب تو ہے بہت رسوا ہوا
نفس امارہ پہ قابو دے تو اے قادر کریم || تیری رحمت کے سوا چارہ نہیں اب تو رحیم
اک گھڑی یا اس سے بھی کم مجھ کو اپنے پر نہ چھوڑ || یا الٰہی بحر عصیاں میں مری کشتی نہ توڑ
ماں سے بڑھ کر تو ہو اور باپ سے بڑھ کر بھی تو || یار و مونس میرا تو ہو اور سب کچھ تو ہی تو
رات دن تیرا تخیل ہی رہے مجھ کو مدام || ایک ساعت بھی نہ ہو تیرے سوا مجھ کو آرام
تو بھی میرا ہو رہے اور میں بھی تیرا ہو رہوں || تیری وحدت ذات میں ہوں محو جب جیوں مروں
تیرے کانوں سے سنوں گر میں سنوں اے کردگار || تیری ہی آنکھوں سے دیکھوں گر میں دیکھوں بار بار

کچھ ارادہ ہو نہ میرا گر ارادہ میں کروں!
جو ارادہ تو کرے پھر وہ ارادہ میں کروں!

* * * * * *

کتابیات

۱۔ انقلاب الحقیقت

از حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی" ۔ ادارہ تصوف احمد پارک موہنی روڈ لاہور

۲۔ انوار مرتضوی

از مولوی عبدالرسول بکھروی۔ مکتبہ قاضی محمد رضا، نلی، شریف ضلع خوشاب

۳۔ انوارلاثانی (جدید ایڈیشن)

از پروفیسر محمد حسین آسی۔ دربار لاثانی علی پور شریف ضلع سیالکوٹ۔ مطبوعہ ۱۹۸۲ء

۴۔ تاریخ اعوانان فی اولاد علی "

از ملک پرویز احمد خان اعوان۔ ادارہ تحقیق الاعوان۔ دواراندی۔ بھیرہ، آزاد جموں و کشمیر

۵۔ خزینہ معرفت

از صوفی محمد ابراہیم قصوری" ۔ مکتبہ حضرت میاں صاحب" ۔ شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ

۶۔ حالات اعلیٰ حضرت غلام مرتضیٰ بیربلوی"

از حضرت صاحبزادہ محمد عمر" ۔ مکتبہ قاضی محمد رضا، مہتمم دارالعلوم عطائیہ نلی ضلع خوشاب

۷۔ حیات القلوب

از ڈاکٹر عبیدالرحمان۔ اے جی کارپوریشن، یارن مارکیٹ، فیصل آباد

۸۔ ڈائری ۱۹۶۲ء

حضرت صاحبزادہ محمد بیربلوی" آستانہ عالیہ بیربل شریف ضلع سرگودھا۔

۹۔ سلسبیل (توحید نمبر) جون، جولائی ۱۹۶۶ء

مدیر حاجی فضل احمد" ۔ ادارہ تصوف احمد پارک موہنی روڈ لاہور

۱۰۔ سلسبیل (شیخ الطریقت نمبر) اگست، ستمبر ۱۹۶۸ء

مدیر حاجی فضل احمد" ۔ ادارہ تصوف احمد پارک موہنی روڈ لاہور

۱۱۔ سلوک اور مقصد سلوک

از ترجمان الحقیقت صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی" ۔ ادارہ تصوف احمد پارک موہنی روڈ لاہور
۱۲۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۶۳ء ۔ ادارہ تصوف احمد پارک موہنی روڈ لاہور
۱۳۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۶۴ء ایضاً
۱۴۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۶۵ء ایضاً
۱۵۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۶۶ء ایضاً
۱۶۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۶۷ء ایضاً
۱۷۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۶۸ء ایضاً
۱۸۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۶۹ء ایضاً
۱۹۔ فائل ماہنامہ سلسبیل ۱۹۷۰ء ایضاً
۲۰۔ فیض الکریم۔ مطبوعہ ۱۹۶۸ء
از حضرت قاضی مولانا عالم دین" ۔ مکتبہ آستانہ عالیہ عیدگاہ شریف راولپنڈی
۲۱۔ قرآنی نظریہ حیات
از ترجمان الحقیقت صاحبزادہ محمد عمر صاحب" ۔ ادارہ تصوف احمد پارک موہنی روڈ لاہور
۲۲۔ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ
از مولوی محمد حسین نقشبندی۔ ملک چنن الدین' نقشبندیہ منزل' کشمیری بازار لاہور
۲۳۔ مکتوبات حضرت امام ربانی" مجدد الف ثانی" جلد اول' دوم
ترجمہ مولانا سعید احمد نقشبندی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی
۲۴۔ مقالات
از جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری" ۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
۲۵۔ غیر مطبوعہ مواد
فراہم کردہ احباب بہ سعی جمیلہ۔ جناب حافظ محمد حبیب شاہ صاحب۔ مسجد پولیس لائن سرگودھا۔

* * * * * *

تمت بالخیر